500

سوال و جواب

برائے

عبادات



طہارت - نماز - روزہ - زکاۃ - حج و عمرہ

ترجمة | مولانا محمد یاسر عرفات

مکتبہ بیت السلام الریاض

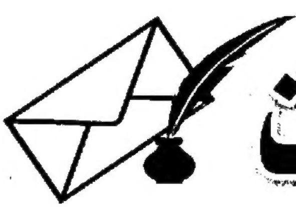
مکتبہ قدوسیہ

www.KitaboSunnat.com

500

سوال و جواب

برائے



عبادات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

500

سوال جواب

برائے

عبادات

◉ طہارت ◉ نماز ◉ حج و عمرہ
◉ روزہ ◉ زکوٰۃ

لاء صحاب الفضیلة

◉ الامام ابن باز ◉ العلامة العثیمین
◉ العلامة الفوزان ◉ سعودی فتوی کمیٹی

ترجمة

مولانا محمد یاسر عرفات

مکتبہ بیت السلام الریاض

طبع

۱۴۳۲ھ ——— ۲۰۱۱ء

مکتبہ بیت السلام الریاض

فون نمبر 4381122-4381155 فیکس 4385991

موبائل نمبر 0532666640 - 0542666646 - 0505440147

ص۔ب 16737 الریاض 11474 سعودی عرب

فہرس

پہلی قسم: طہارت کا بیان

❀ قضائے حاجت کے آداب

دوسری قسم: نماز کے احکام

❀ امامت کے احکام

❀ نمازِ جمعہ

❀ مسافر کی نماز

❀ احکامِ مساجد

تیسری قسم: جنازے کے احکام

چوتھی قسم: زکاۃ کے احکام

پانچویں قسم: روزے کے احکام

❀ تمہید

چھٹی قسم: حج کے احکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

شرعی احکام سے آگاہی اور واقفیت ہر مسلمان کے دینی فرائض میں شامل ہے کیونکہ اسی کے ذریعے بندۂ مومن اپنے عقائد اور عبادات و معاملات کی اصلاح کر سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں عوام الناس کو پیش آمدہ مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل پیش کیا گیا ہے اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عالم اسلام کے نامور علماء کے فتاویٰ جات کو یکجا کیا گیا ہے جو کسی امتی کے اقوال پر مبنی نہیں بلکہ خالصتاً کتاب وسنت کی بنیاد پر تحریر کیے گئے ہیں۔

اس لیے یہ مجموعہ ہر مسلمان کے لیے تسلی بخش اور مفید ہیں، چاہے وہ دنیا کے کسی خطے اور کسی مسلک سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ اور اس مجموعے کی ایک امتیازی صفت یہ بھی ہے کہ اس میں صرف صحیح اور ثابت احادیث پر اعتماد کیا گیا ہے، اس ضمن میں عالم اسلام کے نامور محدث جلیل علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے افادات وتحقیقات سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے۔ رحمه الله رحمة واسعة.

زیرِ نظر کتاب کو ہمارے فاضل بھائی مولانا محمد یاسر حفظہ اللہ نے اردو زبان میں منتقل کیا ہے جس پر ہم ان کے مشکور ہیں۔ اور آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس کتاب کو دنیوی اور اخروی فوز وفلاح کا ضامن اور جنت میں بلندئ درجات کا باعث بنائے۔ آمین یا رب العالمین.

والسلام

ابو میمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام ریاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی فقہ

1۔ اسلامی فقہ کی اہمیت:

اسلامی فقہ، اُس کے دلائل اور وہ فقہاءِ اسلام کہ جن کی طرف اس بارے رجوع کیا جاتا ہے، ان کی معرفت اور پہچان یقیناً بہت ضروری ہے۔ اہل علم کو چاہیے کہ اس کا اہتمام کریں اور لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، اور اس عبادت کی پہچان اسلامی فقہ، اس کے دلائل نیز اسلام اور اس کے دلائل کی معرفت کے بغیر ناممکن ہے۔ اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ائمۂ حدیث و فقہ اسلامی کہ، جن پر اس حوالے سے اعتماد کیا جاتا ہے، کی پہچان حاصل نہ ہوجائے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 5/10)

2۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں:

دین میں فقہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں سمجھ بوجھ کا ہونا ہے۔ اسلامی فقہ اسی کا نام ہے، نیز جو اللہ تعالیٰ کے خوف، تعظیم اور مراقبہ کی جہت سے ہے۔ یقیناً علم کی چوٹی خشیتِ الٰہی، اس کی حرمات

کی تعظیم اور اس کے اوامر ونواہی کے متعلق اللہ کا خوف و ڈر ہے۔ جس شخص میں اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت نہیں اس کے علم کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ علمِ نافع اور دینی سمجھ بوجھ، جو کہ سعادت مندی کی علامت ہیں، محض وہ علم ہے جو صاحبِ علم میں اللہ کی خشیت کی صورت اثر انداز ہوتا ہے، اس میں الٰہی حرمات کی تعظیم اور اس کا خوف پیدا کرتا ہے، اللہ کے فرائض کی ادائیگی اور حرام کاموں کو چھوڑنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے، دعوتِ الی اللہ سے سرشار کرتا ہے اور بندوں کے لیے اس کی شریعت کے بیان پر برانگیختہ کرتا ہے۔

جسے اس انداز سے دینی فقہ عطا کی گئی تو یہ اس بات کی دلیل و علامت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر و بھلائی مل گئی ہے، اور جو اس سے محروم کر دیا گیا وہ جہلاء اور گم گشتۂ راہِ ہدایت کے ساتھ ہوگیا جو دینی فقاہت سے اعراض کرنے والے، واجبات سے منہ پھیرنے والے اور حرام کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی خصلت بتلائی ہے کہ وہ جس چیز کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں، اس سے منہ پھیرتے ہیں۔ اس میں ہمارے لیے تنبیہ ہے کہ ہم مسلمان دین کی طرف متوجہ ہوں، اس میں سمجھ بوجھ حاصل کریں، ہر اشکال کے بارے میں پوچھیں اور دین کے متعلق بصیرت حاصل کریں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ ﴾ [الأحقاف: 3]

''اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اس چیز سے جس سے وہ ڈرائے

گئے، منہ پھیرنے والے ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا﴾ [الكهف: 57]

"اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور اسے بھول گیا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے بنا دیے ہیں، اس سے کہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے اور اگر تو انھیں سیدھی راہ کی طرف بلائے تو اس وقت وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے۔"

مومن کی شان یہ ہے کہ علم حاصل کرے، دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرے، اپنی بصیرت جگائے، اللہ تعالیٰ کی کتاب کی جانب متوجہ ہو، اس میں غور و خوض اور استفادہ کرے، رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اہتمام کرے، اس میں تفقہ سے کام لے، اس پر عمل کرے اور جتنا ہو سکے اسے حفظ کرے۔ جس نے ان دو بنیادوں سے اعراض کیا اور غفلت برتی تو یہ اس بات کی دلیل و علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ ہلاکت اور بربادی کی نشانی ہے، شقاوتِ قلبی اور ہدایت سے انحراف کی دلیل ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز سے سلامتی اور عافیت چاہتے ہیں جو اس کے غضب کی

موجب ہے۔

ہم مسلمانوں کے لائق ہے کہ اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کریں، اپنے فرائض کے بارے جانیں، غور و خوض، تلاوت، استفادہ اور عمل کے اعتبار سے قرآن مجید سے لو لگائیں۔ اسی طرح حفظ، عمل اور تفقہ کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اہتمام کریں، اس کے متعلق پیدا ہونے والے اشکالات کے متعلق سوال کریں کیونکہ انسان کو استفادہ کے لیے اپنے سے زیادہ علم والے سے پوچھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [الأنبياء: 7]

''پس ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے۔''

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: ۱۰/ ۶)

3۔ ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب:

حنفی مذہب امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ مالکی مذہب امام مالک بن انس اصبحی مدنی رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہے۔ شافعی مذہب کا انتساب امام محمد بن ادریس شافعی قرشی رحمہ اللہ کی طرف ہے، جبکہ حنبلی مذہب امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ سب ائمہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے بعد گزرے ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے افضل ترین لوگ تھے، جنھوں نے اخذِ احکام میں قرآن مجید، احادیثِ رسول ﷺ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے اجتہاد کیا، لوگوں کے لیے حق واضح کیا۔

ان کے اقوال ہم تک نقل در نقل پہنچے ہیں اور مسلمانوں کے مابین تمام علاقوں میں پھیل چکے ہیں۔ ان کے بعد آنے والے بہت زیادہ علماء ان پر اعتماد

کرتے ہیں کیونکہ یہ ائمہ دین میں امانتدار تھے اور ان کے اصول قابل اعتماد تھے۔ چنانچہ علماء نے ان کے اقوال لوگوں میں عام کر دیے۔ اَن پڑھ لوگوں میں سے جو ان کی تقلید کرے اور ان کے فتووں پر عمل کرے وہ اسی امام کی طرف منسوب ہوگا، لیکن اس پر لازم ہے کہ دیگر با وثوق معاصر علماء سے پوچھے اور دلیل کے ساتھ حق کو پہچاننے کی کوشش کرے۔ ❶

ان چیزوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سب رسول اللہ ﷺ کے پیرو تھے نہ کہ رسول اللہ ﷺ ان کے تابع تھے، بلکہ جو کچھ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلامی شریعت لائے وہی ان کی بنیاد ہے، جس کی طرف یہ ائمہ کرام اور دیگر علماء عظام رجوع کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کو یک طرفہ دین کی پیروی کی وجہ سے جو کہ ملتِ ابراہیم وملتِ محمدی ﷺ ہے، حنفی کہا جائے گا۔

(اللجنة الدائمه: 1212)

4۔ ائمہ اربعہ کی شہرت کے اسباب:

فقہاء میں سے مجتہدین بہت زیادہ ہیں، بالخصوص ان تین صدیوں میں جنھیں مشہود لھا بالخیر کا درجہ حاصل ہے۔ ان میں سے چار ائمہ زیادہ مشہور ہوئے

❶ صحابہ کرام اور ائمہ سلف کے زمانے میں عام لوگوں کا یہ وطیرہ تھا کہ جب کسی کو کوئی مسئلہ پیش آتا وہ بلا قید اور بغیر تقلید کسی بھی عالم سے اپنا پیش آمدہ مسئلہ دریافت کرتا تو وہ عالم اس آدمی کو قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلے کا حل بتا دیتا۔ یہی وہ روش تھی جس پر خیر القرون میں عمل ہوتا رہا، ان زمانوں میں بھی بے شمار اُفضل، اعلم اور اُحفظ اہل علم موجود تھے لیکن کسی کی تقلید نہیں کی جاتی تھی، اس لیے اب ہمارا بھی یہی فریضہ ہے کہ اُسی روش پر عمل پیرا ہوں اور دین میں تقلید کی بنا پر کسی قسم کا تفرقہ بازی پیدا کریں اور نہ ہی لوگوں میں سے کسی کو اپنا امام بنا کر اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں اور نہ کسی کی عقیدت ومحبت کا دم بھرتے ہوئے تقلید کی آڑ میں قرآن وسنت کی بیان کردہ تعلیمات سے انحراف کریں۔ [مترجم]

ہیں۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کوفہ میں، ابو عبداللہ مالک بن انس اصبحی رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں، ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی قرشی رحمہ اللہ جو کہ قریش کے عالم اور فخر تھے، بغداد میں اور بعد ازاں مصر میں، اور ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی جو کہ اہل حدیث کے امام و پیشوا اور اپنے وقت میں عراق کے فقیہ تھے۔

ان ائمہ کی شہرت کے اسباب بہت زیادہ تھے:

1. قدرتی طور پر جہاں یہ پروان چڑھے یا جس علاقہ میں انھوں نے علم کی خاطر سفر کیے ان کا مذہب شہرت پاتا گیا، جیسا کہ امام ابو حنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ عراق میں، امام مالک رحمہ اللہ مدینہ میں اور امام شافعی رحمہ اللہ مکہ و مصر میں۔
2. ان کے شاگردوں اور مذہب اختیار کرنے والوں کی جہود و مساعی کہ جنھوں نے ان ائمہ کے اصولوں اور اجتہادات کو خوب سراہا اور جہاں جہاں گئے ان کے نام اور پیغام کو عام کرتے رہے، جس طرح کہ ابو یوسف اور محمد بن حسن عراق میں، ابن القاسم اور اشہب مصر میں، سحنون مغرب میں، ربیع بن سلیمان مصر میں اور امام احمد رحمہ اللہ کے شاگرد شام اور عراق وغیرہ میں۔
3. حکمرانوں کا ان کے مذاہب کو اپنانا اور انھیں قضاء و افتاء جیسے مناصب جلیلہ پر فائز کرنا، نیز ان علماء کے لیے مدارس قائم کرنا، ہر طرح کی امداد سے ان کے ساتھ تعاون کرنا۔

ان ائمہ کرام میں سے نہ تو کسی نے اپنے مذہب کی طرف دعوت دی نہ تعصب سے کام لیا، اور نہ ہی کسی دوسرے پر اپنے عمل کو لازم قرار دیا، بلکہ وہ صرف اور صرف کتاب و سنت کے داعی تھے، وہ نصوص کی وضاحت کرتے، قواعد کو کھول کر بیان کرتے، انھیں سے فروعی مسائل کا استنباط کرتے، اگر کوئی فتویٰ پوچھتا تو اسے فتویٰ دیتے لیکن کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے اپنے

شاگردوں یا کسی کو بھی اپنی رائے یا فتوے کا پابند کیا ہو، بلکہ ایسا کرنے والوں کو معیوب سمجھتے تھے اور حکم دیا کرتے تھے کہ اگر ان کا فتویٰ صحیح حدیث کے مخالف ہو تو اسے دیوار پر دے مارو۔ انھیں میں سے ایک کا قول ہے کہ ''صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت کرے۔ (اللجنة الدائمة: 1591)

5۔ کسی خاص مذہب کو اپنانے کا حکم:

کسی شخص پر لازم نہیں کہ ان فقہی مذاہب میں سے کسی کا پیرو ہو، بلکہ ضروری یہ ہے کہ حق کی معرفت کے لیے ہر ممکن کوشش کرے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے۔ پھر اس علمی سرمایہ سے معاونت حاصل کرے جو پہلے علماء بعد والوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں اور نصوص کی فہم و تطبیق کا راستہ سہل و آسان کر گئے ہیں۔ اگر کسی آدمی میں اتنی استعداد نہیں کہ بذاتِ خود نصوص سے احکامات کا استنباط کر سکے تو پختہ اور قابل اعتماد عالم سے راہنمائی لے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الأنبياء: 7]

''پس ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے۔''

اسے چاہیے کہ ایسے علما کی طرف رجوع کرے جو علم و فضل اور تقویٰ و اصلاح میں مشہور و معروف اور ثقہ و معتمد ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 12584)

پہلی قسم

طہارت کا بیان

1. پانی کے احکامات
2. نجاستوں کے احکامات
3. قضاءِ حاجت کے آداب
4. سنن فطرت
5. وضو کے احکامات
6. غسل کے احکامات
7. تیمّم کے مسائل
8. موزوں اور پٹی پر مسح کرنا
9. حیض اور نفاس کے احکامات

پانی کے احکامات

6- پانی کے بارے میں راجح قول

اصل قاعدہ یہ ہے کہ پانی پاک ہے۔ اگر نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ، ذائقہ یا بو بدل جائے تو نجس ہو جائے گا، قلیل ہو یا کثیر۔ اگر نجاست اسے بدلتی نہیں تو پاک ہی ہوگا لیکن اگر قلیل ہوتو احتیاطاً اور علماء کے اختلاف سے نکلتے ہوئے اس سے طہارت حاصل نہیں کرنی چاہیے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل ہو جائے گا جسے وہ مرفوعاً بیان فرماتے ہیں:

«إذا ولغ الكلب في إناء أحدكم فليرقه»[1]

"اگر کتا تمھارے کسی ایک کے برتن میں منہ ڈال جائے تو اسے انڈیل دے۔" (اللجنة الدائمة: 4849)

7- اس آدمی کا حکم جس نے ایسے تالاب سے وضو کیا جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے

اگر اس پانی کا رنگ، بو، اور ذائقہ نجاست کی وجہ سے نہیں بدلا تو اس میں پیدا ہونے والے کیڑے مکوڑے نقصان دہ نہیں ہیں، کیونکہ ان سے بچنا ناممکن ہے۔ مشقت کے سبب ان کی معافی دے دی گئی ہے، لہٰذا اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

(اللجنة الدائمة: 5896)

---

[1] صحيح مسلم [279/89]

8- بدلے ہوئے پانی کا حکم

اگر پانی کی تبدیلی نجاست کی وجہ سے ہو تو اس سے طہارت حاصل کرنا درست نہیں، وضو کے لیے نہ غسل کے لیے اور نہ ہی اس سے کپڑے دھونا جائز ہیں، اور اگر تبدیلی کسی پاک چیز سے پیدا ہوتی ہے یا زیادہ دیر ٹھہرا رہنے کی وجہ سے تو اس سے وضو و غسل اور دیگر نجاستوں کا ازالہ بھی جائز ہے۔

(اللجنة الدائمة: 11108)

9- پانی کی نالیوں کا حکم

پانی کے بارے میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ پاک ہے، اور پانی کی نالیاں بول و براز وغیرہ کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے، اگر یہ چلتی رہیں اور نجاست ختم ہو جائے اور گندگی کی بو، رنگ اور ذائقہ ختم ہو جائے تو پاک ہو جائیں گی۔ بصورت دیگر نجس ہی رہیں گی کیونکہ اس میں گندگی کے آثار باقی ہیں۔

(اللجنة الدائمة: 3159)

10- حوض کے پانی کی تطہیر جبکہ اس میں کوئی جانور گر جائے

اگر حرام جانور گر جائے جیسا کہ بلا اور سانپ وغیرہ یا حلال جانور گر جائے جیسا کہ کبوتر اور مرغی وغیرہ اور اس میں مرے نہیں تو اصل کا اعتبار کرتے ہوئے پانی پاک ہی سمجھا جائے گا۔ اگر یہ حیوانات پانی میں گر کر مر جائیں تو پانی قلیل ہو تو نجس ہو جائے گا، اور اگر پانی زیادہ ہو اور اس کا رنگ، بو اور ذائقہ نہیں بدلے تو نجس نہیں ہوگا۔ اہلِ سنن نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل الخبث» [1]

''جب پانی دو مٹکے تک پہنچ جائے تو وہ گندگی کو قبول نہیں کرتا۔''

اور مسند احمد میں ہے:

«إذا كان الماء قلتين لم ينجسه شيء» [2]

جب پانی دو مٹکے [3] ہوتو کوئی چیز اسے ناپاک نہیں کرسکتی۔''

(اللجنة الدائمة: 14559)

11- مٹی اور گھاس پھوس سے گدلا ہونے والے پانی سے وضو

اس جیسے پانی سے وضو کرنا، غسل کرنا اور اسے پینا جائز ہے کیونکہ اس کا نام اب بھی پانی ہی ہے، لہٰذا وہ پاک ہے۔ مٹی اور گھاس وغیرہ اس کی طہوریت کو سلب نہیں کرسکتیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 17/10)

12- پٹرول سے وضو کا حکم

یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ شرعاً پانی ہے نہ ہی اس پر پانی کا اطلاق ہوتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ [النساء: 43]

''پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر ملو، بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنا والا، بے حد بخشنے والا ہے۔''

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [63]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [65]

[3] ایک مٹکے کا موجودہ وزن تقریباً دوسو ستائیس (۲۲۷) کلوگرام ہوتا ہے۔ [مترجم]

اور پٹرول پانی ہے نہ پانی کا نام اسے شامل ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 19/10)

13- مخلوط پانی سے وضو کا حکم

پانی کا پاکیزہ چیزوں یا ان ادویات سے متغیر ہونا جو ضرر رساں چیزوں سے بچاؤ کی خاطر استعمال ہوتی ہیں، نقصان دہ نہیں بشرطیکہ پانی کا نام اپنی حالت پر برقرار رہے، چاہے کچھ تبدیلی رونما ہو بھی جائے جیسا کہ اگر وہ کائی کے پیدا ہونے سے بدل جائے یا درختوں کے پتوں اور مٹی وغیرہ سے، یہ چیزیں نقصان دہ نہیں۔ پانی اپنی اصل صورت میں پاک ہی رہے گا اور یہ کہ پانی ایسی چیز سے بدلے جس کی وجہ سے پانی کو پانی کا نام نہ دیا جا سکے بلکہ اسے کوئی اور ہی چیز بنا دے، جیسا کہ دودھ، جبکہ اسے پانی میں ڈالا جائے اور وہ لسّی بن جائے یا چائے بن جائے یا پانی شوربے کی صورت اختیار کر لے تو اس کے ساتھ وضو کرنا درست نہیں، کیونکہ اب یہ پانی کی بجائے کوئی اور چیز بن گئی ہے لیکن اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گرے جو پاک ہو اور پانی کی شکل وصورت نہ بدلے جیسا کہ مٹی اور بھوسہ وغیرہ تو یہ نقصان دہ نہیں، اور اگر نجاست گر جائے کہ جس سے پانی کا رنگ، بو یا ذائقہ بدل جائے یا تھوڑا پانی ہو اور نجاست سے آلودہ ہو جائے تو خراب ہو جائے گا، اس کا استعمال جائز نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 19/10)

نجاستوں کے احکامات

14- حدث اور نجاست سے پاکیزگی حاصل کرنے میں اصل شے پانی ہے

حدث سے طہارت حاصل کرنے میں بنیادی چیز پانی ہے۔ طہارت صرف پانی ہی سے ہوسکتی ہے، خواہ پانی صاف ہو یا کسی پاک چیز سے بدلا ہوا ہو، کیونکہ راجح قول یہی ہے کہ پانی جب پاک چیز سے بدل جائے اور اس کی صورت نہ بدلے تو پاکی کا وصف اس سے ناپید نہیں ہوجاتا، بلکہ وہ بذات خود بھی پاک ہوتا ہے اور دوسری چیز کو پاک کرنے کے قابل بھی ہوتا ہے۔ اگر پانی نہ ملے یا اس کا استعمال ضرر رساں ہو تو تیمم کیا جائے۔ وہ اس طرح کہ ہتھیلیاں زمین پر مار کر چہرے کا مسح کیا جائے اور پھر ہتھیلیوں کا مسح کیا جائے۔

یہ گفتگو حدث سے طہارت حاصل کرنے کے حوالے سے تھی۔ رہی نجاست تو جس چیز سے بھی وہ زائل ہوجائے وہ چیز پاک ہوجائے گی، پانی ہو یا کوئی اور چیز، کیونکہ نجاست کے وجود کو ختم کرنا مقصود ہے، وہ جیسے بھی ہو، خواہ زائل کرنے والی چیز مائع ہو یا ٹھوس اور جامد، لیکن کتے کی نجاست میں یہ التزام ضروری ہے کہ اسے سات دفعہ دھونا ہوگا اور ان میں سے ایک بار مٹی سے۔ اس بحث سے ہمیں معلوم ہوا کہ حدث اور نجاست میں طہارت حاصل کرنے میں کیا فرق ہے۔ (ابن عثیمین، مجموع الفتاویٰ والرسائل: 2)

15- پانی کے بغیر نجاست کی تطہیر

نجاست کو ختم کرنا ایسی چیزوں میں سے نہیں ہے جنھیں بطور عبادت کیا جاتا ہے۔ نجاست کو زائل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گندگی کے وجود کو ختم کر دیا جائے۔ جس چیز سے بھی نجاست زائل کی جائے اور وہ ختم ہو جائے، نشان بھی مٹ جائے تو وہ چیز موجب طہارت متصور ہوگی، خواہ پانی ہو یا کوئی اور چیز۔ مختار قول، جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے، یہی ہے کہ اگر نجاست دھوپ اور ہوا سے زائل ہو جائے تو وہ جگہ پاک سمجھی جائے گی، جیسا کہ میں نے کہا کہ گندگی کا وجود جب کسی جگہ ہوگا تو وہ نجس ہو جائے گی اور جب نجاست زائل کر دی جائے گی تو وہ جگہ اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گی (یعنی پاک متصور ہوگی) معمولی نشان باقی رہ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح بھاپ کے ساتھ کچھ چیزوں کی تطہیر کی جاتی ہے، اگر اس طرح ازالۂ نجاست ہو جائے تو یہ بھاپ بھی موجب تطہیر سمجھی جائے گی۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 3)

16- خشک نجاست کا حکم

خشک نجاست بھی تر نجاست کی طرح ہے، اس کے وجود کو ختم کرنا ضروری ہے، اور اسی طرح اس کے نشانات کو بھی پانی سے دھونا لازم ہے، اس میں سے کسی چیز کی معافی نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 9898)

17- حکمی نجاستیں اور ان کا طریقۂ تطہیر

حکمی نجاستوں سے مراد وہ نجاستیں ہیں جو پاک جگہ پر لگ جاتی ہیں، اسے

دھونا اور جگہ کو اس سے صاف کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، جبکہ وہ جگہ طہارت کی متقاضی ہو۔ جنسِ نجاست اور جگہ کے اعتبار سے طریقۂ تطہیر مختلف ہوتا ہے:

1. اگر نجاست زمین پر لگی ہو اور اس کے نشانات ہوں تو اس کے وجود کو ختم کر کے اوپر پانی بہا دینا کافی ہے، کیونکہ جب ایک آدمی نے مسجد کے کونے میں پیشاب کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«أريقوا على بوله سجلا من ماء»[1]

''اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دو۔''

لہٰذا جب نجاست زمین پر لگی ہو اور نشان والی ہو تو پہلے اس کا نشان ختم کریں گے اور پھر اس کے اوپر ایک دفعہ پانی بہا دیں گے جو کفایت کر جائے گا۔

2. اگر نجاست زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر ہو اور نجاست بھی کتے کی ہو تو اسے سات دفعہ دھونا اور ان میں سے ایک بار مٹی سے صاف کرنا ضروری ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

« إذا ولغ الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعا إحداهن بالتراب »[2]

''جب کتا تمھارے کسی ایک کے برتن میں منہ ڈال جائے تو وہ اسے سات مرتبہ دھوئے، ان میں سے ایک بار مٹی کے ساتھ۔''

3. جب نجاست زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر ہو اور کتے کی بھی نہ ہو تو راجح قول یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی وہ نجاست زائل کر دی جائے تو وہ چیز پاک ہو جائے گی، چاہے پہلی دفعہ دھونے سے پاک ہو جائے یا دوسری،

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [220]

[2] سنن النسائي الكبرى [78/1]

تیسری، چوتھی یا پانچویں دفعہ۔ اہم بات یہ ہے کہ جب نجاست کا وجود زائل ہوجائے تو وہ پاک ہوجائے گی، لیکن اگر چھوٹے بچے کی نجاست ہو جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ نجس جگہ پر پانی کے چھینٹے مار دیے جائیں، اسے دھونے اور ملنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ چھوٹے بچے کی نجاست جو کھانا نہیں کھاتا ہلکی اور خفیف ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 2)

18- خون کے احکامات

1. وہ خون جو کسی نجس جاندار سے نکلتا ہے نجس ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ، مثلاً خنزیر یا کتے سے نکلنے والا خون نجس ہے تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں کوئی تفصیل نہیں کہ وہ مردہ سے نکلا ہے یا زندہ سے۔
2. اس جاندار سے نکلنے والا خون جو زندگی میں پاک اور مرنے کے بعد نجس ہوتا ہے، اس کا خون اس کی زندگی میں بھی نجس ہی ہوتا ہے، لیکن تھوڑی مقدار معاف ہے، اس کی مثال بکری اور اونٹ ہے، یہ زندگی میں پاک اور مرنے کے بعد نجس ہیں۔ مرنے کے بعد ان کی نجاست کی دلیل درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ [الأنعام: 145]

”کہہ دے میں اس وحی میں، جو میری طرف کی گئی ہے، کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے، سوائے اس کے کہ وہ

مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کہ بے شک وہ گندگی ہے۔"

3 اس جاندار سے نکلنے والا خون جو زندگی میں بھی پاک ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی پاک ہوتا ہے، پاک ہے لیکن اکثر اہل علم نے آدمی کے خون کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ آدمی کا خون اس کی زندگی میں اور موت کے بعد بدن سے نکلے تو پاک متصور ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود جمہور اہل علم نے اسے نجس ہی قرار دیا ہے لیکن اس کی قلیل مقدار معاف ہے۔

4 سبیلین (اگلی اور پچھلی شرمگاہ) سے نکلنے والا خون نجس ہے اور اس کی تھوڑی مقدار بھی معاف نہیں ہے، کیونکہ جب نبی کریم ﷺ سے عورتوں نے کپڑوں کو لگ جانے والے خونِ حیض کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے دھونے کا حکم دیا اور تفصیل نہیں بیان فرمائی۔ اور جو خون انسان کی اگلی یا پچھلی جانب سے نکلتا ہے وہ نجس ہے اور وضو کو توڑ دیتا ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ، کیونکہ نبی ﷺ نے عورتوں کو خونِ حیض کے دھونے کا مطلق حکم دیا ہے جو اس کی نجاست کی دلیل ہے۔ نیز یہ کہ اس کی کم مقدار معاف نہیں ہے، اور دوسرا خون بھی ایسے ہی نجس اور وضو کو توڑنے والا ہے کم ہو یا زیادہ۔ لیکن وہ خون جو باقی جسم سے نکلتا ہے، ناک یا دانت یا زخم وغیرہ سے وہ وضو کو نہیں توڑتا کم ہو یا زیادہ۔

یہی قول راجح ہے کہ سبیلین کے علاوہ ناک، دانت وغیرہ سے نکلنے والا خون تھوڑا ہو یا زیادہ وضو کو نہیں توڑتا کیونکہ وضو کے ایسے خون سے ٹوٹنے کی کوئی دلیل نہیں، اور اصل طہارت کا باقی رہنا ہے حتی کہ اس کے خاتمے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ رہی ایسے خون کی نجاست تو اہل علم کے ہاں مشہور یہی ہے کہ وہ

نجس ہے اور اس کو دھونا لازم ہے لیکن اس کی کم مقدار معاف ہے، کیونکہ اس سے بچنا باعثِ مشقت ہے۔ واللہ اعلم (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 139)

19- قے کی طہارت

قے نجس نہیں ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس کا وقوع اکثر لوگوں سے ہوتا رہتا ہے لیکن کتاب وسنت میں اس کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں، لہٰذا یہ نجس نہیں اور نہ ہی وضو کو توڑتی ہے۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 18/139)

20- بچے اور بچی کا پیشاب

بچہ جب تک کھانا بطور غذا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے، جب غذا کے طور پر کھانا شروع کر دے تو دھویا جائے گا لیکن بچی کھانا کھاتی ہو یا نہ کھاتی ہو اس کے پیشاب کو مطلق دھویا ہی جائے گا۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ اور امام ابو داود رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ لفظ ابو داود کے ہیں:

«عن أم قيس بنت محصن أنها أتت بابن لها صغير لم يأكل الطعام إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأجلسه رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجره فبال في ثوبه، فدعا بماء فنضحه بالماء ولم يغسله»[1]

''حضرت ام قیس بنتِ محصن رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو، جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [374]

کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور کپڑے پر پانی چھڑک دیا، اور اسے دھویا نہیں۔"

سنن ابی داود اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يغسل من بول الجارية ويرش من بول الغلام»❶

"بچی کے پیشاب سے دھویا جائے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹے مارے جائیں۔"

ابو داود کی دوسری روایت میں ہے:

«يغسل من بول الجارية وينضح من بول الغام ما لم يطعم»❷

"بچی کے پیشاب سے دھویا جائے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹے مارے جائیں، جب تک وہ کھانا نہ کھاتا ہو۔" (اللجنة الدائمة: 627)

21- بچے کا اپنے اٹھانے والے پر پیشاب کر دینا جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو

یہ اس کی نماز توڑ دے گا اور اس کے پیشاب کو دھویا جائے گا، جبکہ وہ کھانا بطور غذا کھاتا ہو، یا اس پر اچھی طرح پانی بہا دیا جائے، پھر نماز نئے سرے سے دہرائے اگر بچہ ابھی کھانا نہ کھاتا ہو۔ (اللجنة الدائمة: 4514)

22- کپڑے پر چھوٹے بچے کا پیشاب لگ جاتا ہے

اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ چھوٹا بچہ جس کی غذا دودھ ہے، اس کا

---

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [376]

❷ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [377]

پیشاب ہلکی نجاست والا ہے اور اس کی تطہیر کے لیے چھینٹے مارنے ہی کافی ہیں۔ وہ اس طرح کہ سارے کپڑے پر پانی چھڑکے، اسے مَلنے یا کھرچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک چھوٹا بچہ لایا گیا، آپ ﷺ نے اسے گود میں رکھا اور اس نے پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، اس پر چھینٹے مارے اور انڈیلا نہیں۔ لیکن بچی کی نسبت سے یہ ہے کہ اس کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ پیشاب نجس ہے اور اس کو دھونا واجب ہے لیکن چھوٹے بچے کا پیشاب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس پر سنت کی دلالت موجود ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 208)

23- عورت کے بدن سے بہنے والی چیز کا حکم

تحقیق کے بعد میرے لیے واضح ہوا ہے کہ عورت سے خارج ہونے والا مادہ مثانہ سے نہیں، بلکہ رحم سے خارج ہوتا ہے اور وہ پاک ہے لیکن وضو کو توڑ دیتا ہے، اس لیے کہ ناقضِ وضو کے لیے ناپاک ہونا شرط نہیں۔ وبر سے نکلنے والی ہوا جس کا نشان بھی نہیں ہوتا، وضو کو توڑ دیتی ہے اور اس کی وجہ نئے سرے سے وضو کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ہوا ناپاک نہیں کیونکہ اس ہوا کے نکلنے کی وجہ سے جگہ کو نہیں دھویا جاتا۔ اگر عورت کے ساتھ یہ کیفیت مستقل ہو تو پھر یہ مادہ ناقضِ وضو نہیں لیکن وہ نماز کے وقت ہی وضو کر لے گی اور اس وقت کے اندر اندر فرض، نوافل، قرآن مجید کی تلاوت اور ہر مباح کام کر سکتی ہے، جیسا کہ سلس البول والے کے بارے اہل علم کی یہی رائے ہے۔ یہ بہنے والے مادے کا حکم طہارت کے اعتبار سے ہے کہ وہ پاک ہے اور کپڑے اور بدن کو نجس نہیں کرتا۔ وضو کے

اعتبار سے اس کا حکم یہ ہے کہ ناقضِ وضو ہے، الا یہ کہ عورت کو مستقل آئے۔ اگر مسلسل آئے تو ناقضِ وضو نہیں، لیکن عورت دخولِ وقت کے بعد ہی وضو کرے گی اور اس کی حفاظت کرے گی۔ اگر ٹھہر ٹھہر کر آتا ہے اور عادتاً نماز کے اوقات کے اندر اندر منقطع ہو جاتا ہے تو وہ نماز کو اس کے وقتِ انقطاع تک مؤخر کر لے، بشرطیکہ نماز کے وقت کے نکل جانے کا خطرہ نہ ہو۔ اگر خروجِ وقت کا خطرہ ہو تو وضو کرے، اس کی حفاظت کرے اور نماز پڑھ لے، کم یا زیادہ مقدار کا کوئی فرق نہیں، کیونکہ وہ اگلے راستے سے نکل رہا ہے، اس لیے اس کی تھوڑی اور زیادہ مقدار ناقضِ وضو ہے۔ بعض عورتوں کا خیال ہے کہ وہ ناقضِ وضو نہیں لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف امام ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ وضو کو نہیں توڑتا۔ لیکن انھوں نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اگر قرآن، سنت یا اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی دلیل ہوتی تو وہ حجت تھی۔

عورت پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنی طہارت کی فکر کرے کیونکہ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، چاہے سو نمازیں بھی پڑھ لے، بلکہ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ بغیر طہارت کے نماز پڑھنے والا کافر ہے، اس لیے کہ یہ آیات الٰہیہ سے استہزاء کے باب سے ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 239)

قضائے حاجت کے آداب

24- بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر

نا مناسب ہے کہ انسان بیت الخلاء میں اپنے رب کا ذکر کرے کیونکہ وہ جگہ اس کے لائق نہیں، اگر دل میں ذکر کرے تو کوئی حرج نہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 26)

25- بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کے نام والے اوراق لے کر جانا

اللہ تعالیٰ کے نام والے اوراق اگر جیب میں ہوں، ظاہر نہ ہوں تو بیت الخلا میں داخل ہوا جا سکتا ہے کیونکہ وہ پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں۔ نیز اکثر ناموں میں اللہ تعالیٰ کا نام ہی ہوتا ہے، جیسا کہ عبداللہ، عبدالعزیز وغیرہ۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 26)

26- بیت الخلاء میں قرآن مجید لے جانا

اہل علم کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کو بیت الخلاء میں لے جانا جائز نہیں، اس لیے کہ قرآنِ مجید کی تکریم و تعظیم اور شان کے لائق نہیں کہ اسے ایسی جگہ لے جایا جائے۔ واللہ الموفق (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 25)

27- ہوا خارج ہونے سے استنجا نہیں ہوتا

پیٹھ سے ہوا کا نکلنا ناقضِ وضو ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا»❶

”وہ نماز سے نہ پھرے حتی کے آواز سن لے یا بو محسوس کر لے۔“

لیکن یہ استنجا واجب نہیں کرتی، یعنی شرمگاہ کو دھونا لازم نہیں کرتی کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں نکلی جو لازماً دھوئی جائے۔ اس بنا پر جب ہوا خارج ہوگی تو وضوٹوٹ جائے گا اور انسان کے لیے وضو کر لینا ہی کافی ہے، یعنی کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے ساتھ ساتھ وہ چہرہ دھوئے گا اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے گا، سر اور دونوں کانوں کا مسح کرے گا اور ٹخنے تک پاؤں دھوئے گا۔

میں یہاں ایک مسئلہ پر تنبیہ کرتا ہوں جو اکثر لوگوں سے مخفی ہے کہ بعض لوگ نماز کے وقت سے پہلے پیشاب یا پاخانہ کرتے ہیں، پھر استنجاء کرتے ہیں۔ جب نماز کا وقت ہوتا ہے اور وہ آدمی وضو کرنے لگتا ہے تو کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ دوبارہ استنجاء کرے اور پھر سے شرمگاہ کو دھوئے، یہ درست نہیں ہے، فُضلہ خارج ہونے کے بعد جب انسان شرمگاہ کو دھو چکا تو اب جگہ پاک ہو چکی ہے، اسے دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ استنجاء یا ڈھیلے استعمال کرنے کا شرعی اعتبار سے مقصد جگہ کی تطہیر ہے۔ جب ایک بار طہارت حاصل کرے گا تو دوبارہ وہ جگہ نجس نہیں ہوتی، الا یہ کہ دوسری مرتبہ حاجت ہو جائے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 30)

28- استنجاء کے لیے رومال کا استعمال

استنجاء کے لیے رومال کا استعمال کفایت کر جائے گا، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ استنجے کا مقصد نجاست کا ازالہ ہے وہ رومال یا ٹاکی یا مٹی یا ڈھیلوں میں سے کسی سے بھی ہو جائے لیکن شارع نے جس چیز کو بطور استنجاء استعمال

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [177]

کرنے سے منع کیا ہے اس سے استنجاء جائز نہیں، جیسا کہ ہڈی اور لید ہے، کیونکہ ہڈیاں جنّوں کا کھانا جبکہ وہ حلال جانور کی ہوں، اگر حرام جانور کی ہوں تو نجس ہیں اور نجس سے طہارت کا حصول ناممکن ہے۔ لید بھی اگر نجس ہو (پلید جانور کی ہو) تو اس سے طہارت نہیں کی جا سکتی، اور اگر پاک ہو تو وہ جنّوں کے چوپاؤں کا کھانا ہے، اس لیے کہ جو جن نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تھے اور ایمان دار ہو گئے تھے، آپ ﷺ نے یہ چیزیں انھیں بطورِ ضیافت کے عطا کر دی تھیں اور قیامت تک یہ ختم نہیں ہو سکتی۔ فرمایا:

«لكم كل عظم ذكر اسم الله عليه، يقع في أيديكم أوفر ما يكون لحما»[1]

''جس ہڈی پر بھی اللہ کا نام لیا گیا ہے وہ تمھارے لیے ہے، جب وہ تمھیں ملے گی تم اس پر پہلے سے بھی زیادہ وافر گوشت پاؤ گے۔''

یہ امورِ غیب سے ہے، جن کا مشاہدہ ناممکن ہے، لیکن ہم پر واجب ہے کہ اِس پر ایمان لائیں۔ اس طرح یہ لید جنوں کے چوپاؤں کا چارہ ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ انسان جنوں سے افضل ہے اور اس لیے بھی کہ انسان آدم علیہ السلام سے ہے کہ جن کو سجدہ کرنے کا حکم جنوں کے باپ کو دیا گیا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ [الكهف: 50]

''تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، وہ جنوں میں سے تھا، سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔''

[1] صحيح مسلم رقم الحديث [450]

29- قضائے حاجت والی جگہ پر وضو کرنا جہاں کپڑوں کے ناپاک ہونے کا احتمال ہو

اللہ کے فضل و کرم سے یہ شریعت ہر اعتبار سے کامل اور اس انسانی فطرت کے موافق ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی ہے، اس نے سہولت اور آسانی کو پیش کیا ہے، بلکہ بے بنیاد وساوس اور تخیلات سے اعراض کی تعلیم دی ہے۔ اس بنا پر انسان اپنے کپڑوں سمیت پاک اور صاف ہے۔ اصل یہی ہے۔ نجاست کا اس کے بدن یا کپڑوں پر لگ جانا یقینی بات نہیں۔ اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی نے شکایت کی کہ اسے خیالات آتے ہیں اور وہ نماز میں کچھ محسوس کرتا ہے یعنی اسے بے وضو ہونے کا شک پڑتا رہتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا» [1]

"وہ نماز سے نہ پھرے حتیٰ کہ آواز سن لے یا بو محسوس کر لے۔"

لہٰذا اصل وہی کیفیت ہے جس پر وہ پہلے سے قائم ہے۔ جن کپڑوں کو پہن کر وہ بیت الخلاء میں گیا ہے اور قضاءِ حاجت کی ہے، اگر وہ پانی سے بھیگ گئے ہیں تو کون شخص کہتا ہے کہ یہ تری اور رطوبت بول و براز کی ہے اور نجس ہے؟ جب تک ہم کو اس بارے میں یقین نہیں تو پھر اصل طہارت ہی ہے۔ اگرچہ یہ اپنی جگہ درست ہے کہ انسان کو کبھی ایسے خیالات لاحق ہو جاتے ہیں کہ کپڑے کسی نجس چیز سے آلودہ ہو گئے ہیں، لیکن جب تک ہمیں یقین نہ ہو تب تک طہارت ہی ہو گی، لہٰذا جب نجاست کا یقین نہیں تو پھر کپڑوں کو دھونا کوئی

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [177]

ضروری نہیں۔ آدمی کے لیے جائز ہے کہ انھیں کپڑوں میں نماز پڑھ لے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 23)

30- کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم

انسان کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام نہیں ہے لیکن مسنون یہی ہے کہ وہ بیٹھ کر پیشاب کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

«من حدثكم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبول قائما فلا تصدقوه، ما كان يبول إلا جالسا»[1]

''جو تمھیں بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی تصدیق مت کرو، آپ ﷺ صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔''

اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، اور فرمایا:

''اس مسئلہ میں یہ سب سے صحیح روایت ہے اور اس لیے بھی کہ بیٹھ کر پیشاب کرنا زیادہ پردے والی چیز ہے، اور پیشاب کے چھینٹوں سے بچاؤ کے لیے زیادہ حفاظت کا باعث ہے۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت حضرت عمر، علی، ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أنه أتى سباطة قوم فبال قائما»[2]

---

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [12]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [224] صحيح مسلم [273/73]

"آپ ﷺ قوم کی گندگی کے ڈھیر پر آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔"

اس حدیث اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ وہ جگہ بیٹھنے کے لیے مناسب نہ ہو یا آپ ﷺ کا یہ فعل اس وضاحت کے لیے ہو کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام نہیں ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے خلاف نہیں جس میں بیٹھ کر پیشاب کرنا مذکور ہے کیونکہ وہ سنت ہے، واجب نہیں کہ جس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

(اللجنة الدائمة: 2001)

31- بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے ذکر

اسلام کے آداب میں سے ہے کہ انسان اس وقت ذکر کرے جب بیت الخلاء یا غسل خانے میں داخل ہونے کا ارادہ کرے۔ قبل از دخول کہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ» [1]

"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ناپاک جنّوں اور ناپاک جنیوں سے۔"

بعد از دخول اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے بلکہ خاموشی اختیار کرے۔

(اللجنة الدائمة: 1607)

32- جس کا بایاں ہاتھ کٹا ہو اس کے استنجا اور غسل کا حکم

استنجے کے بارے میں شرعی قاعدہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ سے ہو، دائیں ہاتھ کے شرف اور گندگی سے بچاؤ کی خاطر۔ کلی اور ناک میں پانی چڑھانا دائیں ہاتھ سے ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [142] صحيح مسلم [365/122]

《 كانت يد رسول الله صلى الله عليه وسلم اليمنىٰ لطهوره وطعامه ويده اليسرىٰ لخلائه وما كان مِنْ أذى 》[1]

''رسول اللہ ﷺ کا دایاں ہاتھ آپ ﷺ کے وضو اور کھانے کے لیے تھا اور بایاں ہاتھ استنجا اور آلودہ چیزوں کے لیے۔''

لیکن اگر دایاں ہاتھ زخمی یا کٹا ہوا ہو تو اس حالت میں ضرورت کے پیش نظر بائیں کو ہی استعمال کیا جائے گا، اور استنجاء کے حوالے سے یہ حکم ہے کہ اگر ڈھیلوں اور رومالوں وغیرہ پر اکتفا کر لے تو جائز ہے۔ بایں طور کے دونوں جانب سے محل نجاست کو تین یا زیادہ مرتبہ صاف کرے حتی کہ نجاست کے نشانات مندمل ہو جائیں۔ پھر کلی کرے، ناک میں پانی چڑھائے اور اپنا چہرہ تین بار دھوئے۔ پھر وضو مکمل کرے۔ اگر اعضاءِ وضو کو ایک یا دو مرتبہ دھونے پر اکتفا کرے تو بھی جائز ہے لیکن تین بار دھونا افضل ہے، سوائے سر کے مسح کے کہ وہ ایک بار ہی مسنون ہے، کانوں کا مسح بھی اس میں شامل ہے۔ نیز اس حالت میں بائیں ہاتھ سے کلی جائز ہے، اس لیے کہ وہ دائیں کے استعمال پر قادر نہیں۔ غسل کرنے کے لیے اگر وہ بذاتِ خود سارے بدن کو پانی سے تر بتر کر سکتا ہے تو یہ زیادہ مناسب ہے، اگر استطاعت نہیں تو اپنی بیوی وغیرہ سے مدد لے سکتا ہے کہ وہ اسے نہلا دے لیکن بیوی کے علاوہ ہر ایک سے اپنے ستر کو چھپائے گا۔ اگر باقی ماندہ بدن کو دھونے کے لیے کوئی معاون نہ مل سکے تو اس کی جگہ تیمّم کر لے۔ یہ اسے کافی ہو جائے گا۔ اس لیے کہ پانی کے استعمال پر عدم قدرت رکھنے والا حکماً ایسے ہی ہے جیسے اس کے پاس پانی ہے ہی نہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان بھی ہے:

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [33]

«إذا أمرتکم بأمر فأتوا منه ما استطعتم» ❶

''جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ اتنا کرو جتنا کر سکتے ہو۔''

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: 286]

''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

(اللجنة الدائمة: 18783)

33- ذکر سے مادہ کے نکلنے کا شبہ

تجھ پر لازم ہے کہ جب تو قضائے حاجت کر چکے تو پیشاب ختم ہونے کے بعد استنجا کر اور جگہ کو صاف کر، پھر وضو کر۔ اگر وضو کے بعد تجھے شک پیدا ہوا کہ کیا کوئی چیز نکلی ہے یا نہیں؟ تو اصل چیز طہارت ہی ہے، شک کی کوئی تاثیر نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا ینصرف حتی یسمع صوتا أو یجد ریحا» ❷

''وہ نماز سے مت پھرے یہاں تک کہ آواز سن لے یا بُو محسوس کر لے۔''

اور یہ اصول ہے کہ یقین شک سے ختم نہیں ہوتا۔ البتہ یہ جائز ہے کہ تو مغرب کے وضو سے عشاء کی نماز پڑھ لے، اور اگر عشاء کے لیے نیا وضو کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ (اللجنة الدائمة: 15731)

34- استنجاء کے وقت اخراجِ نجاست کے لیے پیٹھ کے اندر انگلی ڈالنا

اندرونی صفائی کے لیے پیٹھ میں انگلی ڈالنا جائز نہیں، کیونکہ ایسا تکلف منع

❶ صحیح مسلم [1337/412]

❷ صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [177]

ہے۔ واجب صرف یہ ہے کہ بیرونی صفائی کی جائے اور وہ استنجاء سے ہو جاتی ہے۔
(اللجنة الدائمة: 16109)

35- بواسیر کا مریض جو استنجاء کے لیے صرف پتھر ہی استعمال کر سکتا ہے

پاک پتھروں سے جو ان کے قائم مقام ہوں ان سے استنجا جائز ہے جو کہ جگہ کو صاف کر سکیں، جیسا کہ خشک رومال ہیں، یہ پانی سے استنجاء کی جگہ کفایت کر جائیں گے، جبکہ تین یا زیادہ دفعہ صاف کرنے سے جگہ صاف ہو جائے۔ شرط یہ ہے کہ وہ ہڈی یا لید نہ ہو۔ رہا وہ خون جو بواسیر کی وجہ سے مسلسل بہتا رہتا ہے تو وہ اس کی طہارت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جبکہ وہ اسے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

”سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔“

لیکن اسے چاہیے کہ کوئی ایسی چیز استعمال کرے جس سے خون کپڑوں اور بدن تک سرایت نہ کر پائے۔ (اللجنة الدائمة: 18634)

36- استنجا کے بعد پیشاب نکلنا

وضو کرنے کے بعد اگر پیشاب خارج ہو جائے تو بعد میں لازماً استنجاء کرنا ہوگا، پھر نئے سرے سے وضو کرنا ہوگا، کیونکہ وضو کی شروطِ صحت میں سے ہے کہ اس کا موجب منقطع ہو جائے۔ اگر بدن یا کپڑے کو پیشاب لگ جائے تو انھیں دھونا بھی ضروری ہے۔ (اللجنة الدائمة: 21264)

37- ہر وضو کے لیے استنجا ضروری نہیں

ہر نماز اور ہر وضو کے لیے استنجاء ضروری نہیں، اگر نماز کا وقت ہو جائے اور آپ باوضو ہوں تو نماز پڑھ لیں، اور دوسری نماز تک وضو باقی ہو تو وہ نماز بھی پڑھ لیں۔ اس لیے کہ وضو کا وجوب بے وضو ہونے پر ہی موقوف ہے۔ پھر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ استنجاء وضو کے تابع ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جب وہ وضو کرتا ہے اس سے پہلے استنجاء ضرور کرتا ہے خواہ بول و براز نہ بھی آیا ہو۔ کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ نمازِ ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے اگر اسے پیشاب پائخانہ کی حاجت ہوئی، اس نے قضائے حاجت کی اور مکمل استنجا کر لیا۔ پھر ظہر کی اذان ہوگئی۔ کیا وہ پہلے استنجے پر ہی اکتفاء کرے یا دوبارہ استنجاء کرنا ضروری ہے؟ تو ہم کہتے ہیں: پہلے استنجے پر ہی اکتفاء کرے، دوسری بار استنجاء کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ استنجاء تو جگہ کی صفائی کے لیے ہوتا ہے اور وہ صفائی کر چکا ہے۔ اب دوبارہ ایسا کرنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 11/115)

38- قضاءِ حاجت کے وقت منھ یا پیٹھ قبلہ جانب کرنا

اہل علم کے اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک عمارت کے علاوہ قبلہ کی جانب منھ یا پیٹھ کرنا حرام ہے۔ ان کا استدلال حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

« لا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا »[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [144] صحيح مسلم [264/59]

”پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ جانب نہ منھ کر اور نہ پیٹھ لیکن مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف۔“

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ہم ملک شام میں آئے تو دیکھا کہ بیت الخلا کعبہ کی سمت بنائے گئے ہیں تو ہم ان سے انحراف کرتے اور استغفار کرتے۔“

انھوں نے اسے عمارتوں کے علاوہ پر محمول کیا ہے لیکن عمارتوں میں منہ اور پیٹھ کرنا دونوں طرح جائز ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«رقيت يوما على بيت حفصة، فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم يقضي حاجته مستقبل الشام مستدبر الكعبة»[1]

”ایک روز میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر چڑھا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاءِ حاجت کرتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ شام کی طرف اور پیٹھ قبلہ جانب تھی۔“

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ قبلہ جانب منھ کرنا جائز ہے نہ پیٹھ کرنا خواہ عمارت ہو یا کھلی جگہ۔ انھوں نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے کئی ایک جوابات دیے ہیں:

1. حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نہی سے پہلے کے حکم پر محمول کیا جائے گا۔
2. نہی راجح ہوتی ہے، کیونکہ نہی اصل جواز سے پھیرنے والی ہے اور اصل کا ناقل اپنایا جاتا ہے۔
3. حدیث ابی ایوب رضی اللہ عنہ قول ہے جبکہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ فعل ہے، اور فعل قول کے معارض نہیں ہوسکتا، کیونکہ فعل میں اختصاص اور نسیان کا احتمال

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [148] صحيح مسلم [266/62]

ہوتا ہے۔ نیز کوئی اور عذر بھی محتمل ہو سکتا ہے۔

میرے نزدیک اس مسئلہ میں راجح قول یہ ہے کہ کھلی جگہ میں قبلہ جانب منہ اور پیٹھ کرنا دونوں حرام ہیں اور عمارت میں پیٹھ کرنا جائز ہے نہ کہ منہ کرنا، کیونکہ منہ کرنے کی نہی محفوظ ہے، اس میں تخصیص نہیں پائی جاتی ہے، اور پیٹھ کرنے کی نہی مخصوص بالفعل ہے، اور اس لیے بھی کہ پیٹھ کرنے کا معاملہ منہ کی نسبت زیادہ ہلکا ہے، اس وجہ سے۔واللہ اعلم۔اس بارے میں تخفیف وارد ہوئی ہے جبکہ انسان عمارت میں ہو، اور اگر ممکن ہو تو افضل یہی ہے کہ پیٹھ بھی نہ کرے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 31)

سننِ فطرت

39- سفید بالوں کو رنگنا

بالوں کو رنگنا سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ سیاہ کے علاوہ ہر رنگ سے انھیں تبدیل کر سکتا ہے۔ سیاہ رنگ لگانے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے:

«جنبوه السواد» [1] ''اسے سیاہ رنگ سے بچاؤ۔''

سیاہ رنگ لگانے والے کے بارے میں وعید آئی ہے۔ ہر ایماندار آدمی پر واجب ہے کہ سیاہ رنگ سے بچے کیونکہ اس بارے میں ممانعت اور وعید موجود ہے، اور اس لیے بھی کہ جو سیاہ خضاب لگاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی سنت کی خلاف ورزی کرتا ہے، جوانی میں بال سیاہ ہوتے ہیں، جب بڑھاپے یا کسی اور سبب سے سفید ہو جائیں تو آدمی دوبارہ سیاہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہ تخلیق الٰہی کو بدلنا ہے۔ جو شخص سیاہ خضاب لگاتا ہے ضروری ہے کہ اس کا بھید کھل جائے ہو جائے، اس لیے کہ بالوں کی جڑیں عنقریب ہی سفید ہو جائیں گی۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

نُسَوِّدُ أَعلَاهَا وَتَأْبىٰ أُصُولُهَا
وَلَا خَيْرَ فِيْ فَرْعٍ إِذَا خَانَهُ الْأَصْلُ

[1] صحیح مسلم [2102/79]

''ہم بالوں کے اوپر کے حصے کو سیاہ کرتے ہیں اور ان کی جڑیں انکار کر دیتی ہیں، ایسی شاخ میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے جس کی جڑ خیانت کر رہی ہو۔'' (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 45)

40- بغلوں کے بالوں کو اکھاڑنے کا حکم

بغلوں کے بالوں کو اکھاڑنا اس فطرت میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی شریعتوں میں اس کا حکم ہمیشہ سے رہا ہے۔ اسی طرح ناخن تراشنا، مونچھیں کاٹنا، زیرِ ناف بال مونڈھنا، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنھیں ہر سلیم الفطرت اور عقلمند آدمی پسند کرتا ہے اور منزل من اللہ شریعتیں انھیں ثابت کرتی ہیں۔ مونچھوں، زیرِ ناف بالوں، بغلوں کے بال اور ناخنوں کے بارے آپ ﷺ نے چالیس دن کی مدت مقرر فرمائی ہے۔ انھیں چالیس دن سے اوپر نہ چھوڑا جائے۔

اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہ مدت مقرر فرمائی ہے تو یہ انتہائی مدت ہے، اگر کسی وجہ سے ان بالوں کو پہلے بھی زائل کر دیا جائے تو درست ہے، جیسا کہ اگر ناخن لمبے ہوجائیں یا بغلوں میں بال زیادہ ہوجائیں یا مونچھیں چالیس دنوں سے پہلے ہی لمبی ہوجائیں تو انھیں زائل کر دیا جائے گا لیکن چالیس دن اخیر مدت ہے۔ تعجب ہے کہ بعض جہلاء اپنے ناخنوں کو لمبی مدت تک چھوڑے رکھتے ہیں حتی کہ وہ لمبے ہوجاتے ہیں اور ان میں میل کچیل کی تہیں جم جاتی ہیں۔ یہ منکرینِ فطرت ہیں اور اس سنت کے مخالف ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے مقرر فرمایا اور اس کی طرف دعوت دی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ ایسے کاموں کے لیے کیسے آمادہ ہوجاتے

ہیں حالانکہ اس میں صحت کا نقصان ہے اور شریعت کی مخالفت بھی۔ کچھ لوگ چھنگلی یا شہادت والی انگلی کا ایک ناخن چھوڑ دیتے ہیں، جو جہالت اور سراسر غلط ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ ان خطوط پر چلیں جو نبی اکرم ﷺ نے بتلائے ہیں۔ ناخن کاٹیں، مونچھیں تراشیں، زیر ناف بال مونڈھیں اور بغلوں کے بال اکھاڑیں کیونکہ فطرت کا یہی تقاضا ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 57)

41- ناخنوں کو لمبا کرنے کا حکم

ناخنوں کو لمبا کرنا حرام نہیں تو مکروہ ضرور ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ناخنوں کے بارے میں مدت مقرر فرمائی ہے کہ یہ چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے جائیں۔ تعجب خیز بات ہے کہ یہ لوگ جو تہذیب اور ترقی کے دعویدار ہیں اپنے ناخنوں کو بڑھاتے ہیں حالانکہ ان میں گندگی اور میل کچیل پھنس جاتی ہے جس سے انسان حیوان معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ما أنهر الدم وذكر اسم الله عليه فكل إلا السن والظفر، أما السن فعظم، وأما الظفر فمدى الحبشة»[1]

"جو جانور خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھا، سوائے دانت اور ناخن کے کیونکہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔"

یعنی حبشی ناخنوں سے چھریوں کا کام لیتے ہیں، ان کے ساتھ ذبح کرتے اور گوشت وغیرہ کاٹتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو جانوروں کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 58)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2488] صحيح مسلم [1968/20]

42- سونے کے دانت لگوانا

مردوں کے لیے ضرورت کے علاوہ سونے کے دانت لگوانا جائز نہیں ہے، کیونکہ مرد پر سونا پہننا اور اس سے آراستہ ہونا حرام ہے۔ البتہ عورت کے لیے کوئی حرج نہیں جبکہ خواتین میں سونے کے دانتوں سے زیب و زینت اختیار کرنے کی عادت ہو۔ نیز اس میں اسراف اور فضول خرچی کا پہلو نہ پایا جاتا ہو۔

فرمانِ نبوی ہے:

«أحل الذهب والحرير لأناث أمتي»[1]

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال کیا گیا ہے۔''

اگر عورت اس حالت میں مر جائے یا مرد اس حالت میں وفات پائے کہ اس نے ضرورت کے پیشِ نظر سونے کا دانت لگوایا تھا تو دانت اتار لیا جائے، الا یہ کہ مثلے کا ڈر ہو۔ یعنی یہ ڈر ہو کہ مسوڑھا نہ اکھڑ جائے۔ یہ اس لیے ہے کہ سونا مال متصور ہوتا ہے اور میت کے بعد ورثاء مال کے وارث ہوتے ہیں، لہٰذا اسے میت کے ساتھ باقی رکھنا اور دفن کر دینا مال کو ضائع کرنا ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 15)

43- سونے کے دانتوں سے شگاف پُر کرنا

سونے کے دانتوں سے شگاف پُر کرنا جائز نہیں مگر دو شرطوں کے ساتھ:

1. سونے کے علاوہ کسی اور چیز سے اسے بھرنا ناممکن ہو۔
2. شگاف کی وجہ سے منہ بدصورت لگے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 76)

[1] سنن النسائي، رقم الحديث [5148]

44- دانتوں کی درستگی

اگر اس کی ضرورت ہو بایں طور کہ دانتوں میں بودھا پن اور بدصورتی ظاہر ہوتی ہو جو قابل اصلاح ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی احتیاج نہ ہو تو ناجائز ہے، بلکہ دانتوں کو حسن کی خاطر باریک اور کشادہ کرنے کے متعلق ممانعت آئی ہے اور اس کی وعید سنائی گئی ہے کیونکہ یہ عبث کام اور خدائی تخلیق کو متغیر کرنا ہے۔ اگر یہ علاج کے لیے ہو یا بدصورتی کے خاتمہ کے لیے یا ضرورت کے پیشِ نظر ہو، بایں طور کہ انسان دانتوں کی درستگی اور برابر کیے بغیر کھانا کھانے سے بھی قاصر ہو تو کوئی حرج نہیں کہ ان کی اصلاح کروا لے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 484)

45- دانت تبدیل کروانا تخلیقِ الٰہی کو بدلنا نہیں ہے

متاثرہ یا معیوب دانتوں کا علاج معالجہ کہ جس سے ان کی تکلیف ختم ہو جائے یا دانت نکلوا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نیز ضرورت کے پیشِ نظر مصنوعی دانت بھی لگوائے جا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ازالۂ مضرت کی خاطر یہ مباح علاج ہے جو خدائی تخلیق کو بدلنے میں نہیں آتا، اس لیے کہ فطرت سے مراد فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ [الروم: 30] ''اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں۔'' میں دین اسلام ہے۔

(اللجنة الدائمة: 21104)

46- ختنہ

ختنہ سننِ فطرت میں سے ہے اور یہ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے ہے، لیکن مذکر کے لیے واجب اور عورتوں کے لیے سنت و باعثِ عزت ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2137)

47- داڑھی کو معاف کر دینے کا حکم

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«جزوا الشوارب وأرخوا اللحیٰ خالفوا المجوس»❶

”مونچھوں کو کاٹو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

نیز فرمایا:

«خالفوا المشركين، وفروا اللحیٰ وأحفوا الشوارب»❷

”مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو۔“

صحیح بات یہی ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، بطور خاص جبکہ اسے کئی قرائن گھیر لیں، جیسا کہ ان دونوں حدیثوں میں ہے۔ لہٰذا جس نے داڑھی منڈوائی اس نے برا کام کیا اور مقتضائے فطرت کی مخالفت کی۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ (اللجنة الدائمة: 327)

48- داڑھی کو سیاہ خضاب لگانا

یہ جائز نہیں کہ آدمی اپنی داڑھی کو سیاہ خضاب سے رنگے کیونکہ اس سے اجتناب اور ممانعت کے متعلق احادیث میں حکم موجود ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

«أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة، ورأسه ولحيته كالثغامة بياضا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: غيروا هذا

❶ صحيح مسلم، رقم الحديث [260/55]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [5892] صحيح مسلم [259/54]

الشیب وجنبوہ السواد» ❶

”ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ والے دن لایا گیا تو ان کا سر اور داڑھی سفید پھولوں والے درخت کی طرح سفید تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سفیدی کو بدل دو اور اسے سیاہی سے بچاؤ۔“

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«یکون قوم یخضبون في آخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة» ❷

”اخیر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے جس طرح کے کبوتروں کے سینے ہوتے ہیں۔ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکیں گے۔“

لیکن سیاہ کے علاوہ دیگر رنگوں سے سفید بالوں کو رنگنا جائز ہے، جیسا کہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے واضح ہو چکا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 1640)

49- بغلوں کے بال استرے سے مونڈھنا

یہ جائز ہے، کیونکہ مقصد بغلوں سے بالوں کا صفایا ہے وہ مونڈھنے سے ہو یا اکھاڑنے وغیرہ سے، اگر آسانی ممکن ہو تو اکھاڑنا افضل ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«الفطرة خمس: الختان وقص الشارب وقلم الظفر، ونتف الإبط، وحلق العانة» ❸

❶ صحیح مسلم [2102/79]

❷ صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [4212]

❸ صحیح البخاري، رقم الحدیث [5550] صحیح مسلم، رقم الحدیث [257]

''پانچ چیزیں فطرت ہیں: ختنے، مونچھیں کٹوانا، ناخن تراشنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا اور زیرِ ناف بال مونڈھنا۔'' (اللجنة الدائمة: 3184)

50- بال صفا پاؤڈر کا استعمال

ہاں، یہ جائز ہے۔ اس کے ساتھ بغلوں اور زیر ناف بالوں کا صفایا کیا جاسکتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 7970)

51- داڑھی کے بالوں کو لمبا کرنے کے لیے ادویات کا استعمال

ایسا علاج جو داڑھی کے بالوں کو گرنے سے روکے جائز ہے لیکن انھیں محض لمبا کرنے کے لیے ایسا کرنا غیر مشروع ہے کیونکہ یہ ایک ایسا تکلف ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی برہان اور دلیل نازل نہیں فرمائی۔

(اللجنة الدائمة: 19062)

52- کان کے گرد اُگنے والے بالوں کو صاف کرنا

کان کے گرد اُگنے والے بالوں کا صفایا کرنا جائز ہے جبکہ باقی جسم پر کوئی ضرر رساں اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں۔ (اللجنة الدائمة: 20979)

53- بال اگانے کا حکم

ایسی مباح ادویات کے استعمال میں کوئی حرج نہیں جو سر کے بال اگانے میں مدد و معاون ہوں۔ مرد و زن سبھی ضرورت کے تحت ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 20168)

54- مرد اور عورت کے بالوں کی حد

مرد کے لیے جائز ہے کہ سر منڈوا لے اور چاہے تو بال بڑھا لے لیکن اس میں کفار کی مشابہت نہ ہو۔ پھر سنت کے مطابق ان کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھے، نیز کندھوں تک بالوں کو بڑھا سکتا ہے۔ یہ ''لمّہ'' نبی اکرم ﷺ کی سنت بھی ہے لیکن عورت کے لیے سر کے بال منڈوانا حرام ہے، سوائے علاج معالجہ کے۔ وہ مردوں یا کافر عورتوں جیسے بال نہیں رکھ سکتی کیونکہ یہ حرام ہے، اسے چاہیے کہ انھیں بڑھائے کیونکہ یہ اس کا حسن و جمال ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 18743)

55- بالوں کے ساتھ پراندہ لگانا

اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ یہ بالوں کی جنس سے ہو اور نہ ہی ان کے مشابہ۔ نیز ایسی شکل وصورت کا بھی نہ ہو کہ زلفوں جیسا لگے، کیونکہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ وہ زلفوں سا لگے اور عورت کے بال حقیقت اور اصلیت سے زیادہ طویل دکھائی دیں۔ (اللجنة الدائمة: 14379)

56- ہاتھوں اور چہرے کو گودنے کا حکم

گودنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے گودنے والے اور گدوانے والی دونوں پر لعنت کی ہے۔[1]

''واشمہ'' وہ عورت ہے جو خود بخود گودتی ہے اور ''مستوشمہ'' وہ عورت ہے جو کسی اور سے گدواتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زبانی دونوں ملعون ہیں۔ یہ اسلام میں حرام اور اللہ کی بنائی ہوئی چیز کو بدلنا ہے شیطان کے پیچھے اولادِ آدم

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5942]

میں سے جو بھی چلے گا وہ اسے ان راہوں پر ڈال دے گا۔ یہ شیطان کا عہد ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ [النساء: 119]

''تو یقیناً وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت بدلیں گے۔''

ایسے کام سے بچنا ضروری ہے، دوسروں کو بھی اس سے اجتناب کی تلقین کرنی چاہیے اور بتانا چاہیے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جس عورت نے اس کا ارتکاب کیا، اگر دل کی رغبت اور اختیار سے کیا تو وہ گنہگار ہے، اسے توبہ کرنی چاہیے، اگر ممکن ہو تو ان نشانات کو ختم کرنا چاہیے۔ اگر اس کے شوق اور اختیار کے بغیر ایسا ہوا ہے، بایں طور کہ بچپن میں ہوا تو گناہ کرنے والے پر ہوگا لیکن اگر اس کے لیے ممکن ہو تو اسے ضرور ختم کر دے اور اگر ازالہ ناممکن ہو تو وہ معذور سمجھی جائے گی۔

(اللجنة الدائمة: 435)

57- زیورات پہننے کے لیے بچی کے کان میں سوراخ کرنا

زیورات کے لیے بچی کے کان میں سوراخ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ عمل ہمیشہ سے اکثریت میں چلا آرہا ہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں بھی موجود تھا۔ تب عورتیں کانوں وغیرہ میں بلا جھجک زیورات پہنا کرتی تھیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ یہ بچی کے لیے باعثِ تکلیف ہے تو یاد رہے کہ اس میں خالصتاً بچی کی مصلحت ہے کیونکہ وہ زیورات اور خوبصورتی کی ضرورتمند ہے۔ اس حاجت اور مقصد کے لیے کان کے سوراخ کی اجازت ہے، جیسا کہ ضرورت کے وقت اس کی جراحت اور اسے داغنا جائز ہے۔ لہٰذا زیورات کے لیے کان کا سوراخ بھی جائز ہے اور یہ کام اتنا زیادہ اذیت ناک بھی نہیں ہے، نہ ہی بچی پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ (الفوزان، المنتقى: 437)

58- رخساروں کے بال ہلکے کرنا

رخساروں کے بالوں کو ختم کرنا یا ہلکا کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے:

《أنه لعن النامصة والمتنمصة》 ❶

”یقیناً آپ ﷺ نے (چہرے کے) بال اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی پر لعنت کی ہے۔“

59- عورت کے چہرے پر اُگنے والے بالوں کو صاف کرنا

اس میں تفصیل ہے، اگر تو روٹین کے بال ہیں تو ان کا صفایا درست نہیں، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے بال اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی پر لعنت کی ہے۔ اور ”نمص“ کہتے ہیں: چہرے اور رخساروں کے بالوں کو ختم کرنا۔ ہاں اگر بال کچھ زیادہ ہی ہوں کہ بدصورتی کا باعث ہوں جیسا کہ مونچھیں اور داڑھی تو ان کے صفایا میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ عورت کی بدصورتی اور ضرر کے موجب ہیں۔ جو ممنوع ”نمص“ میں داخل نہیں۔
(ابن باز، مجموع الفتاویٰ والمقالات: 51/10)

60- ہاتھوں اور پاؤں کے بالوں کا صفایا

اگر زیادہ ہوں تو ان کے صفایا میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بدصورتی کا باعث ہیں اور اگر روٹین کے ہیں تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ انھیں صاف نہ کیا جائے کیونکہ یہ اللہ کی تخلیق کو بدلنا اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا ازالہ جائز ہے

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [4170]

کیونکہ یہ ان چیزوں میں شامل ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار کی ہے۔

فرمانِ نبوی ہے:

«ما سكت عنه فهو عفو»[1]

جس چیز سے اللہ تعالیٰ خاموش ہے وہ معاف ہے۔''

اور ان علماء کا کہنا ہے کہ بال تین قسموں کے ہیں:

1. پہلی قسم، جن کے صفایا کی حرمت پر شریعت میں نص موجود ہے۔
2. دوسری قسم کہ جن کا صفایا کرنے کے متعلق شریعت نے حکم دیا ہے۔
3. تیسری قسم کہ جن کے متعلق شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے۔

جن کے صفایا کی حرمت پر شریعت نے نص بیان کی ہے انھیں ختم نہیں کیا جا سکتا، جس طرح کہ مرد کی داڑھی اور مرد و زن کا رخسار کے بال اکھاڑنا، اور جن کے خاتمے اور ازالے کا حکم دیا ہے، انھیں صاف کیا جائے گا۔ مثلاً بغلوں کے بال، زیر ناف بال اور مرد کی موچھیں۔ اور جن سے شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے وہ معاف ہیں، اس لیے کہ اگر وہ ان چیزوں میں سے ہوتے جن کے وجود کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے تو ان کے ازالے کا حکم دے دیتے اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے باقی رکھنے کو پسند کرتے تو باقی رکھنے کا حکم صادر فرما دیتے تو جب اللہ تعالیٰ ان سے خاموش ہیں تو یہ انسان کے اختیار کی بات ہے، اگر وہ چاہے تو صاف کردے اور اگر چاہے تو باقی رکھے۔ واللہ الموفق.

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 64)

61- عورت کا اپنے بالوں کو گھونگھریالے بنانا

عورت ایسی صورت میں بالوں کو گھونگھریالے بنا سکتی ہے کہ کافر عورتوں

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [19243]

سے مشابہت نہ ہو اور غیر محرم مردوں کے سامنے انھیں ظاہر بھی نہ کرے۔ یہ کام وہ خود کرے یا اپنی کسی قریبی عورت سے تعاون حاصل کرے۔ گھونگھریالا پن تھوڑی یا طویل مدت کے لیے ہو یا کسی جائز لوشن کے استعمال سے ہو یا بغیر کسی لوشن کے اس میں کوئی فرق نہیں۔ اس کام کے لیے کافر عورتوں کے پاس نہ جائے کیونکہ اس کا گھر سے نکلنا باعثِ فتنہ اور ممنوع چیز کے ارتکاب کا موجب ہے، اور اس لیے بھی کہ ایسی جگہوں پر کام کرنے والیاں یا تو ٹھیک نہیں ہوتیں یا مرد ہوتے ہیں جن کے سامنے اس کا بالوں کو ظاہر کرنا حرام ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 472)

62- عورت کا وِگ پہننا

وِگ حرام ہے کیونکہ یہ عورت کے سر کے بالوں کو اصل حقیقت سے زیادہ طویل ظاہر کرتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے وِگ لگانے والی اور لگوانے والی پر لعنت کی ہے لیکن اگر عورت کے سر پر بال ویسے ہی نہ ہوں یا وہ بیماری سے گنجی ہوجائے تو وِگ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں تاکہ یہ عیب چھپ سکے، اس لیے کہ عیوب کو چھپانا جائز ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو جس کا ناک کسی غزوے میں کٹ گیا تھا، سونے کا ناک لگانے کی اجازت دے دی تھی، اور یہ مسئلہ اس سے زیادہ وسیع ہے، اس میں حسن و جمال اور اس کے کئی کاموں کو دخل ہے، لہٰذا جو ازالۂ عیب کی خاطر ہو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اس کے ناک میں ٹیڑھا پن ہو تو وہ اسے سیدھا کروالے یا سیاہ بدنما دھبہ ہو تو اسے صاف کروالے، ان میں کوئی حرج نہیں، اور اگر بغیر ازالۂ عیب کے ہو جیسا کہ دانت باریک کروانا یا چہرے کے بال اکھڑوانا تو یہ ممنوع ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 68)

وضو کے احکامات

63- وضو کرتے وقت گناہ جھڑتے ہیں

وضو کی فضیلت کے متعلق کئی ایک احادیث موجود ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ خطا جس کا ارتکاب اس نے اپنی آنکھ سے کیا تھا، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ بہہ جاتی ہے، اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے ہر وہ خطا جس کا ارتکاب اس نے پاؤں سے چل کر کیا تھا، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخرے قطرے کے ساتھ ڈھل جاتی ہے یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔''[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«من توضأ فأحسن الوضو خرجت خطاياه من جسده حتى تخرج من تحت أظفاره...»[2]

''جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا اس کے گناہ اس کے جسم سے نکل

---

1. صحیح مسلم [244/33]
2. صحیح مسلم [245/32]

جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔'' (الفوزان: المنتقیٰ: 5)

64- وضو کا طریقہ

شرعی وضو کے طریقے کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ ہے جس کے بغیر وضو مکمل اور درست نہیں ہوتا۔ یہ قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدۃ: 6]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو)۔''

اور وہ ہے ایک بار چہرہ دھونا، کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا، ہاتھوں کو انگلیوں کے کناروں سے لے کر کہنیوں تک ایک بار دھونا۔ وضو کرنے والے کو خیال کرنا چاہیے کہ بازوؤں کو دھوتے وقت ہتھیلیوں کو بھی دھوئے۔ کچھ لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں اور صرف بازو ہی دھوتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ پھر سر کا مسح کرے ایک بار، اس میں کان بھی شامل ہیں۔ ایک دفعہ پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ یہ ہے وہ طریقہ جو واجب اور ضروری ہے۔

وضو کے طریقے کی دوسری صورت مستحب ہے جسے ہم اب اللہ تعالیٰ کی مدد سے بیان کرتے ہیں کہ انسان وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھے، تین بار ہتھیلیوں کو دھوئے، پھر تین بار کلی کرے اور ناک میں پانی چڑھائے تین چلّو

کے ساتھ، پھر چہرے کو تین بار دھوئے، پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک تین تین بار دھوئے، پہلے دائیں کو پھر بائیں کو، پھر ایک بار سر کا مسح کرے، ہاتھوں کو تر کرے اور انھیں سر کے اگلے حصے سے پچھلے حصے تک لے جائے، پھر واپس اگلے حصے تک لے آئے۔

پھر کانوں کا مسح کرے، اس طرح کہ شہادت والی انگلی ان کے سوراخوں میں داخل کرے اور اپنے انگوٹھوں سے کانوں کے بیرونی حصے کا مسح کرے، پھر پاؤں کو تین تین بار ٹخنوں تک دھوئے، پہلے دائیں کو پھر بائیں کو، پھر اس کے بعد کہے: "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ"

جب وہ ایسا کرے گا تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے، جس میں سے چاہے وہ داخل ہو۔[1] صحیح حدیث میں ایسے ہی بیان ہوا ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 88)

65- زبانی بول کر نیت کرنے کا حکم

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى »[2]

"بے شک اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور یقیناً آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔"

[1] صحیح مسلم [234/17]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1907]

نیت کا محل صرف دل ہے اس کے لیے زبان سے بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب بندہ وضو کے لیے اٹھے گا تو یہی اس کی نیت ہے۔ کوئی بھی عاقل انسان جسے کسی کام پر مجبور نہ کیا گیا ہو بغیر نیت کے اس کام کو نہیں کرتا۔

اس لیے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بغیر نیت کے کام کرنے کا مکلّف بنا دیتا تو یہ ایسی تکلیف ہوتی جس کی طاقت کسی کے پاس نہ ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کہ وہ زبان سے نیت کیا کرتے تھے۔ جن لوگوں کو تم زبان سے نیت کرتے ہوئے دیکھتے ہو یا تو وہ جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں یا پھر تقلیدِ امام کی وجہ سے کہ جناب! نیت زبان سے کرنی چاہیے تاکہ زبان دل کی ہمنوا بن جائے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بات سرے سے صحیح ہے ہی نہیں۔ اگر یہ کوئی مشروع کام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور امت کے لیے بیان فرما دیتے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 355/12)

66- وضو کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھنا

وضو کرتے وقت ''بسم اللہ'' پڑھنا واجب ہے۔ جو شخص بھول گیا یا اسے علم نہ تھا کہ شرعی حکم کیا ہے تو اس کا وضو صحیح ہے اور جس نے جان بوجھ کر ''بسم اللہ'' نہ پڑھی تو اس کا وضو باطل ہے۔ علما کے دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لا وضو لمن لم یذکر اسم اللہ علیه» [1]

''اس کا وضو نہیں جس نے ''بسم اللہ'' نہ پڑھی۔''

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [101]

67- جس شخص کا وضو والا کوئی ایک عضو نہ ہو

اگر اعضاءِ وضو میں سے کسی انسان کا کوئی ایک عضو نہ ہو تو اس سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے کہ محلِ فرض ناپید ہے۔ لہٰذا اس پر وجوب بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اگر وہ مصنوعی عضو بھی لگا لیتا ہے تو اس کو دھونا بھی ضروری نہیں۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ موزوں کی مانند ہے، لہٰذا اس پر مسح کرنا ہوگا، اس لیے کہ موزے تو اس عضو پر پہنے گئے ہیں جو موجود ہے اور اسے دھونا واجب ہے لیکن اس شخص نے مصنوعی عضو لگوایا ہے جہاں اصل عضو موجود نہیں ہے لیکن علماء نے کہا ہے کہ اگر جوڑ سے کاٹا جائے تو عضو کے اوپر سے دھونا واجب ہے، مثلاً اگر کہنی سے کاٹا جائے تو بازو کے اوپر سے دھونا واجب ہوگا اور اگر اس کی ٹانگ ٹخنے سے کاٹی گئی ہے تو پنڈلی کے کنارے کو دھونا واجب ہے۔ واللہ اعلم

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 92)

68- وضو کرتے وقت چہرہ اور ہاتھ صابن سے دھونا

وضو کرتے وقت چہرہ اور ہاتھ صابن سے دھونا غیر مشروع ہے بلکہ یہ تکلف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تکلف کرنے والے ہلاک ہو گئے'' تین بار یہ ارشاد فرمایا۔[1] ہاں فرض کریں کہ ہاتھوں پر میل کچیل لگی ہے اور وہ صابن وغیرہ کے استعمال سے ہی ختم ہو سکتی ہے تو تب کوئی حرج نہیں اور اگر محض عادتاً کیا جائے تو صابن کا استعمال تکلف اور بدعت شمار ہوگا، لہٰذا ایسا نہ کیا جائے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 89)

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2670]

69- سر کے مسح میں عورت مرد کی طرح ہے

شرعی احکامات کا اصول ہے کہ جو چیز مردوں کے لیے ثابت ہے وہی حکم عورتوں کے لیے ہے، اور اس کے برعکس جو عورتوں کے لیے ثابت ہے وہی مردوں کے لیے بھی ہے، الا یہ کہ فرق کی دلیل آ جائے۔ اور میں ایسی کوئی دلیل نہیں جانتا جو اس مسئلہ میں عورت کی تخصیص کرتی ہو، اس بنا پر وہ سر کا مسح کرے گی۔ سر کے اگلے حصے سے پچھلے کی طرف، اگرچہ بال لمبے ہوں وہ اس سے متاثر نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ مطلب نہیں کہ وہ زور سے بالوں کو دبائے، یہاں تک کہ وہ تر ہو جائیں یا سر کی چوٹی تک آ جائیں۔ بس اسے چاہیے آرام اور سکون سے مسح کرے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 90)

70- دورانِ وضو ناک میں پانی چڑھانے کے بارے میں شک کرنا

اگر اس آدمی کو یہ شک ہوتا ہی رہتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کہ زیادہ شک وسوسہ ہے، اور اگر اسے حقیقتاً شک لاحق ہو گیا ہے کہ اس نے کلی کی ہے کہ نہیں؟ تو دوبارہ کلی کرے گا اور دوبارہ ہاتھوں کو دھوئے گا اور باقی اعضاءِ وضو کو بھی تاکہ ترتیب ملحوظ رہے۔ اگر اس نے سر کا مسح کر لیا اور پھر شک ہوا کہ کلی کی ہے کہ نہیں؟ تو وہ کلی کرے، پھر ہاتھ دھوئے، پھر سر کا مسح کرے اور پھر پاؤں دھوئے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 23/117)

71- وضو کو توڑنے والی چیزیں

اہل علم کا ان چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے لیکن ہم یہاں انھیں ذکر کر رہے ہیں جو دلیل سے ثابت ہیں:

پہلی چیز: سبیلین سے خارج ہونے والی چیز، یعنی اگلی جانب اور پیٹھ سے، جو چیز بھی ان سے نکلے گی وہ ناقضِ وضو ہوگی، پیشاب ہو یا پاخانہ، منی ہو یا مذی، ہوا ہو یا کچھ اور لیکن اگر منی شہوت سے خارج ہو تو غسل واجب ہوجاتا ہے، اور اگر مذی ہو تو شرمگاہ اور خصیوں کو دھونا لازم آتا ہے اور ساتھ ہی وضو بھی۔

دوسری چیز: گہری نیند، اتنی زیادہ کہ سونے والا اگر بے وضو ہوجائے تو اسے پتہ نہ چلے۔ اگر نیند اتنی تھوڑی ہو کہ اگر بے وضو ہو تو پتہ چل جائے یہ ناقضِ وضو نہیں ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں کہ لیٹ کر سویا ہو یا بیٹھ کر یا ٹیک لگا کر یا بغیر ٹیک کے بیٹھا سو رہا ہو۔ اصل بات دل کا حاضر ہونا ہے۔ اگر وہ اسی حالت میں ہو کہ اگر بے وضو ہو تو فوراً پتہ چل جائے تو وضو ایسی نیند سے نہیں ٹوٹے گا اور اگر ایسی حالت میں ہو کہ اسے خود بخود بے وضو ہونے کا احساس نہ ہو تو وضو کرنا واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیند بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں ہے بلکہ یہ ایک ذریعہ اور سبب ہے۔ اگر انسان ایسی نیند میں ہے کہ اگر بے وضو ہو تو اسے احساس ہوجائے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس بات کی دلیل کہ نیند بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں ہے، یہ ہے کہ تھوڑی نیند ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اگر یہ نیند ناقضِ ہوتی تو تھوڑی اور زیادہ ہر حالت میں ناقضِ وضو ہوتی، جس طرح کہ پیشاب تھوڑا ہو یا زیادہ ناقضِ وضو ہے۔[1]

تیسری چیز: اونٹ کا گوشت کھانا، گوشت کچا ہو یا پکا ہوا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أنتوضأ من لحوم الغنم؟ قال إن شئت، فقال: أنتوضأ من

---

[1] درست بات یہی ہے کہ نیند بذاتِ خود بھی ناقضِ وضو ہے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی صراحت موجود ہے۔ [مترجم]

لحوم الإبل؟ قال نعم» ❶

''کیا ہم بکری کے گوشت سے وضو کریں تو فرمایا: اگر تم چاہو۔ کہا: کیا ہم اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟ فرمایا: ہاں۔''

نبی کریم ﷺ نے بکری کے گوشت سے وضو انسان کی مشیت اور چاہت پر چھوڑ دیا ہے جو ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر انسان اونٹ کا گوشت کھا لے، کچّا یا پکا، اس پر وضو واجب ہے۔ سرخ اور غیر سرخ گوشت میں کوئی فرق نہیں۔ اونٹ کے جمیع اعضاء چربی، تلی، دل وغیرہ سب ناقضِ وضو ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرق بیان نہیں کیا، حالانکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ لوگ یہ جمیع اعضاء کھاتے ہیں۔ اگر حکم مختلف ہوتا تو آپ ﷺ لوگوں کے سامنے ضرور بیان فرما دیتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ شریعتِ اسلامیہ میں کسی جانور کا حکم اس کے اجزاء کی نسبت سے مختلف ہو۔ حیوان یا تو حلال ہے یا حرام ہے، موجبِ وضو ہے یا نہیں، ایسا نہیں کہ کچھ حصے کا حکم اور ہو اور کچھ کا اور یہودیوں کی شریعت میں ایسا تھا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ﴾ [الأنعام: 146]

''اور ان لوگوں پر جو یہودی بن گئے، ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائیوں اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربیاں حرام کر دیں، سوائے اس کے جو ان کی پشتیں یا انتڑیاں اٹھائے ہوئے ہوں، یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔''

❶ صحیح مسلم [306/97]

اسی لیے اہل علم کا اجماع ہے کہ خنزیر کی چربی حرام ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف گوشت کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [المائدة: 3]

''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔''

خنزیر کی چربی کے حرام ہونے کے بارے میں علما میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں اونٹ کے گوشت کا ذکر جس نسبت سے موجود ہے، اس حکم میں چربی، انتڑیاں اور دیگر اعضاء بھی شامل ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 83)

72- خون کا نکلنا اور وضو ٹوٹنا

ہمیں ایسی کسی دلیل کا علم نہیں کہ شرمگاہ کے علاوہ خون کا نکلنا ناقضِ وضو ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ ناقض نہیں ہے۔ عبادات توقیفی ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ عبادت بھی مشروع ہے، مگر دلیل کے ساتھ۔ اور بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ اگر شرمگاہ کے علاوہ کسی عضو سے بہت زیادہ خون بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی اس صورت میں احتیاطاً وضو کر لے اور علماء کے اختلاف سے بھی نکل جائے تو یہ اچھا ہے۔ فرمان نبوی ہے:

«دع ما يريبك إلى ما لا يريبك»[1]

''چھوڑ جو تجھے شک میں ڈالتی ہے اس کی طرف جو تجھے شک میں نہیں ڈالتی۔'' (اللجنة الدائمة: 2461)

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [2518] سنن النسائي، برقم [5711]

73- ایک شخص نے شرمگاہ کو دھویا اور وضو کیا لیکن دورانِ وضو ہی بے وضو ہو گیا

انسان جب شرمگاہ کو دھو لے اور جگہ کو صاف کر لے تو دوبارہ دھونا اس وقت تک واجب نہیں جب تک کوئی چیز نہ نکلے۔ اس بنا پر سائل اگر دورانِ وضو بے وضو ہو گیا ہے تو جب تک کوئی چیز ہوا کے علاوہ نہیں نکلے گی اس پر شرمگاہ کو دھونا لازم نہیں ہے۔ بایں صورت وہ شرمگاہ کو دوبارہ نہیں دھوئے گا، بس نئے سرے سے وضو کرے گا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کے سبب شرمگاہ کو دھونا وضو کے ساتھ بھی ضروری ہے۔ یعنی وضو سے پہلے شرمگاہ کو دھونا ہوگا اگرچہ کوئی چیز خارج نہ بھی ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدۃ: 6]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو) اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔“

اور یہاں شرمگاہ کو دھونے کا ذکر نہیں کیا جس سے ظاہر ہوا کہ فرج کو دھونا وضو کا حصہ نہیں ہے یہ تو بول و براز کی وجہ سے حکم دیا گیا ہے، لہٰذا جب بول و براز کرے گا تو فرج کو دھوئے گا ورنہ نہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 83)

74- سبیلین کے علاوہ سے خارج ہونے والی چیز کا حکم

سبیلین کے علاوہ سے خارج ہونے والی چیز کم ہو یا زیادہ ناقضِ وضو نہیں ہے، سوائے پیشاب اور پاخانے کے۔ اس لیے کہ اصل چیز وضو کا نہ ٹوٹنا ہے، جو اس اصل کے خلاف دعویٰ کرے گا اس پر دلیل واجب ہے۔ انسان کی طہارت دلیل شرعی سے ثابت ہو چکی ہے اور جو چیز دلیل سے ثابت ہو اس کا خاتمہ بھی دلیل سے ہی ہو سکتا ہے۔ ہم کتاب و سنت سے باہر نہیں جاتے کیونکہ ہم اللہ کی شریعت کی پیروی کرتے ہیں نہ کہ اپنی خواہشات کی۔ لہٰذا ہم اللہ کے بندوں پر ایسی طہارت واجب نہیں کرتے جو لازم نہیں اور نہ ہی واجب طہارت کو ان سے ختم کرتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ نبی ﷺ نے قے (الٹی) سے وضو کیا ہے تو ہم کہیں گے اس حدیث کو کثیر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر یہ ایک فعل ہے اور محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ وہ حکم سے خالی ہوتا ہے، اور پھر یہ اس حدیث کے بھی معارض ہے، جس میں ہے کہ ''بے شک نبی ﷺ نے سینگی لگوائی اور نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔''[1]

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے قے سے وضو وجوب کے لیے نہیں کیا تھا۔ یہی قول راجح ہے کہ باقی بدن سے نکلنے والی چیز ناقضِ وضو نہیں ہے، چاہے قے ہو، لعاب ہو، خون ہو، زخموں کا پانی ہو یا کوئی اور چیز۔ سوائے بول و براز کے۔ وہ ایسے کہ بدن سے کوئی جگہ ان کے خروج کے لیے کھل جائے تو ان کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 83)

[1] سنن الدارقطني [157/1]

75- دورانِ وضو تیل لگے بالوں کا مسح

بالوں کو زیتون یا کوئی اور تیل لگانا وضو میں ان کے مسح سے مانع نہیں ہے اور نہ ہی جنابت، حیض اور نفاس کے غسل میں ان کے دھونے میں رکاوٹ ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض پرداز ہوئی کہ میں اپنے سر کے بال سختی سے باندھتی ہوں۔ کیا غسلِ جنابت و حیض کے لیے انھیں کھولوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات، ثم تفيضين عليك الماء فتطهرين» ❶

''تجھے بس یہی کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین لپ ڈالے پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہالے۔ اس طرح تُو پاک ہوجائے گی۔''

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 63/92)

76- بال، چمڑہ یا ناخن کاٹنا ناقضِ وضو نہیں

انسان کا بال، چمڑہ اور ناخن کاٹنا وضو کو نہیں توڑتا۔ اس مناسبت سے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ بال کاٹنے کے اعتبار سے ان کی اقسام ذکر کروں:

① پہلی قسم: وہ بال جن کے صفایا کا شارع نے حکم دیا ہے، مثلاً زیر ناف اور بغلوں کے بال اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

② دوسری قسم: وہ بال جن کے صفایا سے منع کیا ہے، مثلاً داڑھی کے بال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «وفروا اللحى...» ❷ ''داڑھیاں بڑھاؤ۔'' اسی طرح رخسار کے بال بھی ہیں۔

---

❶ صحيح مسلم [330/58]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [5892]

3 تیسری قسم: وہ بال جن سے شارع نے خاموشی اختیار کی ہے، جس طرح کے سر، پنڈلی، بازو اور باقی جسم کے بال۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کو کاٹنا منع ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے اور شیطان کے کاموں سے ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ [النساء: 119]

''تو یقیناً وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت بدلیں گے۔''

اور کچھ علماء کا کہنا ہے کہ ان کو کاٹنا جائز ہے، کیونکہ ان سے خاموشی اختیار کی گئی ہے، شریعت نے کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے اور کچھ سے منع کیا ہے اور کچھ چیزوں سے سکوت اختیار کیا ہے۔ یہ سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کے بارے نہ حکم دیا ہے اور نہ منع کیا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو دونوں صورتوں (امر و نہی) کی وضاحت ہوتی۔ یہ استدلال زیادہ درست ہے کہ جن بالوں کے صفایا سے منع کیا گیا ان کا ازالہ ناجائز ہے۔ اور جن بالوں کے ازالہ کا حکم دیا ہے ان کی مدت چالیس دن ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مونچھ، ناخن، زیر ناف بالوں اور بغلوں کے بالوں کی مدت مقرر کی کہ چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے جائیں لیکن کچھ لوگ ناخنوں کو بڑھانے پر بضد ہیں اور بعض چھنگلی کے ناخن کو طویل کرتے ہیں، حالانکہ اس میں شریعت کی مخالفت ہے۔ یہ چیز انھیں درندوں سے جاملاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«ما أنهر الدم، وذكر اسم الله عليه فكل إلا السن والظفر، فإن السن عظم، والظفر مدى الحبشة»[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2488] صحيح مسلم [1968/20]

''جو خون بہائے اور بوقتِ ذبح جس پر اللہ کا نام لیا ہے، اسے کھا لو سوائے دانت اور ناخن کے، کیونکہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔''

ناخن کے حبشیوں کی چھری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حبشی ناخن بڑھاتے حتیٰ کہ نیزے کی مانند ہوجاتے، جب خرموش وغیرہ کو پکڑتے تو ناخن سے چھری والا کام لیتے ہوئے اسے ذبح کرتے۔ اسی لیے مجھے ان لوگوں پر حیرانگی ہوتی ہے جو تہذیب و ثقافت کے متوالے بنتے اور صاف ستھرا رہنے کا بڑا نام لیتے ہیں لیکن ناخن بڑھاتے ہیں یا بغلوں کے بال اور زیر ناف بال نہیں کاٹتے، حتیٰ کہ وہ طویل در طویل ہوجاتے ہیں۔ کیا تہذیب، نظافت اور ترقی پسندی یہی ہے؟ (ابن عثیمین : مجموع الفتاویٰ والرسائل: 143)

77- جو چیزیں غسل کی موجب ہیں وہ وضو کو بھی توڑ دیتی ہیں

ہمارے فقہاء رحمہم اللہ کے ہاں مشہور ہے کہ جو چیز موجبِ غسل ہے وہ موجبِ وضو بھی ہے سوائے موت کے۔ اس لیے غسل کرنے والے کے لیے وضو کی نیت کرنا بھی ضروری ہے، یا تو غسل کے ساتھ وضو کرے یا پھر غسل میں دونوں حدثوں سے طہارت کی نیت کر لے۔ جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدثِ اکبر میں غسل کی نیت وضو کی نیت کے لیے بھی کافی ہے کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدۃ: 6]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منھ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو) اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔''

اللہ تعالیٰ نے حالتِ جنابت میں صرف پاکی حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور وضو کا ذکر نہیں کیا۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی جس آدمی کو غسل کے لیے پانی دیا تھا اسے یہی فرمایا تھا:

«خذ هذا و أفرغه علی نفسك»[1]

''یہ لے لو اور اپنے اوپر بہا دو۔''

اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن حصین رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف زیادہ درست ہے، اور وہ یہ ہے کہ جس پر حدثِ اکبر (غسل) ہو اگر وہ حدثِ اکبر کی نیت کر لے تو اسے حدثِ اصغر (وضو) کے لیے بھی وہی نیت کافی ہو جائے گی۔ بنا بریں موجباتِ غسل ناقضِ وضو نہیں ہیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 149)

78- میت کو غسل دینا ناقضِ وضو نہیں ہے

میت کو غسل دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ اس کی شرعی دلیل چاہیے کہ جو وضو شرعی دلیل سے ثابت ہے وہ بغیر دلیل کے ٹوٹ کیسے گیا؟ اور غسلِ میت کا ناقضِ وضو دلیل سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم وضو کے ٹوٹنے کے مسئلہ میں غور وخوض سے کام لیں۔ ہم کسی چیز کو ناقض بنانے کی جرأت نہ کریں جب تک ہمیں دلیل نہ ملے جو عند اللہ ہمارے لیے حجت ہو۔
(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 147)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [344]

79- عورت کو چھونا ناقضِ وضو نہیں

صحیح بات یہ ہے کہ عورت کو چھونا مطلق طور پر وضو کو نہیں توڑتا، الا یہ کہ کوئی چیز خارج ہو جائے۔ اس کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو بوسہ دیا، پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہیں کیا۔[1] اور اس لیے بھی کہ اصل وضو کا نہ ٹوٹنا ہے، حتی کہ ٹوٹنے پر واضح دلیل مِل جائے۔ آدمی نے دلیل شرعی کے تقاضا کے مطابق جب وضو پورا کیا، اب اس کا ٹوٹنا بھی صرف دلیل شرعی سے ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ [المائدة: 6]

''یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں چھونے سے مراد جماع ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے۔

پھر قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ آیت میں طہارتِ اصلیہ اور بدلیہ کی تقسیم ہے۔ اسی طرح طہارتِ صغریٰ و کبریٰ اور ان کے اسباب کی تقسیم ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ﴾ [المائدة: 6]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [86]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منھ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔''

یہاں پانی کے ساتھ طہارت اصلیہ صغریٰ کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ [المائدة: 6]

''اور اگر تم جنبی ہو تو غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو، یا کسی سفر پر، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔''

﴿تیمموا﴾ (تیمّم کرو) یہ وضو کا بدل ہے، اور ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ﴾ یہ طہارت صغریٰ کے سبب کا بیان اور ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہو) یہ طہارتِ کبریٰ کے سبب کا بیان ہے۔ اگر ہم اسے اس چھونے پر محمول کریں جو ہاتھ سے ہوتا ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں دونوں اسبابِ طہارت صرف طہارتِ صغریٰ کے لیے بیان کیے ہیں اور طہارت کبریٰ سے سکوت اختیار کیا ہے، حالانکہ یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدة: 6]

''اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔''

یہ قرآنی بلاغت کے خلاف ہے۔ اس بنا پر آیت دلالت کر رہی ہے کہ ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ﴾ سے مراد جماع ہے، تاکہ آیت ان دونوں اسباب پر مشتمل ہو جائے جو دونوں طہارتوں (صغریٰ و کبریٰ) کے موجب ہیں۔ طہارتِ صغریٰ

چار اعضاء میں ہوتی ہے اور طہارتِ کبریٰ سارے بدن میں۔ اور "بدل" تیمّم کے ساتھ محض دو اعضا کی طہارت ہے۔ یہ طہارتِ صغریٰ و کبریٰ دونوں کے لیے برابر ہے۔ اس بنا پر راجح بات یہی ہے کہ عورت کو چھونا مطلق طور پر ناقض وضو نہیں ہے، چاہے شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے، اِلا یہ کہ کوئی چیز اس سے نکلے۔ اگر منی نکلے گی تو غسل فرض ہوگا اور اگر مذی ہوگی تو وضو کے ساتھ ساتھ شرمگاہ اور خصیوں کو دھونا واجب ہوگا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 143)

80- بغیر وضو قرآن مجید پڑھنا

قرآن مجید کو بغیر وضو پڑھنا جائز ہے جبکہ مصحف کو چھونے کے بغیر ہو یعنی زبانی پڑھے۔ مصحف کو صرف با وضو ہو کر ہی چھو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [الواقعة: 79]

"اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کیے ہوئے ہیں۔"

بعض علما کے قول کے مطابق یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو حدثِ اصغر اور اکبر سے طہارت اور پاکی حاصل کرتے ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہاں فرشتے مراد ہیں۔ اور جنبی بالکل قرآنِ مجید نہیں پڑھ سکتا، زبانی اور نہ ہی مصحف سے دیکھ کر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يحجزه شيء عن القرآن سوى الجنابة»[1]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کے علاوہ اور کوئی چیز قرآن مجید سے نہیں روکتی تھی۔" (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 44)

[1] ضعيف. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [549]

81- بے وضو آدمی کے لیے سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر کرنا جائز ہے

اس مسئلہ کا حکم اس اختلاف پر مبنی ہے کہ آیا سجدہ تلاوت و شکر کو نماز کہہ سکتے ہیں کہ نہیں؟ اگر ہم کہیں کہ یہ دونوں نماز ہیں تو ان کے لیے وضو واجب ہوگا، اور اگر کہیں کہ یہ نماز نہیں ہیں تو وضو واجب نہیں ہوگا۔ سنّت پر غور و فکر کرنے والا معلوم کر سکتا ہے کہ یہ نماز نہیں ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سجدۂ تلاوت کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ ﷺ سجدہ کرتے ہوئے یا سجدے سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہا کرتے تھے اور نہ ہی سلام پھیرنا ثابت ہے، سوائے اس حدیث کے جسے امام ابو داود رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ سجدہ کرتے وقت تکبیر ہے نہ کہ اٹھتے وقت اور اس کے بعد سلام نہیں پھیرنا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے سجود تلاوت و شکر میں غور و فکر کرے گا اس کے لیے واضح ہو جائے گا کہ ان پر نماز کی تعریف منطبق نہیں ہوتی۔ اس بنا پر سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر نماز نہیں ہیں، لہٰذا بے وضو آدمی کے لیے سجدہ تلاوت و شکر کرنا حرام نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ وہ بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کر لیا کرتے تھے، لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وضو کرنا افضل ہے، بطور خاص جبکہ آدمی قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہتا ہے، کیونکہ تلاوت کے لیے وضو مشروع ہے، کیونکہ یہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی کے لیے وضو مشروع ہے، لیکن سجدہ شکر کے لیے وضو کی شرط لگانا کمزور اور ضعیف ہے کیونکہ سجدۂ شکر کا سبب نئی نعمت کا ملنا یا کسی مصیبت اور پریشانی سے نجات پانا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس وقت بے وضو ہوتا ہے، اگر ہم وضو کی شرط لگائیں تو وقفہ لمبا

بھی ہوسکتا ہے اور وہ حکم جو کسی سبب کے ساتھ معلق ہوتا ہے جب سبب سے مؤخر ہوتو یہ ساقط ہوجاتا ہے یا تب ہم یہ کہیں گے کہ بغیر وضو کے ہی سجدہ کرلو، یا یہ کہیں گے کہ سجدہ نہ کرو، اور بغیر وضو کے سجدہ کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 161)

82- وہ عورت جو بحالتِ وضو اپنے بچے کو استنجاء کرواتی ہے کیا اس پر وضو واجب ہے؟

جو عورت اپنے بچے یا بچی کو استنجاء کرائے اور اس کی شرمگاہ کو چھوئے اس پر وضو واجب نہیں ہوتا، بس وہ ہاتھ دھولے، اس لیے کہ بغیر شہوت کے شرمگاہ کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا، اور یہ معلوم ہے کہ جو عورت اپنے بچوں کو نہلاتی ہے اس کے دل میں شہوت کا خیال بھی نہیں آتا۔ چنانچہ بچے کے استنجاء کے سبب ہاتھوں کو لگنے والی نجاست کو تو دھوئے لیکن اس پر وضو فرض نہیں ہوگا۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 146)

83- پیپ ناقضِ وضو نہیں ہے

یہ قطرے وضو کو نہ تو خراب کرتے ہیں اور نہ ہی وہ نجس ہیں، بلکہ یہ پاک ہیں اور طہارت کے حوالے سے ضرر رساں نہیں ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ بدن سے جو بھی خون یا پیپ وغیرہ نکلتی ہے وہ ناقضِ وضو نہیں ہے، اِلا یہ کہ وہ سبیلین سے خارج ہو۔ اگر آپ زخمی ہوجائیں یا نکسیر پھوٹ پڑے یا آپ کی داڑھ سے خون نکل آئے یا کسی طرح بھی چاہے زیادہ ہی ہو آپ کا وضو نہیں ٹوٹے گا، یہ قول صحیح ہے۔ اس لیے کہ ان چیزوں سے وضو کے ٹوٹنے پر کوئی دلیل

نہیں ہے اور اصل شے طہارت کا باقی رہنا ہے۔ ہاں اگر سبیلین سے کوئی چیز خارج ہوئی تو وہ ناقضِ وضو ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 35/119)

84- قے بھی ناقضِ وضو نہیں ہے

راجح بات یہی ہے کہ قے ناقضِ وضو نہیں چاہے کم ہو یا زیادہ۔ اصل وضو کا باقی رہنا ہے۔ طالبِ علم کے لیے یہ مفید قاعدہ اور اصول ہے کہ جو چیز دلیل سے ثابت ہو جائے وہ بغیر دلیل کے نہیں ٹوٹ سکتی، اور نبی کریم ﷺ سے قے کا ناقضِ وضو ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس طرح اگر زخم سے بہت زیادہ خون بھی بہہ جائے تو وہ بھی ناقضِ وضو نہیں ہے، انسانی جسم سے خارج ہونے والی چیزوں میں سے صرف پیشاب، پاخانہ اور ہوا ناقضِ وضو ہیں اور اسی طرح وہ چیزیں جو پیشاب اور پاخانہ کی جگہ سے خارج ہوتی ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 35/119)

85- بے ہوشی ناقضِ وضو ہے

بیہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ بیہوشی نیند سے سخت ہے اور نیند جب گہری ہو کہ سونے والے کو بدن سے خارج ہونے والی چیز کا احساس نہ ہو تو وہ ناقضِ وضو ہے، لیکن اتنی نیند کے جس میں سونے والے کو بے وضو ہونے کا خود بخود علم ہو جائے ناقضِ وضو نہیں ہے، چاہے سونے والا کسی صورت میں بھی سو رہا ہو، کھڑے کھڑے، بیٹھ کر، ٹیک لگا کر یا بغیر ٹیک کے، اور بیہوشی تو نیند سے سخت ہے، اگر کسی انسان پر بے ہوشی طاری ہو جائے تو اس پر وضو لازم ہے۔ اگر ایک

آدمی کی بیہوشی کی وجہ سے ایک یا متعدد نمازیں فوت ہوگئیں تو وجوب قضاء کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ بیہوشی کی مدت میں جو نمازیں فوت ہوئیں ان کی قضا واجب ہے، اس لیے کہ بیہوشی نیند کی مانند ہے اور سونے والے پر نمازوں کی قضاء واجب ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها»[1]

''جو نماز سے سویا رہ گیا یا اسے بھول گیا تو جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے۔''

جبکہ بعض علماء کے نزدیک بیہوش پر نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے اس لیے اسے سونے والے پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ سوئے ہوئے کو بیدار کریں یا وہ خود بیدار ہو تو صحیح سلامت ہوتا ہے جبکہ بیہوش نہ خود ہوش کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے ہوش میں لا سکتا ہے۔ ان کے درمیان بنیادی فرق ہے۔ چنانچہ قیاس درست نہیں ہے، لیکن احتیاطاً قضا دے دے تو ذمہ سے بری ہو جائے گا، پھر بتقاضائے شریعت اگر نماز اس پر واجب تھی تو وہ بری ہے اور اگر واجب نہیں تھی تو یہ نفلی ہو جائے گی، اور وہ عند اللہ ماجور ہوگا۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 35/119)

86- عورت کی شرمگاہ سے خارج ہونے والی ہوا کا حکم

یہ ناقض وضو نہیں ہے، اس لیے کہ یہ نجس جگہ سے نہیں نکلتی، جس طرح کہ وہ ہوا ہے جو دبر سے نکلتی ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 137)

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [178]

87- کیا عورت کی شرمگاہ سے خارج ہونے والی رطوبتیں ناقض وضو ہیں اور کیا ان سے غسل فرض ہوتا ہے؟

یہ چیزیں جو عورت کی شرمگاہ سے بغیر شہوت کے خارج ہوتی ہیں، موجبِ غسل نہیں ہیں، لیکن جو چیز بچے کی جائے پیدائش سے نکلتی ہے اس کی نجاست کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک عورت کی شرمگاہ کی رطوبت نجس ہے اور اس سے ایسے ہی طہارت کرنا ہوگی جو نجاست سے کرتے ہیں، جبکہ بعض علماء کے مطابق یہ رطوبت پاک ہے، لیکن جب خارج ہوگی تو وضو ٹوٹ جائے گا، یہی قول راجح ہے، یہی وجہ ہے کہ جماع کے بعد شرمگاہ کا دھونا نجاست والا دھونا نہیں ہے اور جو چیز پیشاب والی جگہ سے نکلتی ہے، وہ نجس ہے، کیونکہ اس کا حکم بھی پیشاب والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت میں دو راستے بنائے ہیں، ایک پیشاب کا اور دوسرا بچے کی پیدائش کا، وہ رطوبتیں جو بچے کی پیدائش والے راستے سے خارج ہوتی ہیں وہ طبعی ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی حکمت کے تحت انھیں خارج کرتے ہیں اور پیشاب کے راستے سے نکلنے والی رطوبتیں عموماً مثانہ سے نکلتی ہیں، یہ نجس ہیں اور یہ سب کی سب رطوبتیں ناقضِ وضو ہیں، اس لیے کہ کسی چیز کے ناقضِ وضو ہونے سے اس کا نجس ہونا لازم نہیں آتا، دیکھیے یہ ہوا جو انسان کے بدن سے خارج ہوتی ہے، پاک ہے اس لیے کہ شارع نے اس سے استنجا واجب نہیں کیا اس کے باوجود وہ ناقضِ وضو ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 238)

88- دورانِ وضو میں شرمگاہ کو چھونا

میرے نزدیک درست بات یہ ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ اس بارے وارد ہونے والی احادیث مختلف ہیں، اور اصل وضو کا نہ ٹوٹنا ہے۔ حدیثِ طلق بن علی رضی اللہ عنہ جس میں ہے:

«إنما هو بضعة منك» ❶

''بے شک وہ (یعنی عضوِ تناسل) تیرے جسم کا ایک حصہ ہی ہے۔''

اور بُسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

«من مس ذكره فليتوضأ» ❷

''جس نے اپنی شرمگاہ کو چھو لیا وہ وضو کرے۔''

ان دونوں کے مابین جمع و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ جب انسان شہوت کے ساتھ اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو اس پر وضو واجب ہے اور اگر بغیر شہوت کے چھوئے تو وضو واجب نہیں ہے۔ اس تطبیق کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نہ ٹوٹنے کی علت یہ بیان فرمائی کہ شرمگاہ بھی جسم کا ایک حصہ ہی ہے، لہٰذا اس کو چھونا بھی دیگر اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، سر، ناک وغیرہ کو چھونے کی مانند ہے اور ان کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح شرمگاہ کو بغیر شہوت کے چھونا دیگر اعضاء کو چھونے کی مانند ہے، اور اگر شہوت سے شرمگاہ کو چھوئے گا تو یہ باقی اعضاء کو چھونے سے مختلف ہو جائے گا، لہٰذا اب ناقض وضو متصور ہوگا۔ کچھ علماء نے یہ تطبیق بھی دی ہے کہ وضو کا حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے

---

❶ صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [165]

❷ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [181]

ہے۔ بہر حال شرمگاہ کو مطلق چھونے سے وضو کا وجوب محلِ نظر ہے اور میرے نزدیک درست بات دوسری ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 35/119)

89- آدمی کا اپنی بیوی کو بوسہ دینا

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور تین اقوال سامنے آتے ہیں:

① پہلا قول کہ عورت کو چھونا ناقضِ وضو نہیں ہے، اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿أَوْلَمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ [النساء: 43] میں چھونے سے مراد جماع ہے۔

② دوسرا قول کہ عورت کو چھونا ناقضِ وضو ہے جبکہ بغیر کپڑے اور بغیر کسی رکاوٹ کے ہو۔ یہ شوافع کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک ﴿أَوْلَمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ [النساء: 43] کی تفسیر مطلق ہاتھ سے چھونا ہے۔

③ تیسرا قول کہ عورت کو شہوت سے چھونا ناقضِ وضو ہے اور بغیر شہوت کے چھونا ناقضِ وضو نہیں ہے۔ یہ حنابلہ کا موقف ہے۔

ان تین اقوال کے پیشِ نظر زیادہ احتیاط تیرے فتوے میں نظر آتی ہے کہ شہوت سے چھونا ناقض وضو ہے۔ اس لیے کہ یہ بدن سے کسی چیز کے خارج ہونے کا سبب ہے، اور کئی مسائل ہیں جن میں سبب اور ذریعہ کو حقیقت کے قائم مقام سمجھا گیا ہے اور اگر چھونا بغیر شہوت کے ہو تو وہ ناقضِ وضو ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کے خارج ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 17)

غسل کے احکامات

90- غسل کے موجبات

غسل کے اسباب درج ذیل ہیں:

1. شہوت کے ساتھ منی کا خارج ہونا، آدمی بیدار ہو یا سویا ہوا ہو یا اگر نیند کی حالت میں شہوت کے احساس کے بغیر ہی منی خارج ہوگئی تو غسل واجب ہوجائے گا، اس لیے کہ سوئے ہوئے آدمی کو کبھی احتلام ہوجاتا ہے اور اسے پتہ نہیں چلتا، لہٰذا منی کسی حالت میں بھی خارج ہو غسل واجب ہوجائے گا۔

2. جماع، جب آدمی اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے تو اس پر غسل واجب ہوجاتا ہے، بایں طور کہ وہ اس کی شرمگاہ میں حشفہ (عضوِ تناسل کا منہ) یا زیادہ داخل کرتا ہے تو غسل فرض ہوجاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«الماء من الماء»[1] ''غسل کا پانی منی کے پانی سے ہے۔''

یعنی انزال سے غسل واجب ہوگا اور اگر بغیر انزال کے مباشرت ہوتو پھر بھی غسل فرض ہوجاتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل»[2]

''جب آدمی اپنی بیوی کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھتا ہے اور کوشش کرتا ہے تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔''

---

[1] صحیح مسلم [383/81]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [291] صحیح مسلم [348/87]

واضح رہے کہ یہ مسئلہ یعنی انزال کے بغیر جماع، اس کا حکم بہت لوگوں سے مخفی ہے، یہاں تک کہ کچھ لوگوں کو کئی کئی ہفتے اور مہینے گزر جاتے ہیں، وہ اپنی بیوی سے جماع کرتے رہتے ہیں، انزال نہیں ہوتا اور وہ غسل بھی نہیں کرتے۔ یہ محض جہالت اور بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ انسان پر واجب ہے کہ ان حدود کے بارے ضرور آگاہی حاصل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کی ہیں۔ بندہ جب اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے اور انزال نہیں ہوتا تو دونوں پر ہی غسل واجب ہو جاتا ہے جس طرح کہ مذکورہ بالا حدیث میں مذکور ہے۔

3 حیض اور نفاس کے خون کا خارج ہونا بھی موجب غسل ہے، عورت کو جب ماہواری آجائے اور پھر وہ پاک ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرة: 222]

''سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔''

اور نبی کریم ﷺ کا مستحاضہ کو حکم ہے کہ جب وہ مدتِ حیض کے برابر دن بیٹھ جائے تو غسل کرے۔ نفاس والی بھی اسی کی مثل ہے اور اس پر بھی غسل واجب ہے۔ غسلِ حیض و نفاس کا طریقہ بھی وہی ہے جو غسل جنابت کا ہے، البتہ

بعض علما نے غسلِ حیض بیری کے پتوں سے کرنا مستحب سمجھا ہے کیونکہ اس وقت اسے زیادہ نظافت اور طہارت کی ضرورت ہے۔ کچھ اہل علم نے غسل کے موجبات میں موت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کا استدلال نبی کریم ﷺ کا وہ فرمان ہے جو آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کو غسل دینے والی عورتوں کو دیا تھا:

«اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو سبعا أو أكثر من ذلك إن رأيتن ذلك»[1]

''اسے تین، پانچ، سات یا اس سے بھی زیادہ دفعہ غسل دو اگر تم اس کی ضرورت محسوس کرو۔''

اس طرح آپ ﷺ کا وہ فرمان جو آپ ﷺ نے اس آدمی کے بارے میں جاری فرمایا جو عرفہ والے دن بحالتِ احرام اونٹنی سے گر کر فوت ہوگیا:

«اغسلوه بماء وسدر وكفنوه في ثوبيه»[2]

''اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور انھی دو کپڑوں میں کفن دے دو۔''

ان حضرات کا کہنا ہے کہ موت بھی موجبِ غسل ہے لیکن یہاں وہ وجوب زندہ آدمی سے متعلق ہے کیونکہ بوجہ وفات میت مکلف نہیں رہتی، لیکن دوسروں پر لازم ہے میت کو غسل دیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 162)

91- منی، مذی اور ودی کے درمیان فرق

منی اور مذی کے درمیان فرق یہ ہے کہ منی گاڑھی اور بو والی ہوتی ہے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1253] صحيح مسلم [939/36]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1265] صحيح مسلم [1206/93]

اور بوقتِ شہوت ٹپک کر خارج ہوتی ہے، اور مذی باریک پانی ہے، اس کی منی کی طرح بونہیں ہوتی اور سخت شہوت کے وقت نہیں نکلتی، بلکہ شہوت کے ٹوٹنے کے وقت خارج ہوتی ہے، اس وقت آدمی کو احساس ہوجاتا ہے۔ پیشاب کے بعد سفید قطرے خارج ہوتے ہیں، یہ ودی ہے۔ یہ تفصیل ان تینوں چیزوں کی ماہیت کے اعتبار سے تھی، اب ان میں سے ہر ایک کا حکم ملاحظہ ہو:

ودی کے احکامات ہر اعتبار سے پیشاب جیسے ہیں اور مذی پیشاب سے یک گونہ علیحدہ چیز ہے، کیونکہ اس کی نجاست اس کی نسبت خفیف ہے اور اس کی طہارت میں چھینٹے ہی کفایت کر جاتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ جس جگہ پر لگی ہو اس پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں، اسے مَلنے اور کھرچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اس میں شرمگاہ اور خصیوں کو دھونا بھی ضروری ہے۔ منی پاک ہے، جہاں منی لگ جائے اسے دھونا فرض نہیں ہے، سوائے اس کے نشانات کے ازالے کے۔ یہ منی موجبِ غسل ہے، جبکہ مذی، ودی اور پیشاب سب موجبِ وضوء ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 169)

92- غسل کے بعد خارج ہونے والی رطوبت کا حکم

غسل کے بعد خارج ہونے والی رطوبت اگر نئی شہوت کے سبب نہیں تو سمجھنا چاہیے کہ یہ پہلی جنابت کی باقی ماندہ ہے، اس کے سبب غسل فرض نہیں ہوگا۔ اسے دھولیا جائے اور صرف وضو دوبارہ کرلیا جائے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 168)

93- عورت کا احتلام

عورتیں بھی مردوں کی طرح ہیں، جس طرح مردوں کو احتلام ہوتا ہے،

عورتوں کو بھی ہوتا ہے۔ اگر آدمی کو یا عورت کو احتلام ہو جائے اور بیدار ہونے کے بعد اسے کپڑوں پر کوئی پانی نظر نہ آئے تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ اگر پانی ہو تو غسل کرنا ہوگا، کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا غسل کرے گی؟ فرمایا:

«نعم إذا هي رأت الماء» [1] ''ہاں اگر وہ پانی دیکھے۔''

اور اگر پہلے اسے احتلام ہوتا رہا اور اسے مسئلہ کا علم نہ تھا تو وہ چھوڑی ہوئی نمازوں کا پتہ لگائے اور ان کی قضاء دے، جبکہ اس نے پانی دیکھا ہو، اگر اس نے پانی نہیں دیکھا تو اس کے ذمے کچھ نہیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 185)

94- دل لگی کرنے اور بوس و کنار سے غسل

محض دل لگی کرنے اور بوس و کنار سے غسل فرض نہیں ہوتا، مرد پر نہ عورت پر، ہاں اگر انزال ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا، لیکن اگر جماع ہوا تو دونوں پر غسل لازمی ہوگا، چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل» [2]

''جب وہ اس کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔''

اور صحیح مسلم میں ہے:

«وإن لم ينزل» [3] ''چاہے انزال نہ بھی ہو۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [130] صحيح مسلم [313/32]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [291] صحيح مسلم [348/87]

[3] صحيح مسلم [348/87]

یہ مسئلہ بہت زیادہ خواتین بلکہ مردوں پر بھی مخفی ہے کہ ان کے خیال میں جب تک انزال نہ ہو غسل فرض نہیں ہوتا۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے، جماع سے بہر صورت غسل واجب ہوتا ہے۔ جماع کے علاوہ بوس و کنار وغیرہ سے غسل فرض نہیں ہوتا، الا یہ کہ انزال ہو جائے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 163)

95- خاوند نے کپڑے کے پیچھے سے جماع کیا اور اسے انزال ہو گیا

جب انزال ہو جائے تو غسل فرض ہو جاتا ہے، چاہے انزال کپڑے کے پیچھے سے ہی ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے کپڑے کے پیچھے سے دخول کیا اور انزال ہو گیا یا بغیر لباس کے مباشرت ہو گئی۔ (ابن جبرین: الفتاویٰ: 11/85)

96- بغیر دخول کے محض ختنے کے ختنے کو چھونے سے انزال ہو جانا

مرد پر غسل ہو گا کیونکہ اسے انزال ہوا ہے، عورت پر غسل نہیں ہو گا اس لیے کہ دخول نہیں ہوا، اور یہ معلوم ہی ہے کہ ختنے کی جگہ حشفے کے اوپر ہوتی ہے اور عورت کے ختنے سے مرد کا ختنہ حشفہ کے اندر داخل ہونے سے ہی چھو سکتا ہے، اس لیے وجوبِ غسل کے لیے حشفہ کے غائب ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حدیث کے بعض الفاظ اس طرح ہیں:

«إذا التقى الختانان وتوارت الحشفة فقد وجب الغسل»[1]

”جب دونوں ختنے ملیں اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل فرض ہو جاتا ہے۔“

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 172)

[1] صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [611]

97- غسلِ جنابت میں پاؤں دھونے کا طریقہ

غسل جنابت کے دو طریقے ہیں، واجب اور مستحب۔ واجب یہ ہے کہ سارے بدن کو دھو لے، اس طرح کے جیسے چاہے سارے جسم کو بھگوئے، چاہے تو نیت کرے اور تالاب میں غوطہ زنی کرے حتیٰ کہ سارا جسم بھیگ جائے، اس طرح غسلِ جنابت ہو جائے گا۔ اور اس کا مستحب طریقہ درج ذیل ہے:

پہلے تین بار ہتھیلیوں کو دھوئے، پھر شرمگاہ کو اور جو اس کے اردگرد آثار جنابت ہوں انھیں دھوئے، پھر نماز والا وضو کرے، بایں طور کے کلی کرے، ناک میں پانی چڑھائے، اپنے چہرے اور بازوؤں کو دھوئے، سر اور کانوں کا مسح کرے اور پاؤں دھولے، پھر سر کو دھوئے، جب وہ سمجھے کہ سر کا چمڑہ سیراب ہوگیا ہے تو تین بار اس پر پانی بہائے، پانی کا بالوں کی جڑوں تک پہنچنا ضروری ہے، پھر ایک بار سارے جسم پر پانی بہا دے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں غسل جنابت کا مسنون طریقہ ایسے ہی بیان ہوا ہے، اور اگر حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کے مطابق غسل کرلے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ وہ طریقہ اس سے ملتا جلتا ہے، بس اتنا فرق ہے کہ اس میں پاؤں پہلے وضو کرتے وقت نہیں دھوئے جائیں گے، بلکہ غسل کے اختتام پر آخر میں دھوئے جائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 2/120)

98- عورت کے غسلِ جنابت کا طریقہ

پہلی بات یہ ہے کہ غسلِ جنابت کی دو قسمیں ہیں، کامل، اور کفایت کرنے والا۔ کامل یہ ہے جو واجبات اور مستحبات پر مشتمل ہے، پہلے رفع جنابت

کی نیت کرے اور ''بسم اللہ'' پڑھے، پھر دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھوئے، شرمگاہ کو بائیں ہاتھ سے دھوئے اور گندگی صاف کرے، ہاتھ کو زمین پر ملے یا صابن وغیرہ سے صاف کرے، پھر نماز والا وضو کرے، پھر سر کے بالوں کا خلال کرے اور چمڑے کو تر کرے، پھر سر پر تین لپ پانی ڈالے، دائیں جانب سے شروع کرے اور پھر بائیں جانب ڈالے، پھر سارے جسم پر پانی بہا دے۔ اور کفایت کرنے والا غسل یہ ہے کہ رفع جنابت کی نیت کرے، ''بسم اللہ'' پڑھے، کُلی کرے اور ناک میں پانی چڑھائے پھر سارے جسم پر پانی بہا لے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غسلِ جنابت کے بعد کوئی مخصوص نماز نہیں ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اس بارے نبی کریم ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے، البتہ وضو کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا سنتِ نبویہ ﷺ سے ثابت ہے۔ (اللجنة الدائمة: 19930)

99- غسل میں شک کا پیدا ہوجانا

اگر دورانِ وضو میں شک پڑ جائے کہ پانی جسم کے کچھ حصہ تک نہیں پہنچا تو شک کو دور کرے اور پورے بدن کو تر کرے، بشرطیکہ یہ وسوسہ نہ ہو۔ وسوسہ ہو تو اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر غسل سے فارغ ہونے کے بعد شک پڑ جائے تو اس طرف دھیان بھی نہ دے۔ (اللجنة الدائمة: 16264)

100- دورانِ غسل میں شرمگاہ کو چھونا

شرمگاہ کو دھونا غسل سے پہلے ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کیا کرتے تھے۔ فرض کریں کہ اگر کوئی انسان دورانِ غسل میں شرمگاہ کو چھو لیتا ہے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ہمارے نزدیک یہی قول راجح ہے، کیونکہ اس نے ارادتاً ایسا نہیں

کیا، اور پھر اس بارے احادیث بھی متعارض ہیں۔ کچھ علماء نے ان کے مابین جمع تطبیق دی ہے اور کچھ نے ترجیح کی صورت نکالی ہے۔ اس مسئلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ بغیر شہوت کے شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ استحباباً وضو کر بھی سکتا ہے، البتہ واجب نہیں ہے۔ بعض علما مطلق طور پر اسے ناقضِ وضو قرار دیتے ہیں اور بعض مطلق طور پر غیر ناقض کہتے ہیں۔ بہر حال ہماری رائے یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 20/120)

101- جنابت کے متعلقہ احکامات

جنابت کے متعلقہ احکامات درج ذیل ہیں:

1. جنبی پر نماز حرام ہے، فرضی ہو یا نفلی، حتیٰ کہ نمازِ جنازہ بھی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدة: 6]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منھ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو) اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔"

2. جنبی پر بیت اللہ کا طواف حرام ہے، اس لیے کہ طواف مسجد میں ٹھہرنا ہے، اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾

[النساء: 43]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اس حال میں کہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم جانو جو کچھ کہتے ہو اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو مگر راستہ عبور کرنے والے یہاں تک کہ غسل کر لو۔''

③ قرآن مجید کو نہیں چھو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« لا يمس القرآن إلا طاهر »[1]

''قرآن مجید کو صرف پاک انسان ہی چھوئے۔''

④ جنبی کے لیے مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے، الا یہ کہ غسل کر لے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ [النساء: 43]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ، اس حال میں کہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم جانو جو کچھ کہتے ہو اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو مگر راستہ عبور کرنے والے یہاں تک کہ غسل کر لو۔''

⑤ قرآن مجید کی تلاوت بھی نہیں کر سکتا تا آنکہ غسل کر لے، کیونکہ نبی کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس وقت تک قرآن مجید پڑھاتے جب تک وہ جنبی نہ ہوتے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 174)

102- غسل جنابت کا غسل جمعہ، حیض اور نفاس کے لیے کافی ہو جانا

جس شخص پر ایک یا زیادہ غسل واجب ہوں تو اسے ایک ہی غسل کافی ہو جائے گا جبکہ وہ غسل کے موجبات کے رفع کی نیت کر لے۔ اسی طرح نماز

[1] سنن الدارمي [214/2]

کے مباح ہونے اور طواف وغیرہ کی نیت کرے۔ فرمان نبوی ہے:

《 إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى 》❶

”یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔“

اور پھر غسلِ جمعہ کا مقصد غسلِ جنابت سے حاصل ہو ہی جاتا ہے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 34/4)

103- ایک مرد کو احتلام ہوا اور کپڑے صاف تھے

اگر انسان کو احتلام ہو جائے اور وہ کپڑوں پر کچھ نہ دیکھے تو اس پر غسل نہیں ہے، اس لیے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے دریافت کیا تھا:

《 هل على المرأة غسل إذا هي احتلمت؟ قال: نعم، إذا هي رأت الماء 》❷

”کیا احتلام ہونے سے عورت پر غسل لازم ہے؟ فرمایا: ہاں، جب وہ پانی دیکھ لے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی دیکھنے کی شرط لگائی ہے۔ انسان اگر جنابت کو نہیں دیکھتا تو اس پر غسل نہیں ہے، حتی کہ اگر وہاں اپنے پسینے کی بو محسوس کرتا ہے تو بھی غسل نہیں کرے گا، اس لیے کہ اعتبار منی کے خارج ہونے کا ہے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 34/4)

104- غسل جنابت میں بلا وجہ تاخیر

جس نے بلا عذر تاخیر کی بلاشبہ وہ مجرم اور گنہگار ہے، اس لیے کہ اس نے

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1907]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [130] صحيح مسلم [313/32]

بغیر طہارت کے نماز پڑھی ہے، یہ کبیرہ گناہ ہے، حتیٰ کہ بعض علماء نے ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے کیونکہ یہ آیات الٰہیہ سے تمسخر اور استہزاء کے مترادف ہے لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک وہ کافر نہیں، لیکن اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کی پناہ! اس حالت میں اسے تائب ہونا چاہیے اور بحالتِ جنابت پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لا يقبل الله صلاة بغير طهور» ❶

''اللہ تعالیٰ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں کرتا۔''

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 10/120)

105- غسلِ جنابت کے بعد عُریاں حالت میں وضو کرنا

افضل یہ ہے کہ انسان جب غسل سے فارغ ہو جائے تو لباس پہن لے اور بلا ضرورت ستر مت کھولے رکھے، لیکن اگر وہ غسلِ جنابت کے بعد وضو کر لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں، اس کا وضو صحیح ہوگا، البتہ مناسب تھا کہ یہ وضو غسل سے پہلے ہوتا۔ نبی کریم ﷺ ایسے ہی کرتے تھے، غسل کے بعد اس پر کوئی وضو نہیں ہے اور اگر ایک آدمی غسل کی نیت کرتا ہے اور وضو نہ اس سے پہلے کرتا ہے اور نہ بعد میں تو یہ غسل اسے کفایت کر جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جنبی پر صرف سارے بدن کی طہارت فرض کی ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا﴾ [المائدة: 6]

''اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے وضو فرض نہیں کیا۔ بنا بریں اگر کوئی حدثِ جنابت کے

❶ صحیح مسلم [224/1]

رفع کی نیت کرے اور تالاب یا کنویں وغیرہ میں غوطہ زن ہو جائے اور کلی کرے اور ناک میں پانی چڑھائے تو وہ اسے کفایت کر جائے گا، اسے وضو کی کوئی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم. (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 179)

106- غسلِ جنابت کا وضو کے لیے کافی ہو جانا

جب آدمی جنبی ہو اور غسل کر لے تو یہ غسل وضو سے بھی کفایت کر جائے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدۃ: 6]

''اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔''

غسل کے بعد وضو کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اگر غسل کے بعد نواقضِ وضو میں سے کوئی چیز پیش آ جائے تو وضو واجب ہوگا اور اگر بے وضو نہیں ہوا تو غسل ہی وضو سے کفایت کر جائے گا۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس نے غسل سے پہلے وضو کیا یا نہیں۔ البتہ کلی اور ناک میں پانی ضرور چڑھائے کیونکہ وضو اور غسل میں ان دونوں کا ہونا از حد لازمی ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 180)

107- نظافت اور صفائی کی خاطر کیا جانے والا غسل وضو کے لیے کافی نہیں ہوتا

اگر غسل جنابت کی وجہ سے ہو تو وہ وضو کے لیے بھی کافی ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدۃ: 6]

”اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو“

جنبی انسان اگر تالاب، کنویں یا حوض وغیرہ میں کود جائے اور رفع جنابت کی نیت کر لے، کلی کرے اور ناک میں پانی چڑھائے تو اس کی چھوٹے اور بڑے دونوں حدث دور ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ بوقتِ جنابت اللہ تعالیٰ نے ہم پر صرف طہارت حاصل کرنا فرض کیا ہے، یعنی ہم پانی سے سارے جسم کو بھگو لیں، اگرچہ افضل یہی ہے کہ غسل سے پہلے وضو کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ ہتھیلیاں دھونے کے بعد شرمگاہ کو دھوتے، پھر نماز والا وضو کرتے، پھر سر پر پانی بہاتے، جب سمجھتے کہ جلد گیلی ہوگئی ہے تو تین بار سر پر پانی ڈالتے پھر باقی جسم دھو لیتے، اور اگر غسل ٹھنڈک یا نظافت کے لیے ہو تو وہ وضو سے کفایت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ عبادت نہیں بلکہ عادت ہے۔ اگرچہ شریعت نے صفائی ستھرائی کا حکم دیا ہے، لیکن اس کی صورت یہ نہیں ہے، بلکہ صفائی مطلق ہے، بہر حال نظافت اور ٹھنڈک کی خاطر کیا جانے والا غسل وضو کے لیے ناکافی ہے۔ واللہ اعلم. (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 182)

108- جو دوبارہ جماع کا ارادہ کرے

یہاں تین مراتب ہیں:

1. دوبارہ جماع کرنے سے پہلے غسل کر لے۔ یہ سب سے کامل مرتبہ ہے۔
2. وہ صرف وضو پر اکتفاء کرے، یہ پہلے سے کم مرتبہ ہے۔
3. دوبارہ کرنے سے پہلے غسل کرے نہ وضو یہ سب سے کم درجہ ہے۔ اور جائز ہے۔ لیکن یہ بات سمجھنی چاہیے کہ سونے سے پہلے غسل یا وضو میں سے کوئی ایک ضرور کر لے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 184)

109- غسل اور وضو کے بعد اعضاء کو خشک کرنے کا حکم

اعضاء کو خشک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اصل عدم منع ہے اور عبادات کے علاوہ معاملات میں حلت و اباحت ہے، یہاں تک کہ منع کی کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آپ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کا کیا جواب دیتے ہیں جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رومال لے کر آئی، آپ نے اسے واپس کر دیا اور اپنے ہاتھ سے پانی جھاڑنے لگے؟[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل نبوی ایک معین واقعہ ہے جس میں کئی ایک احتمالات ہیں، یا تو رومال میں کوئی وجہ ہوگی یا وہ صاف نہیں ہوگا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پانی سے تر نہ کرنا چاہتے ہو اور اس کا پانی سے بھگونا غیر مناسب ہو، لہٰذا یہاں کئی ایک توجیہات ممکن ہیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 94)

---

[1] صحیح مسلم [317/37]

تیمّم کے مسائل

110- جب پانی کا استعمال مشکل ہو تو مٹی اس کا بدل ہے

پانی کے ناپید ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال مشکل ہو یا استعمال سے نقصان کا خدشہ ہو تو بندہ تیمّم کرے گا۔ بایں طور کہ ہاتھوں کو زمین پر مارے گا، پھر ان کو چہرے پر ملے گا اور ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملے گا یعنی پہلے بائیں کو دائیں کی پشت پر اور پھر دائیں کو بائیں کی پشت پر۔ یہ طریقہ طہارت حدث کے ساتھ خاص ہے۔ نجاست کو پاک کرنے میں تیمّم سے کام نہیں چلے گا، وہ نجاست چاہے بدن، کپڑے یا زمین پر ہو، اس لیے کہ نجاست سے طہارت کا مطلب پلیدگی کو ختم کرنا ہے، اس میں یہ شرط نہیں کہ اس کا ازالہ بطور عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر یہ نجاست انسان کے ارادے کے بغیر ہی کسی طرح ختم ہو جائے تو جگہ پاک ہو جائے گی، اگر پلید جگہ یا کپڑے پر نجاست لگی ہو اور بارش کی وجہ سے زائل ہو جائے تو یہ چیزیں پاک ہو جائیں گی، چاہے انسان کو علم نہ بھی ہو، جبکہ طہارتِ حدث ایک عبادت ہے جس کے ذریعہ قربِ الٰہی حاصل کیا جاتا ہے، اس میں نیت اور ارادہ کا ہونا از حد ضروری ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 187)

111- تیمّم ناپاکی کو دور کر دیتا ہے

تیمّم پاک کرنے والا اور رافعِ حدث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کا ذکر

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ﴾ [المائدۃ: 6]

''اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً »[1]

''اور زمین میرے لیے مسجد اور باعثِ پاکیزگی بنائی گئی ہے۔''

لفظِ ''طھور'' کو ''طاء'' کی ''زبر'' کے ساتھ پڑھیں گے جس کا معنی ہے ''وہ چیز جس کے ذریعے طہارت حاصل کی جا سکے۔'' اور پھر تیمّم بدل ہے، شرعی اصول ہے کہ بدل کا وہی حکم ہوتا ہے جو مبدل منہ کا ہے، بدل کہنے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اصل یعنی پانی کی موجودگی میں اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ پانی ہوتو تیمّم باطل ہے، اگر آدمی نے موجبِ غسل سے تیمّم کیا ہوا ہے، جبکہ پانی دستیاب ہےتو اسے غسل ہی کرنا ہوگا اور اگر موجب وضو سے تیمّم کیا ہوتو وضو ہی کرنا ہوگا۔ ایک آدمی جنبی ہوگیا، پانی نہیں تھا، وہ علیحدہ رہا اور نماز نہیں پڑھی، نبی کریم ﷺ نے پوچھا: « لِمَ لم تصل مع الناس؟ » ''تو نے جماعت کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟'' اس نے کہا کہ میں جنبی تھا اور پانی نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« عليك بالصعيد، فإنه يكفيك »

''مٹی سے تیمّم کر لیتا، وہی تجھے کافی ہوجانا تھا۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [335] صحيح مسلم [521/3]

چنانچہ اس آدمی نے جنابت سے تیمّم کر لیا اور جب پانی آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«خذ هذا، وأفرغه على نفسك» ❶

''اسے پکڑ اور اپنے جسم پر بہا (غسل کر) لے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ تیمّم بنیادی اور حقیقی طور پر رافع حدث نہیں ہے، اگر ہوتا تو پانی کے آ جانے سے باطل نہ ہوتا۔

اس بات کی وضاحت درج ذیل فرمانِ نبوی سے بھی ہو رہی ہے:

«الصعيد الطيب طهور المسلم، وإن لم يجد الماء عشر سنين، فإذا وجده فليتق الله وليمسه بشرته» ❷

''پاکیزہ مٹی مسلمانوں کے لیے باعثِ طہارت ہے، اگرچہ دس سال تک بھی پانی نہ مل سکے اور جب پانی مل جائے تو اللہ سے ڈرے اور اسے ہی اپنے جسم پر (وضو و غسل کے لیے) استعمال کرے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 186)

112- جس مٹی سے تیمّم مقصود ہو اس کے غبار آلود ہونے کی شرط نہیں ہے

راجح بات یہی ہے کہ تیمّم کے لیے مٹی کا غبار آلود ہونا شرط نہیں ہے، بس زمین پر تیمّم کرنا ہی کفایت کر جائے گا۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بارش کے بعد بھی، جبکہ گرد و غبار ختم ہو جاتی ہے، تیمّم ہو سکتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

---

❶ صحیح البخاري، رقم الحدیث [344]

❷ صحیح. سنن الترمذي، رقم الحدیث [124]

﴿ فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ [المائدة:6]

''تو پاک مٹی کا قصد کرو، اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔''

یہ وجہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ایسے علاقوں میں سفر کرتے تھے کہ جہاں صرف ریت ہی ہوتی تھی، وہاں بارش بھی ہوتی اور وہ حکم الٰہی کے مطابق تیمّم کر لیا کرتے تھے، لہٰذا غبار کی کوئی شرط نہیں ہے، اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ [المائدة: 6]

''پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔''

اس آیت میں ''مِن'' ابتداءِ غایت کے لیے ہے نہ کہ ''تبعیض'' کے لیے، اور نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بوقتِ تیمّم ہاتھوں کو جب زمین پر مارا تو ان میں پھونک ماری تاکہ گرد و غبار اُڑ جائے۔❶

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 196)

113- دیوار اور فرش پر تیمّم

زمین اور اس کے ساتھ متصل دیوار پر تیمّم جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دیوار پر تیمّم کیا۔❷

البتہ فرش پر تیمّم جائز نہیں ہے، اِلا یہ کہ اس پر غبار ہو کیونکہ غبار زمین کی جنس ہے، زمین اور اس سے متصل دیوار وغیرہ نہ ہو تو ایسے صورت میں ہی غبار آلود فرش پر تیمّم کرنا چاہیے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14/121)

❶ صحیح البخاري، رقم الحدیث [338] صحیح مسلم [368/111]

❷ صحیح البخاري، رقم الحدیث [338] صحیح مسلم [368/111]

114- سردی شدید ہے اور آدمی جنبی ہو گیا ہے

جب انسان جنبی ہو جائے تو اس پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ [المائدۃ: 6]

''اور اگر جنبی ہو تو غسل کر لو۔''

اگر رات بہت ٹھنڈی ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل نہ کر سکتا ہو تو پانی کو گرم کر لے، اگر گرم کرنے کا بندوبست نہ ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

[المائدۃ: 6]

''اور اگر تم جنبی ہو تو غسل کر لو اور اگر تم بیمار ہو، یا کسی سفر پر، تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو، اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے اور لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تاکہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے، تاکہ تم شکر کرو۔''

جنابت نے تیمّم کر لینے کے بعد وہ پاک ہو جائے گا اور اس وقت تک

پاک رہے گا جب تک پانی حاصل نہیں کر لیتا، جب پانی مل جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو علیحدہ کھڑا تھا اور اس نے باجماعت نماز ادا نہیں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے کس چیز نے روکا؟'' اس نے کہا: میں جنبی ہوگیا تھا اور پانی نہیں تھا'' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:« عليك بالصعيد، فإنه يكفيك » ''تو مٹی سے تیمّم کر لیتا وہی تجھے کافی تھا۔'' اس کے بعد پانی مل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دے دیا اور فرمایا:

« أفرغه على نفسك »[1] ''اس کے ساتھ غسل کر لو۔''

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ تیمّم کرنے والے کو جب پانی مل جائے گا تو اب پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرے گا، چاہے اس نے تیمّم جنابت سے کیا ہو یا وضو کے لیے، اور دوسری بات یہ کہ جنابت سے تیمّم کرنے والا دوسری جنابت تک کے لیے پاک ہی رہتا ہے، الا یہ کہ پانی مل جائے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 188)

115- ایک آدمی کے پاس صرف اتنا پانی ہے جو بعض اعضاء کے لیے کافی ہوسکتا ہے

اسے چاہیے کہ پہلے پانی استعمال کرے اور باقی کے لیے تیمّم کر لے، کیونکہ اگر اس نے تیمّم پانی کی موجودگی میں کر لیا تو اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔ اس کی دلیل درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا ﴾ [المائدة: 6]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [344]

''پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔''

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم »[1]

''جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اتنا کرو جتنا کر سکتے ہو۔''

جب اس نے بقدرِ استطاعت دھولیا اور پانی ختم ہوگیا تو اس فعل سے اس نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا اور باقی کے لیے پانی مشکل ہوگیا ہے، لہٰذا پانی کے بدل تیمّم کی طرف رجوع کرے گا۔ ان دو حکموں کے مابین کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ پانی کا استعمال تقویٰ ہے اور پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم بھی تقویٰ ہی ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا وہ فرمانِ مبارک بھی بن سکتا ہے جب آپ ﷺ نے زخمی آدمی سے فرمایا:

« إنما يكفيك أن تيمم وتعصب علی جراحك خرقة ثم تمسح عليها »[2]

''تجھے صرف یہی کافی تھا کہ تو تیمّم کرتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ لیتا، پھر اس پر مسح کر لیتا۔''

اگر یہ کہا جائے کہ یہ بدل اور مبدل منہ کو جمع کرنے کے مترادف ہے اور درست نہیں ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں تیمّم دھوئے جانے والے اعضاء سے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [7288] صحيح مسلم [1337/130]

[2] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [336]

نہیں بلکہ ان اعضاء سے ہے جن کو دھویا نہیں گیا، اس طرح یہ بعض وجوہ کی بنا پر موزوں پر مسح کے مشابہ ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں بعض اعضاءِ مغسولہ کو دھویا جاتا ہے اور پاؤں کو دھونے کی بجائے موزوں پر مسح کر لیا جاتا ہے جو کہ بدل ہے اور یہ بدل اور مبدل منہ کو جمع کرنے کی صورت ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 191)

116- پانی مل جانے کی امید پر نماز کو آخری وقت تک مؤخر کر دینا

پہلی بات یہ ہے کہ اخیر وقت تک نماز کو مؤخر کرنے کی دو ترجیحی حالتیں ہیں:

1. اسے پانی کے وجود کا علم ہو۔ اس صورت میں اس کے لیے افضل ہے کہ نماز مؤخر کر دے لیکن یہ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا علم امر مؤکد نہیں ہے، اس لیے کہ کبھی معلوم چیز حاصل نہیں بھی ہوتی۔
2. جب پانی کا مل جانا اس کے نزدیک راجح ہو تو پھر نماز مؤخر کر سکتا ہے، کیونکہ اس میں نماز کی شروط میں سے ایک شرط کی حفاظت مقصود ہے اور وہ ہے پانی کے ساتھ طہارت کرنا۔ اور پہلے وقت میں نماز پڑھنے میں صرف فضیلت کی حفاظت ہے، اس بنا پر تاخیر اور طہارت افضل قرار پائے گی۔

دوسری بات یہ کہ نماز کی اول وقت میں تقدیم کی تین ترجیحی حالتیں ہیں:

1. جب اسے معلوم ہو کہ پانی نہیں ملے گا۔
2. پانی کے نہ ملنے والی بات اس کے نزدیک راجح ہو۔
3. جب وہ متردد ہو اور کچھ بھی فیصلہ نہ کر پائے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 202)

117- جسے نجاست لگی ہو اور وہ اسے زائل نہ کر سکتا ہو

جسے نجاست لگی ہو اور وہ اسے ختم کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے، تیمّم کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن کھرچ کر یا جیسے بھی ممکن ہو نجاست کو ہلکا ضرور کر لے۔ مثلاً اگر کپڑے کو لگی ہو اور کپڑا اتارنا ممکن ہو اور دوسرے کپڑے سے ستر ڈھانپ سکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ ایسا لباس اتار دے اور دوسرا زیبِ تن کرے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 194)

118- اگر مریض کے جسم پر نجاست لگی ہو تو وہ اس کے لیے تیمّم نہیں کرے گا

اس کے لیے تیمّم نہیں کرے گا، اگر بدن سے اس کا ازالہ ممکن ہے تو اسے ختم کر دے ورنہ اسی حالت میں نماز پڑھ لے، اس لیے کہ اس حالت میں تیمّم کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، کیونکہ تیمّم کی مشروعیت ازالۂ نجاست کے لیے نہیں ہے۔ اصل مقصود بدن کو نجاست سے پاک کرنا ہے اور تیمّم کے بعد بھی نجاست تو بدن پر باقی ہی رہے گی، اس لیے تیمّم کفایت نہیں کر سکتا۔ عبادات کی بنیاد صرف اور صرف اتباع پر ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 193)

119- تیمّم کیا پھر پانی مل گیا اور وہ ابھی حالتِ طہارت میں تھا

طہارت میں اصل یہ ہے کہ وہ پانی کے ساتھ ہو، جب وہ اسے نہ پائے یا اس کے استعمال پر قادر نہ ہو تو تیمّم اس کا بدل اور قائم مقام بن جائے گا، پھر جب پانی مل جائے گا تو طہارت باطل ہو جائے گی۔ (اللجنة الدائمة: 13045)

120- جس نے نفلی نماز کے لیے تیمّم کیا اور فرضی بھی پڑھ لی

گزشتہ بحث سے اس کا جواب واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ تیمّم رافع حدث ہے، چنانچہ وہ فرض نماز پڑھ سکتا ہے چاہے تیمّم نفلی نماز کے لیے ہی کیا ہو۔ جس طرح کہ اگر وہ نفلی نماز کے لیے وضو کرے تو اس کے ساتھ فرضی نماز بھی پڑھ سکتا ہے، نیز اگر وقت گزر جائے تو تیمّم کا اعادہ واجب نہیں ہے، الا یہ کہ تیمّم ٹوٹ جائے۔ [یاد رہے کہ نواقضِ وضو ہی نواقضِ تیمّم بھی ہیں۔ مترجم]

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 200)

121- اگر تیمّم کرنے والے کو دورانِ نماز یا بعد میں پانی مل گیا

اگر تیمّم کرنے والے کو دورانِ نماز پانی مل جائے تو یہ مسئلہ اہل علم کے مابین مختلف فیہ ہے۔ بعض کے نزدیک ایسی حالت میں پانی کا ملنا تیمّم کو باطل نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے ایسی حالت میں نماز شروع کی ہے جس میں شرعاً اجازت ہے، بغیر دلیلِ شرعی کے وہ اس سے نہیں نکل سکتا، جبکہ بعض کے نزدیک دورانِ نماز پانی ملنے سے تیمّم باطل ہو جائے گا۔ ان کی دلیل فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ [النساء: 43] ہے، اور اس آدمی نے پانی پا لیا ہے، لہٰذا تیمّم باطل ہو گیا ہے اور جب تیمّم باطل ہو گیا تو نماز بھی باطل ہو گئی۔ اسی طرح ان علماء نے درج ذیل فرمانِ نبوی سے بھی استدلال کیا ہے:

«فإذا وجد الماء فليتق الله وليمسه بشرته»[1]

"تو جب وہ پانی پالے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اسے جسم پر لگائے۔"

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تیمّم طہارت کا بدل ہے جبکہ پانی میسر نہ ہو، جب

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [124]

پانی مل گیا تو بدل ختم ہوگیا اور اس کا حکم بھی زائل ہوگیا، لہٰذا وہ نماز سے خارج ہوجائے گا، وضو کرے گا اور نئے سرے سے نماز پڑھے گا، جو بات میرے نزدیک راجح وہ دوسرا قول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

اگر اسے نماز کے بعد پانی ملتا ہے تو نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے۔ سنن ابو داود وغیرہ میں دو آدمیوں کا قصہ موجود ہے، جنھوں نے تیمّم کیا، نماز پڑھی اور پھر پانی بھی مل گیا۔ ان میں سے ایک نے نماز نہیں دُھرائی اور دوسرے نے وضو کیا اور نئے سرے سے نماز پڑھ لی۔ جب نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے نماز کا اعادہ نہ کرنے والے سے فرمایا: «أصبت السنة» ''تو سنت کو پہنچا ہے۔'' اور نماز کا اعادہ کرنے والے سے فرمایا: «لك الأجر مرتين» ''تیرے لیے دوہرا اَجر ہے۔''[1]

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ میں دوہرا اَجر حاصل کرنا چاہتا ہوں تو ہم کہیں گے جب تجھے سنت کا علم ہوگیا اور تو نے پھر بھی مخالفت کی تو تجھے دوہرا اَجر نہیں ملے گا، بلکہ تو بدعتی ہوجائے گا۔ حدیث میں جس آدمی کا ذکر ہے اسے سنت کا علم نہیں تھا، اس نے اجتہاد کیا اور دو کاموں کے دو اَجر لے گیا۔ اگر کوئی کہے کہ اجتہاد کرنے والے کو تو صرف ایک اجر ملتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

«إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، وإن أخطأ فله أجر»[2]

''جب حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور درست فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر غلط فیصلہ کرے تو ایک اجر۔''

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [338]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [7352] صحيح مسلم [1716/15]

اگر نماز کا اعادہ کرنے والا غلطی پر تھا تو اسے ایک اجر ملنا چاہیے تھا جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے مترشح ہورہا ہے۔ اسے دو اجر کیسے مل گئے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ درست تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معاملہ خطا کھا جانے والے حاکم سے مختلف ہے، اس لیے کہ اعادہ کرنے والے نے دو عمل کیے تھے، جن کا دوہرا اَجر ملتا ہے۔ نیز اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سنت کی موافقت کثرتِ عمل سے افضل ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وقت کی فضیلت اور کثرتِ عمل کی خاطر میں فجر کی دو سنتوں کو لمبا کرنا چاہتا ہوں تو ہم کہیں گے کہ یہ درست نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ فجر کی سنتوں کو ہلکا کر کے پڑھتے تھے۔[1]

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں طواف کی رکعتیں لمبی پڑھنا چاہتا ہوں تو ہم کہیں گے کہ یہ خلافِ سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہلکی ہلکی پڑھی ہیں۔ یہ بہت اہم فوائد ہیں، علم کا شغف رکھنے والے کو چاہیے کہ انھیں حفظ کر لے۔ واللہ الموفق. (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 201)

[1] صحیح. سنن النسائي، رقم الحديث [946]

موزوں پر مسح

122- موزوں پر مسح کی شرائط

موزوں پر مسح کی چار شرطیں ہیں:

① پہننے والے نے بحالتِ وضو پہنے ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہی فرمایا تھا:

«دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين» [1]

''تو انھیں چھوڑ دے (مت اتار) کیونکہ میں نے یہ بحالتِ طہارت ہی پہنے تھے۔''

② موزے یا جرابیں پاک ہوں، اگر نجس ہوں تو ان پر مسح جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے، آپ ﷺ نے جوتے پہن رکھے تھے، پھر دورانِ نماز ہی اتار دیے۔ نماز کے بعد آپ نے بتلایا کہ جبریل علیہ السلام نے بتلایا کہ ان کو گندگی لگی ہوئی ہے۔[2]

لہٰذا موزے اگر پاک نہ ہوں تو ان میں نماز درست نہیں بلکہ مسح کرنے والا خود بھی پاک نہیں رہے گا۔

③ مسح صرف حدثِ اصغر (جس کے لیے وضو کرنا ہوتا ہے) میں ہے، نہ کہ جنابت یا کسی بھی موجبِ غسل چیز میں۔ اس کی دلیل حضرت صفوان بن

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [206] صحيح مسلم [274/79]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [650]

عسال رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں:

”أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا كنا سفراً أن لا ننزع خفافنا ثلاثة أيام ولياليهن إلا من جنابة، ولكن من غائط وبول ونوم“ ❶

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم سفر پر ہوں تو تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزے نہیں اتاریں سوائے جنابت کے۔ البتہ پیشاب، پاخانہ اور نیند سے اتارنے کی ضرورت نہیں۔“

④ مسح اسی وقت میں ہو جو شرعاً مقرر کر دیا گیا ہے جو مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

« جعل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم للمقيم يوما وليلة، وللمسافر ثلاثة أيام ولياليهن» ❷

”مقیم کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لیے تین دن اور رات تین راتیں مقرر کیں۔“

یعنی موزوں پر مسح کرنے بارے میں یہ مدت بے وضو ہونے کے بعد پہلے مسح سے شروع ہو جائے گی اور مقیم کے لیے چوبیس گھنٹے تک، جبکہ مسافر کے لیے بہتر (72) گھنٹے تک رہے گی۔ فرض کریں ایک آدمی منگل والے دن نمازِ فجر کے وقت وضو کرتا ہے اور موزے یا جرابیں پہن لیتا ہے، پھر عشاء تک اس کا وضو قائم رہتا ہے، عشاء پڑھ کے سو جاتا ہے اور بدھ کی فجر کے لیے اٹھ کر پانچ

❶ حسن. سنن الترمذي، رقم الحديث [96] سنن النسائي، رقم الحديث [127] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [874]

❷ صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [552]

بجے وضو کرتے ہوئے مسح کرتا ہے، اب سے لے کر جمعرات کے پانچ بجے تک یوں ہی مسح کر سکتا ہے، اگر جمعرات کے پانچ بجے سے پہلے پہلے اس نے مسح کر لیا ہے تو اسی وضو کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ مدتِ مسح کا ختم ہوجانا ناقضِ وضو نہیں۔

نیز حدیث میں مسح کی مدت مقرر کی گئی ہے، نہ کہ طہارت کی۔ جب مدت مکمل ہوجائے گی تو مسح کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، لیکن اگر اس کا وضو باقی ہے تو وہ بحال رہے گا، کیونکہ یہ طہارت دلیل شرعی سے ثابت شدہ ہے اور جو چیز شرعی دلیل سے ثابت ہوجائے وہ ختم بھی شرعی دلیل ہی سے ہوتی ہے، اور مدتِ مسح کے مکمل ہونے سے وضو کے ٹوٹنے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قاعدہ کے مطابق ہر چیز جہاں ہے وہاں قائم ہے، یہاں تک کہ اس کا زائل ہونا واضح ہوجائے۔ یہ موزوں پر مسح کی شرائط ہیں۔ بعض اہل علم نے کچھ مزید شرائط بھی عائد کی ہیں جو کہ محل نظر ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 100)

123- موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ

مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے پنڈلی کی طرف اپنے ہاتھ گزارے اور بس۔ یعنی مسح صرف موزوں کی اوپر والی جانب ہے، اور ایک ہی وقت میں دونوں ہاتھوں کے ساتھ دونوں پاؤں پر کیا جائے گا، جس طرح کہ دونوں کانوں کا مسح ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہی بات سمجھ آتی ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "فمسح علیهما" یعنی "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔" یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں پاؤں

سے شروع کیا، بلکہ کہا کہ آپ ﷺ نے دونوں پر مسح کیا۔ فرض کریں اگر کوئی دائیں پاؤں پر پہلے مسح کر لیتا ہے اور بہت زیادہ لوگ تو اس طرح بھی کرتے ہیں کہ دونوں ہاتھ سے دائیں پاؤں پر اور دونوں ہاتھوں سے بائیں پر مسح کرتے ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں۔ علما کا فتویٰ یہی ہے کہ دائیں ہاتھ کے ساتھ دائیں کا اور بائیں کے ساتھ بائیں کا مسح کرے۔ وگرنہ جس انداز سے بھی موزوں کی اوپر والی جانب کا مسح کرے گا وہ کفایت کر جائے گا۔ ہمارا کلام افضلیت کے حوالے سے ہے کہ کانوں کی طرح پاؤں کا مسح بھی اکٹھا ہی ہونا چاہیے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 126)

124- موزوں پر مسح کی مشروعیت و تواتر

یہ مسئلہ بھی ان اہم مسائل میں سے ہے لوگ جن کے محتاج ہیں۔ اسی لیے آپ ہمارے جواب کو سوال سے زیادہ وسیع پائیں گے۔

موزوں پر مسح کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: 6]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو)۔“

”أرجلِكم“ کے لام کی زیر کے ساتھ، اس طرح اس کا عطف ”برؤوسکم“ پر ہوگا۔ اس طرح پاؤں مسح کے حکم میں آ جائیں گے اور جو قراءت

لوگ مصحف میں پڑھتے ہیں: "وأرجلَكم" وہ لام کی زبر کے ساتھ ہے، اس طرح اس کا عطف "وجوهَكم" پر ہے اور اس طرح پاؤں دھونے کے حکم میں آجاتے ہیں۔ دونوں قراءتوں کے پیش نظر پاؤں یا تو دھوئے جائیں گے یا ان پر مسح کیا جائے گا۔ اور سنت نے وضاحت کر دی ہے کہ دھونا کب ہے اور مسح کب کرنا ہے۔ قدم ننگے ہوں گے تو دھوئے جائیں گے اور جب موزے وغیرہ سے ڈھانپے ہوں گے تو مسح کیا جائے گا۔ سنت کی رو سے دیکھا جائے تو مسح کا ثبوت بالتواتر ملتا ہے۔

نیز اگر انسان نے باوضو ہو کر موزے پہنے ہوں تو مسح انھیں اتار کر پاؤں دھونے سے افضل ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنے چاہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين»

"انھیں چھوڑ دے کیونکہ میں نے یہ باوضو ہو کر پہنے تھے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مسح کر لیا۔ یہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 98)

125- مسح کی ابتداء اور وقت کے بارے میں شک لاحق ہو جانا

اس حالت میں یقین پر بنیاد رکھی جائے گی۔ اگر اسے شک پڑ جائے کہ مسح نمازِ ظہر کے وقت کیا تھا یا کہ اس کی ابتداء عصر سے ہوئی تھی تو وہ ابتداء نمازِ عصر سے سمجھے، اس لیے کہ اصل مسح کا نہ ہونا ہے۔ اس قاعدہ کی دلیل یہ ہے کہ اصلاً جو چیز جس طرح ہے اس کا اسی صورت میں باقی رہنا تسلیم کیا جائے گا اور اصل چیز مسح کا نہ ہونا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے شکایت کی کہ وہ نماز میں

اس خیال میں پڑ جاتا ہے کہ جیسے اس کا وضو ٹوٹ گیا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا»[1]

''وہ نہ پھرے حتیٰ کہ آواز سُن لے یا بو محسوس کر لے۔''

(ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 124)

126- جب مدتِ مسح مکمل ہو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا

مدت کے ختم ہو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مسح کی مدت مقرر کی ہے نہ کہ طہارت کی، تو ہم کہیں گے کہ جب اس کی مدت پوری ہوگئی، اب مسح نہ کر اور اگر تو نے مدت پوری ہونے سے پہلے پہلے مسح کیا تھا اور وضو قائم تھا تو مدت کے بعد بھی تو باوضو ہی ہوگا، اس لیے کہ جو چیز بمقتضائے دلیل شرعی ثابت ہو جائے وہ ختم بھی دلیل شرعی سے ہی ہوتی ہے، اور اس کے وضو کے ٹوٹنے پر کوئی دلیل نہیں ہے، اور اصل طہارت کا باقی رہنا اور وضو کا نہ ٹوٹنا ہے۔ وضو ٹوٹنے کے مسئلہ میں ایک قاعدہ ہے، جسے خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ اس آدمی کی بات ہے جسے نماز میں خیال آتا کہ شاید اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا»

''نہ وہ پھرے یہاں تک کہ آواز سن لے یا بو محسوس کر لے۔''

نبی کریم ﷺ نے وضو صرف اس پر فرض کیا ہے جسے اس کے سببِ وجوب کا یقین ہو جائے۔ اور پھر اس میں کوئی فرق نہیں کہ سببِ وجوب کا شک و شبہ واقعاتی حیثیت سے ہے یا کہ حکم شرعی کی حیثیت سے۔ ان میں سے ہر دو

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [177]

کے بارے میں لاعلمی ہے۔ اس آدمی کو نہ تو وضو ٹوٹنے کے بارے میں علم ہے کہ وہ ٹوٹا ہے یا نہیں؟ اور نہ ہی اسے حکم شرعی کا علم ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرما دی جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے، تو معلوم ہو گیا کہ وضو صرف یقین سے ہی ٹوٹتا ہے۔ اور یہاں یقین نہیں ہے، لہٰذا طہارت اپنی جگہ برقرار ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 131)

127- مدت ختم ہو جانے کے بعد اس نے موزوں پر مسح کیا اور نماز پڑھی

مسح کی مدت ختم ہوگئی، پھر آدمی نے مدت کے بعد نماز پڑھی تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ مدت کے ختم ہو جانے کے بعد بے وضو ہوا تھا اور مسح کیا تھا اسے دوبارہ وضو کرنا ہوگا اور پاؤں دھونے ہوں گے اور نماز کا اعادہ بھی کرے گا، تو اس لیے کہ اس نے پاؤں دھونے کے بغیر نامکمل وضو سے نماز پڑھی ہے اور اگر آدمی نے مدت ختم ہو جانے کے بعد اس طرح نماز پڑھی کہ وضو اس کا قائم تھا تو اس کی نماز صحیح ہے، اس لیے کہ مدتِ مسح کا اختتام ناقضِ وضو نہیں ہے، اگرچہ کچھ اہل علم نے اسے ناقضِ وضو قرار دیا ہے لیکن یہ قول بلا دلیل ہے۔ بنابریں ہم کہیں گے کہ مدتِ مسح کی تکمیل کے بعد اگر وہ باوضو ہے تو وہ وضو ٹوٹنے تک کی سب نمازیں پڑھ سکتا ہے، چاہے پورا دن گزر جائے اور مدت ختم ہو چکی ہو، اس لیے کہ اس کا وضو دلیل شرعی سے ثابت ہو چکا ہے لہٰذا وہ دلیل شرعی کے بغیر ٹوٹ بھی نہیں سکتا، اور نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں جو مدتِ مسح کے اختتام پر نقضِ وضو کے لیے دلیل ہو۔ واللہ اعلم

(ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 132)

128- موزوں پر مسح کے بعد انھیں اتار دینا وضو کو باطل نہیں کرتا

اگر مسح کے بعد موزے یا جراب کو اتار دے تو اس کا وضو باطل نہیں ہوگا، البتہ اس کا مسح باطل ہو جائے گا، بایں صورت کہ اگر وہ موزے اتارنے کے بعد بے وضو ہو گیا اور موزے پہن لیے تو اب دوبارہ وضو کرتے وقت موزے اتار کر پاؤں کو دھونا ضروری ہے۔ اہم بات جس کا جاننا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہمیں موزے ایسی طہارت میں پہننے چاہییں جس میں پاؤں دھو لیے ہوں اور اس لیے بھی کہ اس آدمی نے جب موزے پر مسح کر لیا تو اس کی طہارت دلیل شرعی کے مقتضا کے مطابق ہوگئی، اور جو چیز شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے وہ ختم بھی شرعی دلیل سے ہی ہوتی ہے، لہٰذا جب وہ موزے اتارے گا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، تاآنکہ ناقضِ وضو پیش نہ آجائے، لیکن اگر اس کے بعد دوبارہ موزے اتار کر پہنتا ہے اور مسح کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 130)

129- تیمّم کے بعد موزوں پر مسح کرنا

جب طہارت تیمّم والی ہو تو موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث «فإني أدخلتهما طاهرتين» ”میں نے یہ بحالتِ وضو پہنے تھے۔“ کا تعلق وضو والی طہارت کے ساتھ ہے۔ تیمّم کی طہارت کا پاؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ صرف چہرے اور ہتھیلیوں کے ساتھ ہے۔[1]

اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مریض جو پانی استعمال نہیں کر سکتا اور ایسا شخص جسے پانی میسر نہیں، موزے پہن لیتے ہیں، چاہے بغیر وضو کے ہی، اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [206] صحيح مسلم [274/79]

تیمّم سے نمازیں پڑھتے رہتے ہیں تو جائز ہے حتی کہ صحت یاب ہو جائے اور دوسرے کو پانی مل جائے، کیونکہ پاؤں کا تیمّم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 120)

130- اس آدمی کا حکم جس نے وضو کیا، اپنا دایاں پاؤں دھویا اور موزہ پہن لیا پھر بایاں دھویا اور موزہ یا جراب پہن لی

یہ مسئلہ علماء کے مابین مختلف فیہ ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ موزہ یا جراب پہننے سے پہلے مکمل وضو ضروری ہے اور بعض کے نزدیک دایاں پاؤں دھوکر دایاں موزہ اور بایاں دھوکر بایاں موزہ پہننا جائز ہے، کیونکہ اس نے دایاں موزہ تب ہی پہنا ہے جب دایاں پاؤں پاک کر لیا ہے، اسی طرح بایاں پاؤں بھی۔ اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اس نے دونوں پاک پاؤں پر موزے پہنے ہیں، لیکن دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«إذا توضأ أحدكم ولبس خفيه...» [1]

''جب تم میں سے کوئی ایک وضو کرے اور موزے پہنے۔''

اس حدیث سے پہلے قول کی تائید ہو رہی ہے، اس لیے کہ جس نے ایک پاؤں دھویا اور موزہ پہن لیا اور دوسرا پاؤں ابھی تک نہیں دھویا، اس پر یہ اطلاق نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے وضو کر لیا ہے، لہٰذا پہلا قول راجح ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 121)

[1] صحيح. سنن الدارقطني [203/1] والحاكم، رقم الحديث [643] صحيح الجامع، رقم الحديث [447]

131- جس نے جرابیں اتاریں اور پھر اسی وضو میں پہن لیں

جب آدمی جرابیں اتار کر پھر اسی وضو کے اندر اندر پہن لے تو یہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے:

1. پہلی حالت: یہ وضو پہلے والا ہی ہو، یعنی جرابیں پہننے کے بعد وضو ٹوٹا نہیں تھا، اس کے لیے دوبارہ پہننے اور بوقتِ وضو مسح کرنے کے بارے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
2. دوسری حالت: یہ ایسا وضو تھا جس میں جرابوں پر مسح کیا تھا۔ اب اگر دوبارہ پہنتا ہے تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ پانی کی طہارت کے بعد ہی انھیں پہننا مشروع ہے نہ کہ مسح کی طہارت کے بعد۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر مسح کی طہارت کے بعد بھی جرابیں دوبارہ پہن لے تو مدت کے ختم ہونے تک مسح کر سکتا ہے تو یہ مضبوط قول ہے۔

لیکن مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے یہ بات کہی ہو۔ اگر اہل علم میں سے کوئی اس کا قائل ہوتا تو میرے نزدیک یہ درست بات ہوتی۔ مجھے یہ بات کہنے میں امر مانع یہی ہے کہ کسی نے یہ بات کہی نہیں، اس لیے کہ مسح کی طہارت بھی کامل طہارت ہے۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ جس طرح دھو کر حاصل ہونے والی طہارت سے مسح کیا جا سکتا ہے تو پھر مسح سے حاصل ہونے والی طہارت سے بھی مسح کیا جا سکتا ہے، لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی بھی اس کا قائل ہو، اور علم تو اللہ کے ہی پاس ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 129)

132- موزوں پر مسح کے جواز کے لیے نیت کی شرط نہیں ہے

یہاں نیت فرض نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جہاں نیت

صرف اس کے وجود کے ساتھ ہی معلّق ہے، لہٰذا یہ نیت کا محتاج نہیں ہے، مثلاً اگر وہ کپڑے پہنے تو اب یہ شرط نہیں کہ نماز میں ستر کو ڈھانپنے کے لیے بھی نیت کرے۔ اسی طرح مدتِ مسح کی نیت کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر وہ مسافر ہے تو اس کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں، وہ نیت کرے یا نہ کرے، اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے خواہ وہ نیت کرے یا نہ کرے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 101)

133- مدتِ مسح کے دوران جرابوں کے نیچے ہاتھ داخل کرنا

اگر جرابوں کے نیچے ہاتھ داخل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے مسح باطل نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے انھیں اتارا نہیں ہے، اگر اتارتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ تھوڑا سا اتارا ہے کہ جو ضرر رساں نہیں، یا کہ زیادہ اتارا ہے کہ پاؤں کا اکثر حصہ ننگا ہو گیا ہے، اس صورت میں آئندہ مسح کرنا باطل ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 128)

134- پھٹی ہوئی اور باریک جراب پر مسح

راجح قول یہ ہے کہ پھٹی ہوئی اور باریک جراب پر مسح جائز ہے، اس لیے کہ جراب وغیرہ پر مسح کے جواز کی وجہ اور علت اس کا ساتر ہونا نہیں ہے، کیونکہ پاؤں ستر نہیں ہے کہ جسے ڈھانپنا واجب ہے، اس کا مقصد صرف انسان کو سہولت اور رخصت ہے کہ اس پر موزوں اور جرابوں کو اتارنا لازم قرار نہ دیا جائے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تو ان پر مسح کر لے جب تک ان کی مدت باقی ہے اور اس علت میں موزہ، جراب، پھٹی ہو یا صحیح سلامت، نیز موٹی ہو یا پتلی، سب شامل ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 105)

135- ایسی جراب پر مسح کرنا جس پر کسی جاندار کی تصویر ہو

اس پر مسح کرنا ناجائز ہے، کیونکہ موزوں پر مسح ایک رخصت ہے، جسے نافرمانی کے لیے مباح نہیں کیا جا سکتا۔ اسے جائز قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس انسان کے لیے حرام چیز پہننے کا اقرار کر لیا جائے، حالانکہ حرام کا انکار کرنا واجب ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ان تصویروں میں سے ہے کہ جن کو از روئے توہین و اہانت رکھنا جائز ہے، کیونکہ یہ لباس کی بات ہے اور تصویر والا لباس ہر حال میں حرام ہے، لہٰذا اگر جراب پر شیر وغیرہ کی تصویر ہو تو اس پر مسح جائز نہیں ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 102)

136- احتیاطاً ہر وضو کے وقت جرابیں اتار دینا

یہ خلافِ سنت ہے اور اس میں رافضیوں کے ساتھ مشابہت ہے کہ وہ جرابوں پر مسح کو جائز نہیں سمجھتے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، جب انھوں نے آپ ﷺ کے موزے اتارنے چاہے، فرمایا تھا:

«دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين»

”انھیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے یہ ایسی حالت میں پہنے تھے کہ دونوں پاؤں پاک تھے۔“

اور پھر ان پر مسح کر لیا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 97)

137- مقیم آدمی نے مسح کیا اور پھر سفر پر روانہ ہو گیا

علما نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دن اور رات پر اکتفا کرے گا، چنانچہ مقیم کی مدّت پوری ہو جانے کے بعد موزے اتار لے گا۔ اس کی صورت حسبِ ذیل

بن جائے گی:

اگر وہ پہلی دفعہ چاشت کے وقت بے وضو ہوا ہے، پھر اس نے ظہر کے وقت مسح کیا، پھر ظہر کے بعد اور عصر سے پہلے سفر کیا اور عصر کے لیے دورانِ سفر مسح کیا، یہ مقیم والا مسح پورا کرے گا۔ اس کی مدتِ مسح اگلے دن چاشت کے وقت پوری ہوجائے گی۔ علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے یہ علّت بیان کی ہے کہ مسح ایک عبادت ہے، اس کی ایک جانب حضر میں اور دوسری سفر میں پائی گئی اور حضر والی جانب غالب آ گئی نماز کی طرح۔ بعض کے نزدیک اگر اس نے مسح کی طہارت کے ساتھ حضر میں نماز پڑھ لی ہے تو حضر والی جانب غالب آ جائے گی اور اگر اس نے مسح کیا ہے اور سفر میں ہی نماز پڑھی ہے تو مسافر والی مدت پوری کرے گا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مسافر والا مسح کرے گا، اگرچہ مسح کے ساتھ حضر میں نماز پڑھ بھی چکا ہے، کیونکہ حدیث ہے: ((یمسح المسافر)) ''مسافر مسح کرے گا۔'' لیکن جمہور کے نزدیک اس پر مقیم والا مسح ہے۔ (ابن جبرین: الفتاویٰ: 34/1)

138- ایک آدمی نے سفر میں مسح کیا اور پھر مقیم ہوگیا

وہ مقیم والا مسح پورا کرے گا، یعنی بے وضو ہوجانے کے ایک دن اور رات کے بعد موزے یا جرابیں اتار دے گا، جیسا کہ اگر اس نے سفر میں چاشت کے وقت موزے پہنے، پھر ظہر کے لیے مسح کیا، پھر اپنے شہر میں عصر کے وقت پہنچ گیا، اس کی مدت گزشتہ دن کے حدث کے وقت ختم ہوجائے گی یا ظہر کے وقت ختم ہوجائے گی۔ فقہاء کا یہی فتویٰ ہے جس طرح کہ ''المغنی''، ''الشرح الکبیر''، ''الفروع''، ''المبدع''، ''الإنصاف''، ''الکشاف'' اور ''المطالب'' وغیرہ میں

ہے۔ سب نے حضر کی جانب کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح اگر اس نے ایک دن رات یا زیادہ سفر میں مسح کیا ہے، پھر مقیم ہوگیا ہے تو شہر میں پہنچنے سے لے کر حضر کی مدت پوری کر کے موزے اتار لے گا۔ (ابن جبرین: الفتاویٰ: 35/1)

139- پٹی پر مسح کا حکم

پہلے پٹی کی تعریف کر لینا ضروری ہے۔ اصل میں ''جبیرہ'' کہتے ہیں اس چیز کو جس کے ساتھ ٹوٹی ہوئی چیز کو باندھا جائے۔ فقہاء کے عرف میں اس سے مراد وہ چیز ہے جسے ضرورت کے لیے طہارت والی جگہ پر رکھا جائے، جیسا کہ وہ پٹی جو ٹوٹی ہوئی جگہ پر ہوتی ہے یا وہ پلستر یا پٹی جو زخم پر ہوتی ہے، اس پر مسح کر لینا دھونے سے کفایت کر جاتا ہے۔ فرض کریں کہ کسی کے بازو پر پٹی لگی ہے تو دھونے کی بجائے اس کا مسح ہی کافی ہے۔ یہ مکمل طہارت ہوگی۔ اگر مسح کے بعد وہ اس پٹی کو اتار دیتا ہے تو بھی اس کی طہارت باقی رہے گی، ٹوٹے گی نہیں۔ اس لیے کہ وہ شرعی طریقہ کے مطابق مکمل ہو چکی ہے اور پٹی کا اترنا ناقضِ وضو ہے، اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، اور پٹی پر مسح کے متعلق احادیث متعارض ہیں، کچھ ان میں سے ضعیف ہیں، جنھیں بعض اہل علم نے لیا ہے اور کہا ہے کہ ان احادیث کی مجموعی حیثیت انھیں قابلِ صحت بنا دیتی ہے۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ ان احادیث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ان کا باہمی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک پٹی والی جگہ کی تطہیر کا حکم ساقط ہو جائے گا، کیونکہ آدمی اس کی تطہیر سے عاجز ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ تیمّم کر لے اور مسح نہ کرے، لیکن اس بارے واردشدہ احادیث سے قطع نظر اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو سب سے راجح قول مسح والا ہے اور یہ مسح اسے تیمّم سے بے نیاز کر

دے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر طہارت والی جگہ پر زخم ہو تو اس کے چار مراتب ہیں:

1. وہ زخم کُھلا ہو اور اسے دھونے سے تکلیف نہ ہو، اگر وہ دھونے والی جگہ پر ہے تو اسے دھونا واجب ہے۔
2. زخم کُھلا ہو لیکن دھونا تکلیف دہ ہو، علاوہ مسح کرنے کے۔ اس حالت میں مسح واجب ہے نہ کہ دھونا۔
3. زخم کُھلا ہو اور دھونا اور مسح دونوں ہی ضرر رساں ہوں، اب تیمّم کرے گا۔
4. زخم پلستر یا پٹی سے چھپا ہو، اس وقت پٹی پر مسح کرے گا، عضو کو دھونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی تیمّم کی۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 115)

140- موزوں اور پٹی پر مسح کے مابین فرق

1. موزوں کا مسح ایک خاص مدت تک مقرر ہے، جبکہ پٹی پر مسح اس وقت تک ہے جب تک اس کی ضرورت و احتیاج باقی ہے۔
2. پٹی کا مسح کسی عضو کے ساتھ خاص نہیں جبکہ موزوں کا مسح پاؤں کے ساتھ خاص ہے۔
3. موزوں کے مسح میں شرط ہے کہ وہ وضو کے بعد پہنے ہوں۔ جبکہ پٹی کے مسح میں وضو کی شرط نہیں ہے۔
4. پٹی پر مسح حدثِ اصغر اور اکبر دونوں میں ہوسکتا ہے، جبکہ موزے کا مسح صرف وضو میں ہے نہ کہ غسل میں، کیونکہ اس میں موزے اتارے جائیں گے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 119)

141- پٹی کی مقدار اندازے کے مطابق ہوگی

پٹی پر مسح اسی وقت تک ہے جب اس کی ضرورت و حاجت ہو، لہٰذا اس

کی مقدار کا اندازہ لگایا جائے گا، صرف زخم اور درد والی جگہ ہی ضرورت نہیں بلکہ اس پٹی کو باندھنے کے لیے جو جگہ بھی استعمال ہوگی وہ ضرورت ہے، چاہے وہاں درد اور زخم نہ بھی ہو، مثلاً اگر صرف انگلی ٹوٹی ہے لیکن پٹی باندھنے کے لیے پوری ہتھیلی کو باندھنا پڑا ہے تو یہ ساری ضرورت ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 116)

142- مسح کے وقت ساری کی ساری پٹی پر مسح کرنا

ساری کی ساری پٹی پر مسح کیا جائے گا، کیونکہ اصل یہ ہے کہ بدل کا حکم مبدل منہ والا ہے جب تک کہ سنت اس کے خلاف نہ آجائے۔ یہاں مسح بدل ہے دھونے سے، جس طرح دھونے میں سارا عضو شامل ہے اسی طرح ساری پٹی پر مسح کیا جائے گا لیکن موزے پر مسح کی بات مختلف ہے، کیونکہ وہ رخصت ہے اور سنت میں یہ وضاحت آچکی ہے کہ اس کے کچھ حصہ کا مسح کافی ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 118)

143- پٹی پر مسح کرنا اور تیمّم بھی کرنا

مسح اور تیمّم کو جمع کرنا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ ایک ہی عضو کے لیے دو طہارتوں کو جمع کرنا شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس عضو کی تطہیر واجب ہے دونوں طریقوں سے جس طرح بھی ممکن ہو۔ اگر ہم اس کی تطہیر دو طہارتوں سے واجب کرتے ہیں تو شریعت میں اس کی کوئی مثال و نظیر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کو ایسی دو عبادتوں کا مکلّف نہیں ٹھہراتے جن کا سبب ایک ہی ہو۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 117)

حیض اور نفاس کے احکامات

144- دو حیض کی درمیانی مدت

دو حیض کے درمیان کم از کم طہر ایک قول کے مطابق تیرہ دن ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ کم از کم کی کوئی حد نہیں جیسا کہ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ یہی بات صحیح ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ عورت مہینے میں دو بار حیض میں مبتلا ہو، لیکن عورت کو خونِ حیض کی لازماً پہچان ہونی چاہیے۔ دوسرا خون جو زرد، پتلا اور معمولی ہوتا ہے وہ استحاضہ ہے، اور استحاضہ والی عورت خون کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی سابقہ عادت کے مطابق عمل کرے گی۔ جب عادت کے ایام آجائیں گے تو اتنی دیر نماز، روزہ نہیں رکھے گی اور اس کا خاوند بھی قریب نہیں آسکتا۔ اور جب عادت ختم ہوجائے گی تو وہ غسل کرے گی، نماز اور روزہ رکھے گی اور اس کا خاوند بھی اس کے پاس آسکتا ہے۔ علما کا کہنا ہے کہ پندرہ دن سے زائد آنے والا خون استحاضہ کا ہے، اگر عورت کی عادت نہ ہو اور نہ ہی وہ خون کی رنگت سے فرق کرسکتی ہو تو وہ اکثر عورتوں کی عادت کی طرف رجوع کرے گی جو کہ چھ یا سات دن ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 6/123)

145- مدتِ حیض میں دخول کے بغیر خاوند کا بیوی سے لطف اٹھانا

خاوند بیوی سے ہر وقت مباشرت کرسکتا اور لطف اٹھا سکتا ہے، سوائے حیض و نفاس میں جماع کے۔ اسی طرح کسی بھی کیفیت میں سیدھے اور الٹے ایک ہی

سوراخ سے، جو کہ اگلی جانب ہے، لذت حاصل کر سکتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾
[البقرة: 323]

"تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔" (اللجنة الدائمة: 19325)

146- حیض و نفاس والی بیوی سے جماع

حائضہ اور نفاس والی عورت سے جماع جائز نہیں حتی کہ اس کے ایام ختم ہو جائیں اور وہ غسل کر لے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ [البقرة: 222]

"اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آ جاؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔"

(اللجنة الدائمة: 17332)

147- حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت

صحیح بات یہ ہے کہ حیض کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کی حد کوئی نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ [البقرة: 222]

"اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب

نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ممانعت کے ایام کی تعداد نہیں بتلائی، بلکہ طہر تک منع کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم کی علت حیض کا ہونا یا نہ ہونا ہے۔ جب حیض ہوگا تو اس کے احکامات لاگو ہوں گے اور جب نہیں ہوگا تو اس کے احکامات بھی نہ رہیں گے۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ حیض کے ایام کی حد بندی پر کوئی دلیل نہیں حالانکہ اس کی ضرورت بھی تھی، لہٰذا اگر اس کی تحدید ہوتی تو ضرور کتاب و سنت میں وضاحت کر دی جاتی۔ بنا بریں ہر وہ خون جو عورتوں میں حیض کے حوالے سے معروف ہے، اگر عورت اسے دیکھتی ہے وہ حیض ہی ہے اور اس کی تحدید نہیں کی جاسکتی، الا یہ کہ وہ خون مسلسل جاری رہے یا معمولی وقت کے لیے منقطع ہو اور پھر جاری ہو جائے، تب وہ استحاضہ شمار ہوگا۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 216)

148- نماز کا وقت ہوا اور اس کے ایام آ گئے

جیسا کہ عورت سورج ڈھلنے کے آدھا گھنٹہ بعد حائضہ ہوگئی تو حیض سے فارغ ہونے کے بعد اس نماز کی قضا دے گی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ [النساء: 103]

"بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسی فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔"

لیکن دورانِ حیض کی نمازوں کی قضا نہیں دے گی، جیسا کہ ایک طویل حدیث میں ہے:

«أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم؟»[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [304]

"کیا ایسے نہیں کہ جب عورت کو ایام آتے ہیں تو نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟"

علما کا بھی اس پر اجماع ہے۔ اور جب وہ پاک ہوئی اور نماز کا اتنا وقت باقی تھا جس میں ایک یا زیادہ رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں تو وہ یہ نماز بھی پڑھے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر »[1]

"جس نے نمازِ عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی تو اس نے نمازِ عصر پالی۔"

عورت جب پاک ہوئی تو سورج غروب میں یا طلوع ہونے میں اتنا وقت تھا کہ ایک رکعت پڑھ سکتی تھی تو وہ نمازِ عصر ادا کرے گی پہلے مسئلہ کی رو سے، اور نمازِ فجر ادا کرے گی دوسرے مسئلہ کے مطابق۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 225)

149- عورت حائضہ ہوئی یا حیض سے فارغ ہوئی ہے اور ایک رکعت کے بقدر نماز کا وقت پالیتی ہے

اگر عورت نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد حائضہ ہوتی ہے تو پاک ہونے کے بعد اس نماز کی قضاء واجب ہے جبکہ اس نے حیض شروع ہونے سے پہلے ادا نہ کی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [579] صحيح مسلم [608/163]

أدرك العصر» ❶

''جس نے نماز کی ایک رکعت بھی پالی تو اس نے پوری نماز پالی۔''

اسی طرح اگر وہ نماز کا وقت نکلنے سے پہلے ہی پاک ہوگئی ہے تو اس نماز کی قضا واجب ہے۔ اگر وہ طلوعِ شمس سے ایک رکعت پڑھنے کے برابر پہلے پاک ہوئی ہے تو اس پر نمازِ فجر کی قضاء واجب ہے اور اگر غروبِ شمس سے ایک رکعت کے برابر پہلے پاک ہوئی ہے تو اس پر نماز عصر کی قضاء واجب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر» ❷

''جس نے غروبِ شمس سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے پوری نمازِ عصر پالی۔''

150- ایک عورت طلوعِ شمس کے بعد بیدار ہوئی اور اس نے خون دیکھا

اس پر نمازِ فجر کی قضاء لازم ہے، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ خون نہیں نکلا، جس کا تقاضا ہے کہ حیض سے پہلے وہ پاک ہی تھی، لہٰذا نماز کی قضا دے گی۔ لیکن مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ وہ فجر کے لیے طلوعِ شمس کے بعد بیدار ہو رہی ہے، انسان کے لیے لازم ہے کہ ایسے وسائل اور ذرائع استعمال کرے کہ پہلے بیدار ہو سکے اور وقت پر نماز ادا کر سکے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 152)

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [579] صحيح مسلم [608/163]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [579] صحيح مسلم [608/163]

151- طہر کے بعد زردی اور مٹیالے رنگ کے پانی کا حکم

عورتوں کے حیض کے متعلقہ مسائل بحرِ بے کنار کی مانند ہیں، اس کا سبب مانع حمل اور مانع حیض ادویات کا استعمال ہے۔ اس سے پہلے لوگ ان مسائل سے اس طرح دو چار نہیں تھے، اب تو ان مسائل نے انسان کو حیران کر کے رکھ دیا ہے، لیکن عام اصول یہ ہے کہ عورت جب حیض سے پاک ہو جائے اور طُہر کی علامت یعنی سفید خون کا نکلنا دیکھ لے تو اب جو بھی زردی، مٹیالا رنگ یا رطوبت وغیرہ خارج ہوگی یہ حیض نہیں ہے بلکہ وہ نماز ادا کرے، روزہ رکھے اور اس کا خاوند بھی اس کے پاس آ سکتا ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((لا نعد الصفرة و الكدرة شيئاً))[1]

اور ابو داود میں "بعد الطُهر" کا بھی اضافہ ہے، باقی الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

معنی یہ ہوا کہ ''ہم طُہر کے بعد زردی اور مٹیالے رنگ کو کچھ بھی شمار نہیں کرتی تھیں۔'' نیز "بعد الطُهر" کا اضافہ بسندِ صحیح ثابت ہے۔ اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ طُہر کے بعد عورت کو جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں، نہ وہ اسے نماز، روزہ سے روک سکتا ہے اور نہ خاوند کے اس کے پاس آنے سے، لیکن عورت کو جلدی نہیں کرنی چاہیے، بعض عورتیں جب دیکھتی ہیں کہ خون ہلکا رہ گیا ہے تو جلدی جلدی غسل کر لیتی ہیں حالانکہ ابھی سفید خون نہیں آیا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف خون والی روئی بھیجا کرتی تھیں تو وہ فرماتیں: جلدی نہ کرو حتی کہ سفید خون آنے دو۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 235)

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث [307]

152- ایام مخصوصہ جب بھی شروع ہوں گے عورت نماز سے رُک جائے گی

حیض جب بھی آئے گا اس کا اعتبار کیا جائے گا، چاہے اس کے اور سابقہ حیض کے مابین مدت طویل ہو یا قلیل۔ جب حیض کے بعد عورت پاک ہوگئی اور پانچ، چھ یا دس دنوں کے بعد دوبارہ ایام شروع ہوگئے تو وہ پھر بیٹھ جائے گی اور نماز نہیں پڑھے گی، اس لیے کہ یہ بھی حیض ہے اور وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے گی۔ ہاں اگر خون جاری رہے یا معمولی وقت کے لیے بند ہو تو یہ استحاضہ ہے اب وہ نماز پڑھتی رہے گی۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 230)

153- عورت نے خروجِ حیض کی دوا استعمال کی اور حیض آنے پر نماز چھوڑ دی

جب عورت کوئی ایسی دوا استعمال کرے جس سے خون حیض جاری ہوجائے تو اس دوران نماز چھوڑ دے گی اور بعد میں قضا بھی واجب نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ حیض جب آئے گا اس کا حکم بھی لاگو ہو جائے گا، جیسا کہ اگر اس نے مانع حیض دوا استعمال کی اور حیض بند ہوگیا تو وہ نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور بعد میں روزے کی قضا بھی نہیں دے گی، اس لیے کہ وہ حائضہ نہیں ہے۔ حکم اپنی علت کے گرد گھومتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ [البقرۃ: 222]

''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح

کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔"

لہٰذا جب یہ غلاظت پائی جائے گی تو اس کا حکم بھی پایا جائے گا اور جب یہ نہیں ہوگی تو اس کا حکم بھی نہیں ہوگا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 219)

154- دورانِ حیض عورت کے لیے کونسی عبادات جائز اور کونسی ممنوع ہیں؟

ممنوع عبادات میں سے نماز اور روزہ ہیں، اس پر علماء کا اجماع ہے۔ اسی طرح بحالتِ حیض اعتکاف شروع نہیں کرسکتی، اس لیے کہ وہ اس حالت میں اہلِ مسجد میں سے نہیں ہے۔ ہاں اگر دورانِ اعتکاف ایام شروع ہو جائیں تو اور بات ہے۔ اسی طرح مسجد میں ٹھہر بھی نہیں سکتی اور جمہور اہل علم کے نزدیک اس کے لیے اعتکاف بھی جائز نہیں ہے۔ سعی، وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ اور جمروں کی سنگ باری جائز ہے، اور تسبیح، تکبیر، تہلیل، اچھائی کا حکم، برائی سے روکنا اور اللہ کی طرف دعوت کے لیے گفتگو کرنا بھی جائز ہے۔ تلاوتِ قرآن کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حائضہ قرآن مجید کی تلاوت کرسکتی ہے، اس لیے کہ کسی صحیح صریح حدیث میں اس کے لیے قرآن پڑھنے کی ممانعت ذکر نہیں ہوئی اور اصل جواز ہے۔ ہاں اسے چاہیے کہ ضرورت کے وقت قرآن پڑھے، اس طرح یہ اختلافی مسئلہ نہیں رہے گا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13/123)

155- اگر عورت کو خون استحاضہ بہت زیادہ آتا ہے تو وہ کس طرح نماز اور روزہ رکھے گی؟

ایسی عورت جسے کثرت سے خونِ استحاضہ آتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اپنی سابقہ ماہواری کی عادت اور روٹین کے دنوں کے مطابق نماز اور روزہ سے بیٹھی رہے۔ مثلاً اگر اسے ہر مہینے کے پہلے چھ دن حیض آتا ہے تو مہینے کے پہلے چھ دن نماز روزہ نہیں رکھے گی، جب ایام گزر جائیں تو وہ غسل کرے، روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔ اس جیسی عورت کے لیے نماز پڑھنے کی کیفیت یہ ہے کہ اچھی طرح شرمگاہ کو دھوئے، اس پر لنگوٹ باندھے اور وضو کرے۔ ایسا نماز کے وقت کے شروع ہوجانے کے بعد کرے نہ کہ دخول وقت سے قبل ہی پھر نماز پڑھے، اور اسی طرح جب فرض نماز کے اوقات کے لیے نفل پڑھنا چاہے تب بھی ایسا ہی کرے۔ مشقت کی اس حالت میں اس کے علاوہ جائز ہے کہ ظہر کو عصر کے ساتھ یا اس کے عکس جمع کر لے اور مغرب کو عشاء کے ساتھ یا اس کے عکس جمع کر لے۔ اس طرح اس کا ایک ہی عمل دو نمازوں کے لیے کافی ہوجائے گا۔ ایک ظہر و عصر کے لیے، ایک مغرب اور عشاء کے لیے اور ایک نمازِ فجر کے لیے، اور پانچ کی بجائے اسے تین بار وضو کرنا پڑے گا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 257)

156- جو عورت عصر کے وقت میں پاک ہوئی اس پر ظہر اور عصر دونوں واجب ہیں

اگر عورت عصر کے وقت میں حیض یا نفاس سے فارغ ہوئی تو اس پر دونوں نمازیں واجب ہیں کیونکہ مریض، مسافر اور معذور کے لیے ان دونوں نمازوں کا وقت ایک ہی ہے، اور یہ عورت بھی طہر کے مؤخر ہوجانے کی وجہ سے

معذور ہی ہے۔ اسی طرح اگر وہ عشاء کے وقت میں پاک ہوئی ہے تو اس پر مغرب اور عشاء دونوں واجب ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 217/10)

157- حالتِ حیض میں مصحف کو چھوئے بغیر قرآن مجید کی تلاوت کرنا

عورت ایسا کرسکتی ہے کیونکہ یہ ایک ضرورت ہے اور حائضہ کے لیے ضرورت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ کوئی صحیح اور صریح حدیث ایسی نہیں جو حائضہ کے لیے قرآن کی قراءت کی ممانعت پر دلیل ہو۔ لہٰذا وہ جب بھی حفظ کرنے، کرانے یا دن اور رات میں ورد کرنے کی محتاج ہو تو قرآنِ مجید کی تلاوت کرسکتی ہے، لیکن اگر ضرورت نہ ہو تو زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ قرآن نہ پڑھے کیونکہ اکثر اہل علم کی رائے اس بارے میں مختلف ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 22/123)

158- مسئلہ

حائضہ پر مغرب اور عشاء کا فرض ہونا جبکہ وہ طلوعِ فجر سے پہلے پاک ہوجائے اور اس پر ظہر وعصر کا فرض ہونا جبکہ وہ غروبِ شمس سے پہلے پاک ہوجائے۔

اگر حائضہ یا نفاس والی غروبِ شمس سے پہلے پاک ہوجائے تو اس پر ظہر اور عصر دونوں واجب ہیں، اور اگر وہ طلوعِ فجر سے پہلے پاک ہوجاتی ہے تو اسے مغرب و عشاء پڑھنا ہوں گی۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور جمہور اہل علم کی بھی یہی رائے ہے۔

اسی طرح اگر حیض یا نفاس والی عورت طلوعِ شمس سے پہلے پاک ہوجاتی ہے تو اس پر نمازِ فجر واجب ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 216/10)

159- نفاس کی تعریف

"نفاس" وہ خون ہے جسے عورت کا رحم بچے کی پیدائش کے سبب خارج کرتا ہے، ولادت کے ساتھ، اس کے بعد یا اس سے دو یا تین دن پہلے جبکہ اس کے بعد ولادت ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اس کے بعد ولادت ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ بعد میں پیدا نہ ہو تو وہ نفاس نہیں ہوگا۔"

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 244/11)

160- چالیس دن سے پہلے خونِ نفاس کا ختم ہوجانا

نفاس کے خون کی کم از کم کوئی مدت نہیں، کچھ عورتیں ایسی ہیں جو پیدائش کے بعد بالکل خون نہیں دیکھتیں، کچھ کا خون دو یا تین دن بعد ختم ہوجاتا ہے۔ جب خون ختم ہوجائے اور وہ طہر کی علامت دیکھے تو غسل کرے، نماز پڑھے، روزہ رکھے اور خاوند کی خدمت بھی کر سکتی ہے۔ اگر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے خون دوبارہ شروع ہوجائے تو وہ نماز اور روزے سے مانع نہیں ہوگا اور اگر اس صورت میں روزہ رکھ لے تو بعد میں احتیاطاً روزے کی قضا بھی دے دے۔ اگر چالیس دن سے زیادہ خون آئے اور وہ بھی نفاس جیسا ہو اور اس سے پہلے منقطع بھی نہ ہوا ہو تو وہ نفاس کا ہی سمجھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(ابن جبرین: الفتاویٰ: 16/16)

161- ایک عورت نفاس ختم ہوجانے کے بعد خون دیکھتی ہے

اگر عورت پاک ہوجانے کے دس دن بعد خون کے دھبے دیکھتی ہے اور وہ خونِ حیض کے ایام بھی نہیں ہیں تو وہ نماز اور روزہ ترک نہیں کرے گی، کیونکہ یہ خونِ فاسد ہے۔ اگر دھبوں کے ایام میں اس نے نمازیں چھوڑی ہیں تو ان کی قضاء دے گی۔ (اللجنة الدائمة: 13160)

دوسری قسم

نماز کے احکام

1. اسلام میں نماز کا مرتبہ ومقام
2. اذان اور اقامت
3. نماز کا طریقہ
4. سجدۂ سہو
5. نماز کی شرطیں
6. نماز کے آداب
7. نماز کے اوقات
8. نماز باجماعت
9. امامت کے احکامات
10. نمازِ جمعہ
11. نمازِ عیدین
12. نمازِ گرہن اور استسقاء
13. نفل نماز
14. مسافر کی نماز
15. مساجد کے احکامات

اسلام میں نماز کا مرتبہ و مقام

162- اللہ تعالیٰ کو سب سے پسندیدہ عمل نماز ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« الصلاة علی وقتها » ''وقت پر نماز ادا کرنا۔''

میں نے کہا: پھر کونسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« بر الوالدین » ''والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔''

میں نے کہا: پھر کونسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« الجهاد في سبیل الله » ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

فرماتے ہیں: ''اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید سوال کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتاتے جاتے۔''[1] (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/132)

163- فریضۂ نماز اور قبل از ہجرت طریقۂ ادائیگی

نماز معراج والی رات فرض کی گئی۔ مؤرخین کا تاریخِ معراج میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق ہجرت سے تین سال پہلے معراج ہوئی اور دوسرا قول ڈیڑھ سال قبل از ہجرت کا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے بھی پہلے معراج ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بلند جگہ پر، جو کہ ساتواں آسمان ہے، پہنچے تھے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [527] صحیح مسلم [85/139]

اور وہاں پچاس نمازیں فرض کی گئیں جو ادائیگی کے اعتبار سے پانچ کر دی گئیں، لیکن ان کا اجر اور ثواب پچاس ہی کا ہے۔ رہی یہ بات کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے پڑھتے تھے، جبکہ قبل از ہجرت وہاں مسجد بھی کوئی نہیں تھی؟ یہ غلط بات ہے۔ وہاں کئی مسجدیں تھیں، وہاں سب سے بڑی مسجد مسجدِ حرام تھی۔ لوگ وہاں جاتے اور نماز ادا کرتے تھے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/132)

164- تارکِ نماز کا حکم

جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا اگر نماز کا انکاری بھی ہے تو وہ بالاجماع کافر ہے، اور اگر سستی و کاہلی کی بنا پر نماز چھوڑتا ہے تو بھی صحیح قول کے مطابق کافر ہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر»[1]

''وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے وہ نماز ہے، جس نے اسے چھوڑا وہ کافر ہوگیا۔''

نیز فرمایا:

«بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة»[2]

''آدمی کے درمیان اور شرک و کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔''

اس کی اور بھی دلیلیں بہت زیادہ ہیں۔

165- جو ترکِ نماز سے تائب ہوگیا؟

جو شخص ترکِ نماز سے تائب ہو جائے اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف

❶ صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [463] سنن ابن ماجه، برقم [1079]

❷ صحيح مسلم [82/134]

ہے۔ آیا وہ قضا دے گا کہ نہیں؟ میرے نزدیک راجح موقف شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ والا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی حتی کہ وقت ختم ہوگیا، اب قضاء اسے فائدہ نہیں دے گی۔ اس لیے کہ ایسی عبادت جس کا وقت مقرر ہے، اسے مقرر وقت میں ادا کرنا ضروری ہے۔ جس طرح کہ نماز اس وقت سے پہلے درست نہیں، اس کے بعد بھی درست نہیں، کیونکہ حدودِ الٰہیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ نماز کو شارع نے ہم پر ایک خاص وقت میں فرض کیا ہے۔ اگر نماز ایسی جگہ پڑھی جائے جو شرعاً نماز والی جگہ نہیں تو وہ نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر نماز ایسے وقت میں ادا کی جائے جو اس کا وقت نہیں تو بھی نماز درست نہیں ہوگی، لیکن تارک نماز کو چاہیے کہ بہت زیادہ توبہ واستغفار کرے اور اعمال صالحہ بجا لائے۔ اس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی چھوڑی ہوئی نمازیں معاف فرما دیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 54)

166- میاں بیوی میں سے کوئی ایک نماز نہیں پڑھتا تو کیا ان کا نکاح ہوسکتا ہے؟

جب یہ معلوم ہو کہ دونوں میں سے ایک نماز نہیں پڑھتا تو نمازی کے ساتھ اس کا نکاح نہ کیا جائے کیونکہ ترکِ نماز کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« بين الرجل وبين الكفر والشرك ترك الصلاة »[1]

”آدمی کے درمیان اور کفر و شرک کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔“

اور فرمایا:

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [82/134]

《العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة فمن تركها فقد كفر》[1]

''ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان نماز کا عہد ہے، جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔''

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے حالات درست فرما دے اور گم گشتۂ منزل کو راہ پر ڈال دے، یقیناً وہ سننے والا اور قریب ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 369/8)

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [463] سنن ابن ماجه، برقم [1079]

اذان اور اقامت

167- ایک آدمی مسجد میں داخل ہوتا ہے اور مؤذن اذان کہہ رہا ہوتا ہے

اگر مؤذن جمعہ کی دوسری اذان کے علاوہ کوئی اور اذان کہہ رہا ہو اور آدمی مسجد میں داخل ہو تو پہلے اذان کا جواب دے گا، پھر اذان کے بعد والی مشہور دعا پڑھے گا، اور پھر تحیۃ المسجد ادا کرے گا۔ اور اگر وہ ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوتا ہے کہ مؤذن جمعہ کی دوسری اذان کہہ رہا تھا تو اب مؤذن کا جواب دینے کی بجائے تحیۃ المسجد پڑھے گا تاکہ خطبہ سننے کے لیے فارغ ہوجائے کیونکہ خطبہ سننا واجب ہے اور مؤذن کا جواب دینا سنت ہے۔ جب واجب اور سنت میں تعارض ہوجائے تو واجب لازماً مقدم ہوگا۔ سو ہم کہتے ہیں کہ جب آپ جمعہ والے دن مسجد میں آئیں اور مؤذن دوسری اذان کہہ رہا ہو تو پہلے تحیۃ المسجد پڑھیں تاکہ خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پہلے آپ نماز سے فارغ ہوجائیں یا خطبہ شروع ہونے کے بعد جلد ہی فارغ ہوجائیں۔

(ابن باز: نور علی الدرب: 24/125)

168- "حي علی الصلاۃ" کے وقت مؤذن کا گھومنا

جو مؤذن لاؤڈ سپیکر میں اذان نہیں کہتا اس کے لیے مشروع ہے کہ "حي علی الصلاۃ" کہتے وقت قدموں کو جماتے ہوئے گھوم جائے کیونکہ

رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ کا مؤذن ایسا ہی کرتا تھا، اور اس لیے بھی کہ دور والوں کو اذان کی آواز پہنچانے کا یہ ایک مؤثر طریقہ ہے۔

(اللجنة الدائمة: 9854)

169- فجر کی اذان میں "الصلاة خير من النوم" کا اضافہ

اس مسئلہ کی احادیث کو بعض علماءِ جرح و تعدیل نے ضعیف اور بعض نے صحیح قرار دیا ہے۔ پھر کچھ روایات میں ہے کہ یہ "الصلاة خير من النوم" پہلی اذان میں ہے، اور بعض میں ہے کہ دوسری اذان میں ہے۔ طبرانی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پہلی اذان میں "حي على الصلاة ، حي على الفلاح" کے بعد دو مرتبہ "الصلاة خير من النوم" کہا جاتا تھا۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو "حسن" اور یعمری رحمہ اللہ نے "صحیح" کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ، دارقطنی اور بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ "سنت میں سے ہے کہ مؤذن جب فجر میں "حي على الفلاح" کہے تو "الصلاة خير من النوم" بھی کہے۔[2]

یعمری نے کہا کہ اس کی سند "صحیح" ہے۔ امام بقی بن مخلد نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن عبدالحمید نے، انھیں ابوبکر بن عیاش نے، انھیں عبدالعزیز بن رفیع نے بیان کیا کہ میں نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: میں چھوٹا سا تھا جب میں نے حنین کے دن فجر کی اذان کہی۔ جب میں "حي على الفلاح" تک

[1] سنن البهيقي، رقم الحديث [1837]

[2] سنن البيهقي، رقم الحديث [1835]

پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الحق فیھا الصلاۃ خیر من النوم" "اس میں "الصلاۃ خیر من النوم" بھی ملا لو۔"[1]

اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے دوسری سند سے بیان کیا ہے، جسے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے "صحیح" کہا ہے۔

ممکن ہے کہ جن احادیث میں تثویب کے پہلی اذان میں ہونے کا ذکر ہے اور جن میں دوسری میں ہونے کا ذکر ہے اس طرح تطبیق دی جائے کہ شروع شروع میں یہ عمل پہلی اذان میں تھا اور بعدازاں دوسری اذان میں شروع ہوگیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اذان میں تثویب کا ذکر کرنے سے یہ واضح کرنا مقصود ہو کہ یہ اقامت میں مشروع نہیں ہے۔ اس لیے کہ اقامت کو بھی دوسری اذان کہا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

« بین کل أذانین صلاۃ »[2] "ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔"

سنن ابی داود میں موجود حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی رہنمائی کرتی ہے، پہلی اذان سے مراد فجر کی دوسری اذان ہے۔ اس کو پہلی اس لیے کہا گیا ہے تاکہ اذان اور اقامت کے مابین فرق کیا جا سکے۔ (اللجنة الدائمة: 1396)

170- اذان کے لیے وضو

بے وضو اور بے غسل دونوں کی اذان درست ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ وہ دونوں طہارتیں حاصل کر کے اذان کہے۔ (اللجنة الدائمة: 8966)

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [500]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [624] صحیح مسلم [838/304]

171- جماعت کے بعد نماز پڑھنے والے پر اذان لازم نہیں

اس نمازی کے لیے مسجد کے مؤذن کی اذان کافی ہے، اس لیے کہ اذان فرض کفایہ ہے۔ جب بعض نے سرانجام دے لیا تو دیگر لوگوں سے ساقط ہوگیا۔ اس بنا پر محض اقامت کہہ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ (اللجنة الدائمة : 565)

172- اذان میں ''حي على خير العمل'' کہنا

دیگر عبادات کی طرح اذان بھی ایک عبادت ہے۔ عبادات کا اصول ہے کہ ان میں توقف اختیار کیا جائے، کسی بھی عمل کو مشروع قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ کتاب یا سنت یا اجماع سے اس کی دلیل نہ مل جائے۔ اس عبادت کو مشروع قرار دینا جبکہ اس کی کوئی دلیل نہیں، اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کرنا ہے جو لاعلمی پر مبنی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الأعراف: 33]

''کہہ دے میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ [الإسراء: 36]

''اور اس چیز کا پیچھا نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ»❶

''جس نے ہمارے اس دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ کیا جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»❷

''جس نے ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔''

واضح رہے کہ شرعی اذان جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اس کے پندرہ کلمات ہیں:

"ألله أكبر، ألله أكبر، ألله أكبر، ألله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمداً رسول الله، أشهد أن محمداً رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، ألله أكبر، ألله أكبر، لا إله إلا الله"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہی اذان کہنے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ اصحابِ سنن و مسانید نے ذکر کیا ہے۔❸ سوائے اذانِ فجر کے، اس میں "حي على الفلاح" کے بعد "الصلاة خير من النوم" کہنا مشروع ہے۔❹ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق بھی ہے۔

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

❸ **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [499]

❹ **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [500]

لیکن صبح کی اذان میں مؤذن کا "حي علی خير العمل" کہنا ثابت نہیں ہے، نہ ہی اہل سنت نے اس پر عمل کیا ہے۔ یہ رافضیوں کی بدعات میں سے ہے۔ جو ایسا کرے گا اس کو بقدرِ استطاعت و امکان روکا جائے گا تا کہ اذان میں اس غیر مشروع اضافہ کا رواج نہ ہو سکے۔ (اللجنة الدائمة: 220)

173- اذان میں غلطی کرنا اور لمبی پڑھنا

مؤذن کو چاہیے کہ اذان کے الفاظ میں غلطی نہ کرے، اعراب درست نہ پڑھنا غلطی ہے، مثلاً وہ کہے: "أشهد أن محمداً رسولَ الله"، "رسول" کے "لام" پر "زبر" پڑھے، حالانکہ یہاں "پیش" پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ "رسول الله" "أن" کی خبر ہے۔ جو مرفوع ہوتی ہے۔ یہاں "زبر" پڑھنا ممنوع ہے، اگرچہ اس غلطی سے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا، نہ ہی اذان کے صحیح ہونے میں رکاوٹ ہے کیونکہ مؤذن کا مقصد یہی ہے کہ محمد ﷺ ہی اللہ کے رسول ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض عرب دونوں معمولوں (اسم و خبر) کو "زبر" دیتے ہیں، لیکن اکثر عرب اسے غلطی ہی کہتے ہیں۔ رہا لمبا کر کے پڑھنا اور الفاظِ اذان کو ادائیگی کے وقت طول دینا تو یہ اذان و اقامت دونوں میں مکروہ ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 340/10)

174- نمازِ فجر کے لیے پہلی اذان کا حکم

پہلی اذان مستحب ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إن بلالا يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن أم مكتوم» [1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [603] صحيح مسلم [378/3]

”بلال رات کو اذان کہتا ہے سو تم کھاؤ اور پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان کہے۔“

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے، وہ اس وقت تک اذان نہیں کہتے تھے جب تک انھیں اطلاع نہ دی جاتی کہ صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔

اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کے عمل پر برقرار رکھا اور اس کی حکمت یہ بیان کی:

«إن بلالا يؤذن بليل ليوقظ نائمكم ويرجع قائمكم»[1]

”بلال رات کو اذان کہتا ہے تاکہ سونے والا بیدار ہو جائے اور قیام کرنے والا واپس لوٹ آئے۔“

درمیانے وقت کی حد بندی نہیں ہے لیکن افضل یہ ہے کہ پہلی اذان دوسری اذان کے قریب قریب ہو۔ بعض روایات میں راوی کا یہ قول بھی ہے کہ ان دونوں کی اذان میں صرف اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ ایک چڑھتا تھا اور دوسرا اترتا تھا۔[2] مطلب یہ کہ ان کے درمیان وقت طویل نہیں ہوتا تھا۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 341/10)

175- ”حي على الصلاة“ اور ”حي على الفلاح“ کے جواب میں ”لا حول ولا قوة إلا بالله“ کہنے کی حکمت

یہ ہے کہ بندہ کمزور ہے، اس میں طاقت نہیں کہ ایک حالت سے دوسری میں چلا جائے ماسوائے اللہ کی توفیق کے۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے

---

1. صحیح البخاري، رقم الحدیث [6117] سنن النسائي، رقم الحدیث [641]
2. صحیح مسلم [1092/38]

لیے جانا بھی اسی قبیل سے ہے، اس کے لیے نہ تو وہ پھر سکتا ہے اور نہ اس کو قوت ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔ سو وہ اپنا عجز وضعف بیان کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس آواز کا جواب نہیں دے سکتا، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اور "حي علی الصلاة" "حي علی الفلاح" کے وقت "لاحول ولا قوة إلا باللّٰه" کہتا ہے، اس بارے صحیح مسلم میں حدیث موجود ہے۔ [1]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 245/10)

176- منفرد کے لیے اذان اور اقامت کا حکم

سنت یہی ہے کہ وہ اذان اور اقامت کا اہتمام کرے، البتہ وجوب کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، لیکن زیادہ مناسب ہے کہ آپ اذان اور اقامت کہیں کیونکہ دلائل کا عموم اسی کا متقاضی ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ بقدرِ امکان جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، اگر آپ کو جماعت مل جائے یا قریبی مسجد میں اذان ہو تو مؤذن کا جواب اور جماعت سے ملنا واجب ہے، اگر آپ نے اذان نہیں سنی اور نہ ہی قریب قریب کوئی مسجد ہے تو خود ہی اذان اور اقامت کہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی سے کہا: جب تو اپنی بکریوں اور دیہات میں ہو تو بلند آواز سے اذان کہہ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«لا يسمع مدیٰ صوت المؤذن شجر ولا حجر ولا شيء إلا شهد له يوم القيامة» [2]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [385]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [3296] لیکن اس میں درخت اور پتھر کی بجائے "جن وانس" کا ذکر ہے۔

’’موذن کی اذان کی بازگشت جو درخت اور پتھر بھی سنتا ہے روزِ قیامت اس کے حق میں گواہی دے گا۔‘‘

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 351/10)

177- نماز اور اقامت کے درمیان بات کرنے کا حکم

اقامت کے بعد اور نماز کی تکبیر تحریمہ سے پہلے بات چیت اگر تو نماز کے متعلق ہو جیسا کہ صفوں کو درست کرنا وغیرہ تو یہ مشروع ہے اور اگر نماز سے متعلق نہیں تو اس سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ اسی میں نماز کی تعظیم اور اہتمام ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 359/10)

178- نماز پڑھ لی اور اقامت کہنا بھول گئے

منفرد ہو یا جماعت اگر بغیر اقامت کے نماز پڑھ لیں تو نماز صحیح ہے، بھول چوک کی معافی مانگیں۔ اسی طرح اگر بغیر اذان کہے نماز پڑھ لیں تو پھر بھی نماز صحیح ہے، اس لیے کہ اذان اور اقامت فرض کفایہ ہیں۔ اصل نماز سے ان کا تعلق نہیں ہے، اور جو شخص اقامت اور اذان کو چھوڑے وہ توبہ کرے، اس لیے کہ فرضِ کفایہ کو چھوڑنے کی وجہ سے سب گنہگار ہوتے ہیں، اور اگر کچھ لوگ ادا کرلیں تو باقی سے فریضہ ساقط ہوجاتا ہے۔ اذان اور اقامت بھی اسی قبیل سے ہیں۔ اگر کچھ لوگ ان کا اہتمام کرلیں تو باقی لوگوں سے وجوب اور گناہ دونوں ساقط ہوجائیں گے، چاہے وہ سفر میں ہوں یا حضر میں، اور چاہے بستیوں، شہروں اور جنگلوں میں ہوں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 359/10)

179- اذان کے بعد "اللهم رب هذه الدعوة التامة... الخ" اور اقامت میں "أقامها الله و أدامها" کہنا

جب اذان ختم ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے:

« اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّة والصَّلٰوةِ الْقَائِمَة، آتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّه »[1]

"اے اللہ! اس مکمل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے رب، محمد ﷺ کو مقامِ وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انھیں اسی مقام محمود سے سرفراز کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"

صحیح بخاری میں اسی طرح ہے۔ اور اذان کو سننے والا بھی اسی طرح جواب دے گا۔ حدیث پاک ہے:

« إذ سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول المؤذن »[2]

"جب تم مؤذن کو سنو تو کہو جیسا کہ وہ کہہ رہا ہے۔"

اور اگر "إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَاد" کا اضافہ کرے تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ بیہقی میں یہ ثابت ہے۔[3] اقامت کے بعد بھی یہی دعا پڑھی جائے اس لیے کہ وہ بھی دوسری اذان ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« بين كل أذانين صلاة »[4] "ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔"

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [614]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [614]

[3] سنن البيهقي [410/1]

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث [624] صحيح مسلم [838/304]

رہا: "أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا" کا جملہ تو اس بارے ایک ضعیف حدیث ہے۔ [1] افضل یہی ہے کہ "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کے جواب میں "قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰةُ" ہی کہا جائے، اس لیے کہ "أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا" ثابت نہیں ہے اور سننے والا وہی کہے گا جو موذن کہہ رہا ہے، جیسا کہ اوپر حدیث گزری ہے، اور فجر کی اذان میں "الصلوة خير من النوم" کے جواب میں "الصلوة خير من النوم" ہی کہے گا اور "حي على الصلاة، حي على الفلاح" کے جواب میں "لا حول ولا قوة إلا بالله" ہی کہے گا، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ [2]

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 364/10)

180- اذان کے بعد مؤذن کا "اللهم صلى على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين" کہنا

اس جگہ تفصیل ہے۔ اگر مؤذن یہ الفاظ آہستہ آواز سے کہے تو مؤذن اور غیر مؤذن دونوں کے لیے جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل الله لي الوسيلة حلت له الشفاعة.» [3]

"جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے۔ پھر

[1] ضعيف. سنن أبي داود، رقم الحديث [528]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [385]

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث [384]

مجھ پر درود بھیجو۔ جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کریں گے۔ پھر میرے لیے وسیلے کا سوال کرو، یہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو عطا کرے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جس نے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کیا، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔''

یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ اور صحیح بخاری میں ہے:

« من قال حين يسمع النداء: اَللّٰهُمَّ! رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّة والصَّلٰوةِ الْقَآئِمَة، آتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّه، حلت له شفاعتي يوم القيامة »[1]

''جس نے مؤذن کی آواز سن کر کہا: اے اللہ! اے اس مکمل پکار اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمد ﷺ کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انھیں اسی مقام محمود سے سرفراز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے تو اس کے لیے میری سفارش حلال ہو جاتی ہے۔''

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 362/10)

181- بغیر اذان یا بغیر اقامت کے نماز کا حکم

اذان اور اقامت جماعت پر واجب ہیں۔ اگر کوئی بھی نہ کہے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ اگر پورے شہر میں کسی جگہ اذان کہی گئی اور انھوں نے سُن لی تو وہ سب علاقہ والوں کو کافی ہے لیکن نماز کے وقت اپنی اپنی جگہ اقامت

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [589]

کہنا جماعت پر واجب ہے۔ اذان و اقامت نماز کے لیے واجب ہیں نہ کہ نماز میں واجب ہیں۔ اس لیے کہ اگر یہ جماعت انھیں ترک کرتی ہے تو نماز ان کی صحیح ہوگی لیکن وہ گنہگار ہوں گے، کیونکہ یہ واجب خارج از نماز ہے۔ یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کون سا واجب نماز کے لیے ہے اور کونسا نماز میں ہے؟ اس لیے جماعت کی نماز کے بارے راجح قول یہی ہے کہ وہ بھی نماز کے لیے واجب ہے اور انسان اگر بلا عذر بغیر جماعت کے نماز پڑھ لے تو گنہگار ہوگا، لیکن نماز درست ہوگی، بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ جس نے بلا عذر نماز باجماعت چھوڑی وہ گنہگار ہے اور اس کی نماز بھی درست نہیں ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/125)

182- غیر قبلہ جہت کی طرف منہ کر کے اذان پڑھنا

اذان کہتے وقت قبلہ جانب منہ کرنا سنت ہے، صحتِ اذان کے لیے شرط نہیں ہے۔ اگر دائیں بائیں منہ کر کے اذان کہے یا قبلہ کے عکس سمت منہ کرے تو اذان صحیح ہوگی، لیکن ایسا کرنا مناسب نہیں۔ اس لیے کہ اذان ذکر و دعا اور نماز کی پکار ہے، اور اس میں منہ قبلہ جانب ہی ہونا چاہیے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/125)

نماز کا طریقہ

183- نماز سے پہلے زبان کے ساتھ نیت کرنا

یہ بدعت ہے۔ اس لیے کہ یہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ سے منقول نہیں۔ اسے چھوڑنا واجب ہے کیونکہ نیت کی جگہ دل ہی ہے۔ زبان سے نیت کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 424/10)

184- نماز کا طریقہ

بندہ نماز کے لیے پورے وقار اور سکون سے تعظیم الٰہی بجا لاتے ہوئے آئے اور اس کے لیے پوری تیاری کرے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف: 31]

''ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔''

پہلے مسواک کرے۔ پھر قبلہ جانب منہ کر کے اللہ اکبر کہے۔ یہی تکبیر تحریمہ ہے اور صرف اسی سے نماز شروع کر سکتا ہے۔ پھر دعاءِ استفتاح پڑھے۔ یہ دو دعائیں ہیں۔ پہلی یہ ہے:

« اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ

وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ» ❶

''اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دوری ڈال دے، جس طرح مشرق اور مغرب کے درمیان تو نے دوری ڈالی ہے۔ الٰہی! مجھے خطاؤں سے پاک صاف کر دے، جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ الٰہی! میری خطاؤں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔''

دوسری دعا یہ ہے:

« سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ» ❷

''پاک ہے تو اے اللہ! اپنی حمد کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے اور تیری بزرگی بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

کبھی یہ دعا پڑھے اور کبھی پہلی، تاکہ دونوں سنتوں پر عمل ہوتا رہے۔ پھر "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ" پڑھے اور مکمل سورۂ فاتحہ پڑھے، اس طرح کہ ہر ہر آیت کے بعد وقف کرے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [744] صحيح مسلم [598/147]

❷ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [766] سنن الترمذي، برقم [243]

ہے۔ بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ بدلے کے دن کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔"

پھر آمین کہے۔ پھر کوئی سورت پڑھے۔ فجر میں طوال مفصل سے اور مغرب میں قصارِ مفصل میں سے۔ اور ظہر، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل میں سے۔ طوالِ مفصل سورۂ قٓ سے سورۂ نبأ تک۔ قصارِ مفصل سورۃ الضحٰی سے آخر تک اور اوساطِ مفصل سورۂ نبأ سے سورۂ الضحٰی تک ہے۔ اکثر طور پر نمازوں میں یہی قراءت ہونی چاہیے اور مغرب میں بسا اوقات طوال مفصل کی قراءت بھی جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ مغرب میں سورۃ الطّور اور سورۃ المرسلات پڑھیں، پھر رکوع کرے اور رکوع کے لیے جھکتے وقت اللہ اکبر کہے، اپنی کمر کو بچھا دے، سر کو برابر رکھے نہ اوپر اور نہ نیچے۔ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں کھلی ہوں اور بازو پہلوؤں سے جدا ہوں: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" پڑھے اور تکرار سے پڑھے۔

اس کے ساتھ ساتھ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" پڑھے، بلکہ "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" بھی پڑھے۔ پھر سر اٹھاتے ہوئے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" پڑھے اور جب مکمل کھڑا ہو جائے تو کہے:

"رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءَ الْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ، وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ، لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں چلا جائے اور سات ہڈیوں پر سجدہ کرے، پیشانی، اس میں ناک بھی شامل ہے، دونوں ہتھیلیاں، گھٹنے اور پاؤں کے کنارے۔ پیٹھ کو اٹھا کر رکھے، بازو پہلوؤں سے جدا رکھے، ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ جانب رکھے اور بار بار "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" کہے۔ نیز "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" اور "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ" بھی پڑھے۔ کثرت سے دعا کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« أَلَا! وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعاً أَوْ سَاجِدًا، فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَأَكْثِرُوا فِيهِ مِنَ الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ »[1]

"خبردار! مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ پس رکوع میں تم اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں کثرت سے دعا کرو۔ امید ہے کہ تمھاری دعا قبول کر لی جائے۔"

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

« أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد »[2]

"بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔"

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر سجدہ سے اٹھائے اور بحالت "افتراش" بیٹھ جائے۔ "افتراش" یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر لے اور بائیں کے نچلے حصہ پر بیٹھ جائے، اور اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے اور کہے:

---

[1] صحیح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [898]

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث [482]

«رَبِّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَاجْبُرْنِي وَارْزُقْنِي» ❶

پھر پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ کرے، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور اسی طرح کرے جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔ اب دوبارہ "أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" پڑھے یا کہ پہلی رکعت والے استعاذہ پر ہی قناعت کر لے؟

علماء کے دو اقوال ہیں: اگر پڑھ لے درست ہے، اور نہ پڑھے تو پھر بھی درست ہے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھے اور ساتھ کوئی سورت پڑھے۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دوسری رکعت میں پہلی سے قراء ت، رکوع اور سجود میں کم ہونی چاہیے۔ جب دو رکعتیں پوری کر لے تو بحالت "افتراش" بیٹھ جائے جس طرح دو سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا، اور مندرجہ ذیل تشہد پڑھے:

«أَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» ❷

اگر نماز دو رکعتی ہے جیسا کہ نمازِ فجر ہے تو تشہد پورا کر لے اور کہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ» ❸

---

❶ سنن أبي داود، رقم الحديث [284]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [6265] صحيح مسلم [402/55]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [3307] صحيح مسلم [406/66]

« أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ » ❶

« رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ » ❷

پھر سلام پھیر دے، اور اگر نماز تین یا چار رکعتی ہے تو پہلے تشہد کے بعد کھڑا ہو جائے یعنی جب "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُه" کہہ لے، بعد میں دو رکعتیں پڑھے اور صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے۔ پھر آخری تشہد کے لیے بیٹھ جائے۔ لیکن اب "تورک" کی حالت میں بیٹھے، یعنی دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے اور بائیں کو دائیں جانب سے دائیں پنڈلی کے نیچے سے نکالے۔ پھر پورا تشہد پڑھے، پھر سلام پھیر دے اور فرض نماز میں سلام کے وقت کہے:

"أَسْتَغْفِرُ اللّٰه، أَسْتَغْفِرُ اللّٰه، أَسْتَغْفِرُ اللّٰه، اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام" اور دیگر اذکار پڑھے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ یہ نماز کا وہ طریقہ ہے جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 133 /1)

185- فاتحہ کے بعد امام کے "سکتہ" کا حکم

احادیث میں دو سکتے ثابت ہیں، پہلا تکبیر اولیٰ کے بعد ہے، اسے سکتۂ استفتاح بھی کہتے ہیں، اور دوسرا قراءت کے اختتام پر رکوع سے پہلے ہے، تاکہ قراءت اور رکوع میں فرق کیا جا سکے۔ اسی لیے یہ بہت معمولی ہوتا ہے، خاتمہ کے بعد ایک تیسرا سکتہ بھی بیان کیا گیا ہے لیکن اس بارے وارد شدہ حدیث

❶ صحیح مسلم [288/130]

❷ سنن البيهقي [326/20]

ضعیف ہے۔ اس کی واضح دلیل کوئی نہیں، لہٰذا اسے ترک کرنا افضل ہے، لیکن اسے بدعت قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس بارے میں اہل علم کا اختلاف مشہور ہے، اور جس نے اسے مستحب قرار دیا ہے اس نے شبہ کی بنیاد پر ایسا کیا ہے۔ لہٰذا اس بارے میں شدت اختیار کرنا ناروا ہے۔ اگر بعض احادیث اور اہل علم کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے کسی نے یہ عمل اپنایا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ مقتدی امام کے سکتوں میں قراءت فاتحہ کر لے گا، اگر سکتہ نہ ہو تو امام کی قراءت کے درمیان ہی فاتحہ پڑھے گا، پھر خاموشی سے قراءت سنے گا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لعلكم تقرؤن خلف إمامكم؟ قلنا: نعم، قال: لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها»[1]

''شاید تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو، اس لیے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

اسے امام احمد رحمہ اللہ اور ترمذی رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

یہ جہری نماز کی بات ہے، سرّی نماز میں مقتدی فاتحہ اور اس کے ساتھ جو بھی آسان ہو قرآن مجید کا حصہ پڑھے گا۔ ایسا ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں کرے گا۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 84/11)

186- امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

مقتدی فاتحہ پڑھے گا اگرچہ امام قراءت کر رہا ہو، کیونکہ مقتدی کو یہ حکم

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [823]

دیا گیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

« لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب »❶

''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔''

دوسری حدیث میں ہے:

« لعلكم تقرؤن خلف إمامكم! قلنا: نعم، قال: لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها »❷

''شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو، اس لیے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

لہٰذا مقتدی امام کے سکتوں میں فاتحہ پڑھے اور اگر سکتہ نہ کرے تو امام کی قراءت کے دوران ہی پڑھ لے۔ مذکورہ احادیث قرآن مجید کی آیت ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الأعراف: 204] اور حدیث « فإذا قرأ الإمام فأنصتوا » ''جب امام قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ۔'' کی تخصیص کر دیتی ہیں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ فاتحہ مقتدی سے ساقط ہو جاتی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

« من كان له إمام فقراء ته له قراء ة »❸

''جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔''

لیکن درست بات پہلی ہی ہے کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر صحیح بھی

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [756] صحيح مسلم [394/34]

❷ سنن أبي داود، رقم الحديث [823]

❸ مسند أحمد [339/3]

ہو تو اسے فاتحہ کے علاوہ دوسری قراءت پر محمول کیا جائے گا لیکن اگر مقتدی فاتحہ بھول جائے یا عدم علم کی بنیاد پر نہ پڑھے یا تقلیداً نہ پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ اسی طرح جس نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا، وہ اس کے ساتھ رکوع کرے گا اور اس کی رکعت ہو جائے گی، فاتحہ اس سے ساقط ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو رکوع کی حالت میں پایا اور صف سے پیچھے ہی رکوع کر لیا۔ پھر چلتے ہوئے صف میں شامل ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((زادك الله حرصا و لا تعد))[1]

''اللہ تیری رغبت کو بڑھائے آئندہ ایسا نہ کرنا۔''

اور آپ ﷺ نے انھیں رکعت دُہرانے کا حکم نہیں دیا، اس میں دلیل ہے کہ ان سے فاتحہ قیام نہ ملنے کی وجہ سے رہ گئی تھی، بھولنے والا اور جاہل بھی اسی حکم میں ہیں، ان سے بھی اسی عذر کی وجہ سے فاتحہ ساقط ہو جائے گی۔[2]

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 217/11)

187- فاتحہ دعاءِ استفتاح سے ضروری ہے

سوال: اگر میں نماز میں رکوع سے کچھ دیر پہلے داخل ہوں تو فاتحہ شروع

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [783]

❷ صحیح بات یہی ہے کہ جو شخص رکوع کی حالت میں نماز میں شامل ہو تو اس کی وہ رکعت ادا نہیں ہوتی کیونکہ اس نے نماز کا اہم رکن قراءتِ فاتحہ ادا نہیں کیا۔ اور حضرت ابوبکرہ والی حدیث سے دلیل لینا درست نہیں کیونکہ اس حدیث میں مذکور نہیں کہ انھوں نے گزری ہوئی رکوع والی رکعت نہیں پڑھی تھی، لہٰذا رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ شامل ہونے کے باوجود وہ رکعت ادا نہیں ہوتی اس لیے مقتدی کو وہ رکعت دوبارہ پڑھنی چاہیے اور اسے ہی اگر کوئی بھول کر یا کسی اور وجہ کی بنا پر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا تو اس شخص کی وہ رکعت ادا نہیں ہوتی لہٰذا اسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنی پڑھے گی۔ [مترجم]

کروں یا دعاءِ استفتاح پڑھوں؟ اور اگر امام میرے فاتحہ مکمل کرنے سے پہلے رکوع میں چلا جائے تو کیا کروں؟

جواب: دعاءِ استفتاح سنت ہے جبکہ فاتحہ مقتدی پر فرض ہے۔ اگر تجھے فاتحہ کے رہ جانے کا خدشہ ہو تو پہلے اسے پڑھ لو، اور اگر فاتحہ مکمل کرنے سے پہلے امام رکوع میں چلا جائے تو اس کے ساتھ رکوع کر، باقی فاتحہ تجھ سے ساقط ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إنما جعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه، فإذا كبر فكبروا وإذا ركع فاركعوا»[1]

امام اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔"[2] (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 243/11)

188- دورانِ نماز خالی جگہوں میں کیا کہا جائے؟

رکوع سے اٹھتے وقت امام اور مقتدی دونوں کے لیے مشروع ہے کہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہیں۔ پھر دونوں کہیں:

«رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْداً كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ مِلْءَ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ»[3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [378] صحيح مسلم [411/77]

[2] اگر کسی نمازی کی کسی ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ رہ جائے وہ تو رکعت نہیں ہوتی کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی رکعت اور نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا جس رکعت میں سورۂ فاتحہ رہ جائے مقتدی اٹھ کر وہ رکعت دوبارہ پڑھے گا۔ [مترجم]

[3] صحيح مسلم [471/194]

''بسا اوقات آپ ﷺ اس پر یہ اضافہ بھی کرتے:

« أَهْلَ الثَّنَاءَ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ، لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ » ❶

مقتدی کے لیے رکوع سے اٹھتے وقت مشروع ہے کہ ''ربنا ولك الحمد'' اور پھر مذکورہ ثناء مکمل کرے جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے۔

حمد کے الفاظ چار طرح سے ثابت ہیں:

1. ربنا لك الحمد.
2. ربنا ولك الحمد.
3. اللهم ربنا لك الحمد.
4. اللهم ربنا ولك الحمد.''

سجدہ کے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت سب کے حق میں تکبیر کہنا مشروع ہے، اور سب پر واجب ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ نماز میں کوئی جگہ ایسی نہیں جو ذکر اور دعا سے خالی ہو۔ دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں سب کہیں: ''رَبِّ اغْفِرْلِي، رَبِّ اغْفِرْلِي، رَبِّ اغْفِرْلِي'' تین یا زیادہ مرتبہ، واجب ایک بار ہے اور باقی سنت ہے، جیسا کہ سب رکوع میں کہتے ہیں: ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ'' اور سجدہ میں ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلیٰ'' کہتے ہیں۔ یہ بھی واجب ایک بار ہی ہے اور باقی سنت ہے۔ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا مستحب ہے:

« اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَاجْبُرْنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي »

سجدہ میں بہت زیادہ دعا کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [844] صحيح مسلم [593/137]

«أما الركوع فعظموا فيه الرب، وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء، فقمن أن يستجاب لكم» ❶

”رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں دعا کی خوب کوشش کرو۔ امید ہے کہ تمھاری دعا قبول کر لی جائے۔“

دوسری حدیث میں ہے:

«أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثروا فيه الدعاء» ❷

”بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ بحالتِ سجدہ میں قریب ہوتا ہے لہٰذا اس میں کثرت سے دعا مانگو۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے:

« سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ "» ❸

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 85/11)

189- نماز میں بلند آواز سے ”بسم اللہ“ پڑھنے کا حکم

اس بارے میں علما کا اختلاف ہے، بعض نے جہراً پڑھنا مستحب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مکروہ سمجھتے ہوئے سرًّا پڑھنا مستحب جانا ہے، یہی افضل اور زیادہ راجح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

« صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلف أبي بكر و عمر، وكانوا لا يجهرون ببسم الله الرحمن الرحيم» ❹

---

❶ صحيح مسلم [2696/33]

❷ صحيح مسلم [479/207]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [794] صحيح مسلم [484/217]

❹ صحيح مسلم [399/50]

''میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اونچی آواز سے نہیں پڑھا کرتے تھے۔''

اس کے ہم معنی مزید احادیث بھی ہیں، کچھ احادیث ہیں جن میں بسم اللہ کے جہراً پڑھنے کا ذکر ہے لیکن وہ سب ضعیف ہیں۔ ہمیں اس بارے کسی صحیح اور صریح حدیث کا علم نہیں، لیکن معاملے میں وسعت اور آسانی ہے، جھگڑے میں نہیں پڑھنا چاہیے۔ اگر امام بسا اوقات بآوازِ بلند بسم اللہ پڑھ لے تاکہ مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ امام صاحب اسے پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں لیکن افضل سِرّاً پڑھنا ہی ہے کیونکہ احادیثِ صحیحہ میں ایسے ہی ہے۔ [1]

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 119/11)

190- مغرب و عشاء میں تلاوت اونچی اور باقی نمازوں میں آہستہ ہوتی ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

ان جگہوں پر جہری قراءت کی حکمت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہمیں سمجھ یہ آتا ہے کہ لوگ رات کے وقت اور فجر میں جہری قراءت سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ ان اوقات میں ظہر و عصر کی نسبت مصروفیات کم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 122/11)

191- فرض اور نفلی نماز میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا

فرض میں نہیں پڑھ سکتا کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں، البتہ نفلی

---

[1] سنن النسائي [905] کی صحیح حدیث کی روشنی میں امام کے لیے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ [مترجم]

نماز میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ آپ ﷺ تہجد میں ہر تسبیح والی آیت پر وقف کرتے اور تسبیح پڑھتے اور ہر تعوذ والی آیت پر تعوذ کرتے، اور ہر سوال والی آیت کے بعد اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 201/11)

192- نماز میں ہاتھ چھوڑنے کا حکم

نبی کریم ﷺ سے نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنا ثابت ہے، رکوع سے اٹھنے کے بعد کی حالت بھی قیام کی ہے، اس میں بھی ہاتھ باندھنا مشروع ہے۔ نماز میں ہاتھ چھوڑنا مکروہ ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ خلافِ سنت ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« كانوا يؤمرون أن يضع الرجل يده اليمنى على ذراعه اليسرىٰ في الصلاة »[1]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی اپنا دائیاں ہاتھ نماز میں بائیں بازو پر رکھے۔"

ابو حازم کہتے ہیں: مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ یہ بات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔

یہ صحیح حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ نماز میں بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑنا مشروع ہے، اور سنت صحیحہ سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ نمازی کے لیے بحالتِ رکوع ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا مشروع ہے، سجدہ میں کندھوں یا کانوں کے برابر رکھنا مشروع ہے اور جلوس میں رانوں اور گھٹنوں پر رکھنا ثابت ہے، باقی صرف قیام کی حالت رہ گئی تھی، سو معلوم ہو گیا کہ بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑنا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [740]

بحالتِ قیام رکوع سے پہلے اور بعد مشروع ہے، اس لیے کہ حدیث دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ اس کی تائید وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی کر رہی ہے:

« رأيت النبي صلى الله عليه وسلم إذا كان قائما في الصلوة يضع يده اليمنىٰ على كفه اليسرى » ❶

''میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ ﷺ نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنا دائیاں ہاتھ بائیں ہتھیلی پر رکھتے۔''

اور یہ رکوع سے پہلے قیام کو بھی شامل ہے اور بعد والے کو بھی۔ جو بعد از رکوع ہاتھوں کو چھوڑنے کا قائل ہے اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے، بلکہ یہ صریحاً خلافِ سنت ہے۔ افضل یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے پر باندھا جائے، اس لیے کہ حضرت وائل بن حجر اور ہالب طائی رضی اللہ عنہما نے حسن سند کے ساتھ اسی طرح بیان کیا ہے اور اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہاتھوں کے زیرِ ناف باندھنے کا ذکر ہے جو اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔

ہماری گزارشات سے یہ واضح ہوگیا کہ ہاتھوں کو چھوڑنا مسلمان کے اسلام میں کوئی عیب پیدا نہیں کرتا نہ ہی اس کے ذبیحہ کو کھانے میں کوئی نقص واقع ہوتا ہے، لیکن یہ مکروہ اور خلافِ سنت ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ سب کو دین کی سمجھ اور اس پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 144/11)

193- نماز میں بھول کر کلام کرنے کا حکم

جب ایک مسلمان نماز میں بھول کر یا لاعلمی کی بنا پر کلام کرے تو اس کی

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [727]

نماز باطل نہیں ہوگی، نماز چاہے فرض ہو یا نفل۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرة: 286]

''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ''قد فعلتُ'' ''میں نے معاف کر دیا۔''[1]

اور حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے حکم شرعی سے عدم واقفیت کے نتیجہ میں نماز میں چھینک مارنے والے کا جواب دے دیا، ساتھ والوں نے اسے اشارے سے روکا، جب انھوں نے اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انھیں نماز دُہرانے کا حکم نہیں دیا۔[2]

بھولنے والا جاہل کی مانند ہے، بلکہ اس سے بھی آگے ہے، نبی کریم ﷺ نے خود نماز میں کلام کیا ہے، آپ ﷺ بھول گئے تھے لیکن نماز کو دہرایا نہیں بلکہ مکمل کر لیا، حضرت عمران بن حصین، ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی صحیح احادیث میں یہ منقول ہے۔ رہا نماز میں اشارہ کرنا تو ضرورت کے تحت اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 157/11)

194- تشہد میں سبابہ (شہادت والی انگلی) کو حرکت دینے کا مسئلہ

تشہد میں نمازی کے لیے مسنون یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ساری انگلیاں بند رکھے اور سبابہ کے ساتھ اشارہ کرے اور دعا کے وقت اسے حرکت دے، ہلکی سی حرکت دے جو توحید کے لیے اشارہ ہے۔ اگر چاہے تو چھنگلی اور اس کے

[1] صحیح مسلم [126/200]

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث [537]

ساتھ والی انگلی کو بند کر لے اور انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنائے اور سبابہ کے ساتھ اشارہ کرے۔ دونوں طریقے مسنون ہیں اور دائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے اور انگلیاں کشادہ اور پھیلاتے ہوئے ان کا رُخ قبلہ جانب کر دے، اگر چاہے تو گھٹنے پر رکھ لے، دونوں طرح سنت سے ثابت ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 185/11)

195- "دُبُر الصلاۃ" سے کیا مراد ہے؟

"دُبُر الصلاۃ" کا لفظ نماز کے اختتام پر بولا جاتا ہے، سلام پھیرنے سے پہلے پہلے، اسی طرح سلام پھیرنے کے متصل بعد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں، اکثر و بیشتر میں اس سے مراد سلام پھیرنے سے پہلے نماز کا انتہائی وقت مراد ہے، جو دعا سے متعلق ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد سکھلایا تو فرمایا:

《 ثم ليتخير من الدعاء أعجبه إليه فيدعو 》[1]

"پھر جو بھی دعا پسند ہو مانگ لے۔"

یہ الفاظ بھی ہیں کہ "پھر جو سوال بھی کرنا چاہے کر لے۔"

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا:

《 لا تدعن دبر كل صلاة أن تقول: اَللّٰهُمَّ! أَعِنِّي عَلىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ 》[2]

"تو ہر نماز کے آخر میں یہ کہنا مت بھولنا کہ اے اللہ! اپنے ذکر،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [835] صحيح مسلم [402/55]

[2] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [522]

اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« كان النبي ﷺ يقول دبر كل صلاة: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» ❶

"نبی کریم ﷺ ہر نماز کے اختتام پر فرماتے: اے اللہ! میں کنجوسی، بزدلی اور ذلیل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور دنیا کے فتنے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

اس بارے اذکار بھی ہیں۔ صحیح احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد یہ اذکار کیا کرتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے:

« أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

یہ ذکر امام، مقتدی اور منفرد سب کہیں گے:

« لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»

ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے مستحب ہے کہ نماز پنجگانہ کے بعد یہ

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [2822]

ذکر کرے۔ پھر سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اور اَللّٰہُ أَکْبَرُ تینتیس تینتیس بار کہے اور سو پورا کرنے کے لیے کہے:

« لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ »

اس کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا مستحب ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور معوذتین سرّا ایک بار پڑھے، لیکن مغرب اور فجر کے بعد تین تین بار پڑھے۔

مسلمان مرد و زن کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ فجر اور مغرب کے بعد پڑھیں:

« لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ » یہ کلمات دس بار پڑھے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 194/11)

196- نماز کے بعد مصافحہ کا حکم

اصل یہ ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو مصافحہ کریں، نبی کریم ﷺ جب صحابہ سے ملتے تو مصافحہ کرتے، اسی طرح وہ بھی آپس میں ملتے وقت مصافحہ کرتے۔ امام شعبی رحمہ اللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جب باہم ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو نبی ﷺ کے حلقہ سے اٹھے اور ان سے مصافحہ کیا اور انھیں توبہ کی مبارک باد دی۔[1]

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی یہ عمل مشہور تھا۔

حدیث بھی ہے:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4418] صحيح مسلم [2769/53]

« ما من مسلمين يتلاقيان فيتصافحان إلا تحاتت عنهما ذنوبهما كما يتحات عن الشجرة ورقها »[1]

''جو بھی دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں، ان کے گناہ جھاڑ دیے جاتے ہیں جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔''

مسجد میں اور صف میں مصافحہ کرنا مستحب ہے، اگر نماز سے پہلے مصافحہ نہیں کیا تو بعد میں کر لیں تاکہ سنت پر عمل ہو، نیز محبت و مودت پیدا ہو اور ناراضگی کا خاتمہ ہو، لیکن اگر فرض نماز سے پہلے مصافحہ نہیں کیا تو نماز کے بعد اذکار سے فارغ ہو کر مصافحہ کرنا چاہیے۔ لوگوں کا یہ عمل کہ سلام پھیرتے ہی مصافحہ شروع کر دیتے ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ مکروہ ہے، اس لیے کہ نمازی کو اس حالت میں پہلے مسنون اذکار کرنے چاہییں، ہاں اگر نماز نفلی ہو تو سلام پھیرنے کے بعد مصافحہ کر سکتا ہے اور اگر نماز سے پہلے مصافحہ کر چکا ہے تو وہی کافی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 199/11)

197- نماز کے بعد سری اور جہری تسبیح

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ فرض نماز سے فارغ ہوتے وقت ذکر با آواز بلند کیا جاتا تھا، یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایسا ہوتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں جب بلند ذکر سنتا تو سمجھتا کہ اب لوگ نماز سے فارغ ہوئے ہیں۔''[2]

یہ حدیث اور اس کی ہم معنی حدیث ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حدیث مغیرہ بن

[1] الترغيب والترهيب، رقم الحديث [2721]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [841] صحيح مسلم [583/122]

شعبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دلالت کرتی ہیں کہ فرضی نماز سے فارغ ہوتے وقت بآواز بلند ذکر مشروع ہے۔ اس طرح کہ جو لوگ مسجد کے دروازے پر یا مسجد کے اردگرد ہیں اسے سُن لیں اور انھیں اختتام نماز کا پتہ چل جائے، اور اگر پاس کوئی نماز پوری کر رہا ہے تو ذرا آہستہ ذکر کرے تاکہ اس کے لیے تشویش پیدا نہ ہو۔ اس کے دیگر دلائل موجود ہیں۔ نماز سے فارغ ہوتے وقت بآوازِ بلند ذکر کرنے کے بہت زیادہ فوائد ہیں۔ ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی تعریف وثنا کا اظہار ہے کیونکہ اس نے فرض ادا کرنے کی ہمت وتوفیق سے نوازا ہے۔ اسی طرح یہ جاہل کو تعلیم دینے اور بھولے ہوئے کو یاد دلانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ اگر یہ اظہار نہ ہوتا تو یہ سنت بہت زیادہ لوگوں سے پوشیدہ رہ جاتی۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 206/11)

198- فرض نماز کے بعد دعا

ہمارے علم کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»[1]

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔"

یہ صحیح مسلم میں ہے۔ اور دوسری حدیث ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد»[2]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

"جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

البتہ ہاتھوں کو اٹھائے بغیر دعا کرنا یا انھیں اکٹھا کیے بغیر دعا کرنا یہ تو ثابت ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے سلام سے پہلے اور بعد میں دعا مانگنا ثابت ہے۔ نفل نماز کے بعد بھی دعا جائز ہے، اس لیے کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ نفل نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر بھی دعا کی جا سکتی ہے، اس لیے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اسبابِ قبولیت میں سے ہے، لیکن یہ عمل ہمیشہ نہ ہو، بلکہ کبھی کبھار ہو۔ اس لیے کہ ہر نفل نماز کے بعد نبی کریم ﷺ سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔ بھلائی ساری کی ساری آپ ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کے طریقہ پر چلنے ہی میں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: 21]

"بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔"

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 167/11)

199- فرض نماز کے بعد اور مسجد سے نکلنے کے بعد "تَقَبَّلَ اللّٰهُ" کہنا

مسجد سے نکلنے والے کے لیے مندرجہ ذیل دعا پڑھنا مشروع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إذا دخل أحدكم المسجد فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وليقل: اَللّٰهُمَّ! افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، وإذا خرج فليقل: اللّٰهُمَّ! إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ»[1]

---

[1] صحيح مسلم [713/68]

''جب تم سے کوئی ایک مسجد میں داخل ہونے لگے تو نبی کریم ﷺ پر سلام پڑھے اور کہے: الٰہی! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے نکلنے لگے تو کہے: یا اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔''

رہا کہنے والے کا ''تَقَبَّلَ اللّٰه'' کہنا، تو یہ خبر ہے جس کا معنی دعا ہے، جو ایک مسلمان اپنے بھائی کے لیے مانگتا ہے کہ اللہ اس کی نماز قبول فرما لے۔ یہ حکم نہیں ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ وہ کہے: اے اللہ ہم سے قبول کر لے یا فلاں کی نماز قبول کرے، یہ دعا ہے حکم نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 12141)

200- نماز میں حرکت کی اقسام

پہلی قسم: واجب حرکت۔
دوسری قسم: مستحب حرکت۔
تیسری قسم: مباح اور جائز حرکت۔
چوتھی قسم: مکروہ حرکت۔ نماز میں حرکت کے متعلق یہی اصل قاعدہ ہے۔
پانچویں قسم: حرام حرکت جو نماز کو باطل کر دیتی ہے۔

واجب حرکت سے مراد وہ حرکت ہے جس پر نماز کی صحت موقوف ہے۔ مثلاً اسے یاد آئے کہ اس کے جوتے یا لباس یا موزے میں نجاست ہے تو اس حالت میں اس پر واجب ہے کہ اس نجاست کو زائل کرے، رومال اور موزے وغیرہ کو اتارے، کیونکہ نماز کی صحت اسی پر موقوف ہے۔ اسی لیے جب جبریل علیہ السلام نے نبی مکرم ﷺ کو مطلع کیا کہ آپ ﷺ کے جوتوں کو گندگی لگی ہے تو نماز میں ہی آپ ﷺ نے جوتے اتار دیے۔ اسی طرح اگر خشکی پر نمازی غیر

قبلہ سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہو، پہلے اس نے اجتہاد بھی کیا ہو، بعد میں ایک انسان آئے اور کہے کہ قبلہ تیری دائیں جانب ہے تو اس پر واجب ہے کہ قبلہ جانب حرکت کرے۔ اس لیے کہ اس حرکت پر نماز کی صحت موقوف ہے۔ اسی طرح اگر صف مکمل ہو جانے کے باعث وہ تنہا صف کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہ صف میں جگہ خالی ہوگئی تو اس پر واجب ہے کہ صف میں مِل جائے، نماز کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے۔ اس کی مثالیں اور بھی ہوسکتی ہیں۔

اس کا ضابطہ اور قانون یہی ہے کہ ہر وہ حرکت جس پر نماز کی صحت موقوف ہے وہ حرکت واجب ہے۔ مستحب حرکت سے مراد ہر وہ حرکت ہے جس پر نماز کی فضیلت اور کمال موقوف ہے، مثلاً صف ملنے کے لیے نمازیوں کا تھوڑی تھوڑی حرکت کرنا تا کہ صف میں شگاف باقی نہ رہے، یہاں حرکت ضروری ہے، یا جیسے دو آدمی امام اور مقتدی نماز شروع کریں، پھر تیسرا بھی آ جائے، یہاں مسنون ہے کہ دو پیچھے ہٹ جائیں، یہ مستحب حرکت ہے، اس لیے کہ اس میں نماز کا کمال موقوف ہے۔

اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ تیسرا آنے والا آدمی کب صف بنائے؟ پہلے اپنے ساتھی کو پیچھے کھینچے یا امام کو آگے کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے ساتھی کو کھینچے یا امام کو آگے کرے پھر صف بنائے۔ اس لیے اگر وہ امام کو آگے کرنے سے پہلے یا مقتدی کو پیچھے کرنے سے پہلے صف بنا لیتا ہے تو نماز کے اندر ایسی حرکت لازم آئے گی جس کی کوئی وجہ اور سبب نہیں تو مستحب حرکت وہ ہوئی جس پر نماز کا کمال موقوف ہے۔

اور مباح حرکت وہ ہے جو کسی ایسی ضرورت کے لیے کی جائے جس کا نماز سے تعلق نہ ہو، مثلاً کوئی اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے اور دروازہ بند ہے۔

یہ تھوڑا سا آگے بڑھتا ہے پھر دروازہ کھول دیتا ہے یا کوئی اس سے بات کرتا ہے کہ یہ چیز حاصل ہوئی کہ نہیں، اگر حاصل ہوئی ہوتی ہے تو یہ سر یا ہاتھ کے اشارہ سے جواب دے دے۔ نماز میں خارش کرنا اگر تو معمولی خارش ہو جس سے خشوع ختم نہیں ہوتا تو یہ مباح کی قسم سے ہے اور اگر سخت قسم کی خارش ہے جس سے نماز کا خشوع ختم ہو رہا ہے تو اسے ختم کرنے کے لیے خارش کرنا سنت ہے، کیونکہ اس پر نماز کا کمال موقوف ہے کیونکہ جب خارش کرے گا تو وہ ختم ہو جائے گی اور اس کا دل نماز میں حاضر رہے گا۔

مکروہ حرکت وہ ہے جس کی کوئی ضرورت نہ ہو، لیکن یہ بہت زیادہ نہ ہو، جس طرح کے کئی لوگ اپنے قلم، گھڑی یا ناک اور رومال وغیرہ سے کھیلتے رہتے ہیں۔ یہ مکروہ حرکت ہے جبکہ یہ زیادہ اور پے در پے ہو تو پانچویں قسم میں داخل ہو جاتی ہے یعنی وہ حرکت جو بہت زیادہ ہو اور بلا ضرورت ہو تو یہ نماز کو باطل کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ یہ نماز کی تکمیل کے خلاف ہے۔ اس کی مثال کھلکھلا کر ہنسنا ہے، اس لیے کہ ہنسی نماز کے خشوع کے خلاف ہے، اس لیے علماء نے کہا ہے کہ کھلکھلا کر ہنسنا نماز کو باطل کر دیتا ہے، سوائے مسکراہٹ کے، ایسا تبسم جس میں آواز نہ ہو نماز کو باطل نہیں کرتا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3/155)

201- مریض کی نماز کی کیفیت

1. مریض کے لیے ضروری ہے کہ بقدرِ استطاعت کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔
2. جو کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھے اور افضل یہ ہے کہ ہر قیام میں آلتی پالتی ہو کر بیٹھے۔

3. اگر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو اپنے پہلو پر قبلہ جانب منہ کر کے نماز پڑھے، مستحب ہے کہ دائیں پہلو پر لیٹے۔

4. اگر پہلو کے بل نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہے تو قبلہ سمت پاؤں کرتے ہوئے چت لیٹ کر پڑھے۔

5. جو قیام کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے لیکن رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا، اس سے قیام ساقط نہیں ہوگا، وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا اور رکوع کے لیے اشارہ کرے گا، پھر بیٹھ جائے گا اور سجدے کے لیے بھی اشارہ کرے گا۔

6. اگر اس کی آنکھ میں مرض ہو اور قابلِ اعتماد ڈاکٹر کہے کہ اگر تو چت لیٹ کر نماز پڑھے گا تو تیرا علاج ممکن ہے ورنہ نہیں تو وہ چت لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

7. جو رکوع و سجود سے عاجز ہو وہ اشارہ سے انھیں ادا کرے اور سجدہ رکوع سے زیادہ پست کرے۔

8. جو صرف سجدہ سے عاجز ہو، وہ رکوع کرے اور سجدہ کے لیے اشارہ کرے۔

9. جو اپنی پیٹھ کو مکمل جھکا نہیں سکتا وہ صرف گردن کو جھکا دے، اگرچہ اس کی پیٹھ کمان نما ہو وہ رکوع کرنے والا ہی سمجھا جائے گا اور سجدہ کے لیے چہرے کو زمین کی طرف رکوع کی نسبت زیادہ قریب کرے۔

10. اگر وہ سر کے ساتھ اشارہ بھی نہیں کر سکتا تو اللہ اکبر کہے اور اپنے دل کے ساتھ ہی قیام، رکوع، رکوع سے اٹھنے، سجدہ، سجدے سے اٹھنے، جلسہ، تشہد وغیرہ کی نیت کرے اور وارد شدہ اذکار پڑھے۔ کچھ مریض انگلی کے اشارے سے نماز پڑھتے ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

11. اگر مریض دورانِ نماز اس چیز کی قدرت حاصل کر لے جس سے عاجز تھا مثلاً قیام، قعود، رکوع یا سجدہ وغیرہ تو دوبارہ اصل حالت کی طرف لوٹ

جائے گا اور سابقہ نماز پر ہی بنیاد رکھے گا۔

⑫ اگر مریض یا کوئی اور سو گیا یا نماز بھول گیا تو بیدار ہونے پر اور یاد کرنے پر اس کی قضاء لازم ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ اگلے دن اس نماز تک اسے موقوف کر دے۔

⑬ نماز کو چھوڑنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ مکلّف پر واجب ہے کہ تمام حالات میں اپنی نماز میں رغبت و شوق رکھے، صحت ہو یا بیماری، اس لیے کہ یہ اسلام کا ستون ہے اور شہادتین کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ نماز کو ترک کیے رکھے حتی کہ اس کا وقت نکل جائے، اگر مریض ہو تو جب تک اس کے ہوش و حواس قائم ہیں نماز پڑھے گا، جس انداز سے بھی ہو جیسا کہ پیچھے گزرا ہے، کئی مریض نماز کو صحت یاب ہونے تک ترک کر دیتے ہیں یہ ناجائز ہے، شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

⑭ اگر مریض کے لیے ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا مشکل ہو تو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر لے، چاہے ظہر کو عصر کے ساتھ اور چاہے عصر کو ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھ لے، یعنی جمع تقدیم کرے یا تاخیر دونوں طرح درست ہے، لیکن فجر کو اس سے پہلے نہ بعد میں کسی نماز کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کا وقت جدا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17798)

202- نماز میں وسوسہ

ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب وسوسہ پیدا ہو تو "أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم" پڑھیں، اپنی بائیں جانب تین بار تھوکیں اور تین بار استعاذہ

کریں، وسوسہ ان شاء اللہ ختم ہو جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو یہی نصیحت کی تھی، اس نے ایسا کیا تو اس کا وسوسہ ختم ہو گیا۔[1] اگر وسوسے کا تعلق اللہ تعالیٰ اور دین سے ہو تو اعوذ باللہ کے ساتھ یہ بھی پڑھے: "آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ" اور اپنی نماز اور اعمال پر متوجہ ہو اور وسوسے سے صدقِ دل سے اعراض کرے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر برائی سے بچائے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 333/29)

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [203]

سجدۂ سہو

203- سجدۂ سہو

اگر امام یا منفرد کو چار رکعتی نماز میں شک گزرے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو اس پر واجب ہے کہ یقین پر بنیاد رکھے، یعنی جو کم ہے، لہٰذا وہ تین سمجھے اور پھر چوتھی پڑھے۔ پھر سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا شك أحدكم في الصلاة فلم يدر كم صلى ثلاثا أم أربعا فليطرح الشك، وليبن على ما استيقن، ثم ليسجد سجدتين قبل أن يسلم، فإن كان صلى خمسا شفعن له صلاته، وإن كان صلّى تماما كانتا ترغيما للشيطان» [1]

"جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں شک میں پڑ جائے کہ کتنی نماز پڑھی ہے، تین یا چار تو اسے چاہیے کہ شک کو دور کرے اور یقین پر بنیاد رکھے، پھر سلام سے پہلے دو سجدے کرے۔ اگر اس نے پانچ پڑھ لیں تو یہ سجدے اس کی نماز کو جفت کر دیں گے اور اگر اس نے نماز مکمل پڑھی ہے تو دو سجدے شیطان کو خاک آلود کرنے کا باعث ہوں گے۔"

اگر اس نے تین رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، پھر اسے بتلایا گیا تو وہ بغیر تکبیر کہے نماز کی نیت سے کھڑا ہوگا، چوتھی رکعت پڑھے گا، پھر جب تشہد میں

[1] صحیح مسلم [571/88]

بیٹھے گا درود اور دعائیں پڑھ کر سلام پھیر دے گا، پھر سہو کے دو سجدے کرے گا اور پھر سلام پھیرے گا۔ یہ ہر اس شخص کے لیے افضل ہے جو بھول کر کم نماز پر سلام پھیر دے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بھی ظہر یا عصر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا، پھر جب ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے بتلایا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے، نماز مکمل کی، پھر سلام پھیرا، سجودِ سہو کیے اور پھر سلام پھیرا۔❶

اسی طرح ایک بار آپ ﷺ نے عصر کی تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ آپ ﷺ کو بتلایا گیا تو آپ کھڑے ہوئے، چوتھی رکعت پڑھ کر سلام پھیرا، پھر سجود سہو کیے اور پھر سلام پھیرا۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 251/11)

204- اس نمازی کا حکم جو کسی ایک رکعت میں فاتحہ بھول گیا

اگر وہ امام یا منفرد ہے تو اگر اسے نماز میں دوسری رکعت شروع کرنے سے پہلے یاد آ گیا تو وہ واپس آئے گا اور فاتحہ پڑھے گا اور بعد والا رکوع اور سجدہ کرے گا اور اگر اسے دوسری رکعت شروع کرنے کے بعد یاد آیا تو اس کی وہ رکعت باطل ہوگئی جس میں فاتحہ نہیں پڑھی اور بعد والی رکعت اس کے قائم مقام ہوجائے گی اور اگر اسے سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو وہ کھڑا ہو کر مکمل ایک رکعت پڑھے گا اور سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے گا اور اگر سلام پھیرنے کے بعد ایک مدت کے بعد یاد آیا تو مکمل نماز کا اعادہ کرے گا۔ اگر وہ مقتدی ہے تو امام اس بوجھ کو اٹھا لے گا جبکہ اس نے جہالت یا نسیان کی بنیاد پر فاتحہ چھوڑی ہو۔❷

(اللجنة الدائمة: 19472)

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [482] صحيح مسلم [573/97]

❷ اگر کوئی مقتدی بھول کر یا کسی بھی سبب سے فاتحہ نہیں پڑھ سکا تو اس کی ایسی رکعت نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے نماز کا اہم رکن قراءتِ فاتحہ چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا اسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ [مترجم]

205- پہلا تشہد بھول جانا

اگر اسے مکمل کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ گیا تو واپس لوٹنا واجب ہے اور وہ تشہد پڑھے گا۔ اگر مکمل کھڑا ہو گیا لیکن فاتحہ شروع کرنے سے پہلے یاد آ گیا تو واپس لوٹنا مکروہ ہے اور اگر فاتحہ شروع کرنے کے بعد یاد آیا ہے تو واپس لوٹنا حرام ہے۔ تمام حالات میں اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔

(اللجنة الدائمة: 20941)

206- وہ ایک رکعت بھول گیا بعد میں پڑھی لیکن سجدۂ سہو نہیں کیا

اگر اس نے جان بوجھ کر سجدۂ سہو چھوڑا تھا تو اس کی نماز باطل ہے اور نماز کو دہرانا لازم ہے۔ اور اگر بھول کر یا جہالت کی وجہ سے چھوڑا ہے تو اس پر کوئی اعادہ نہیں اور اس کی نماز صحیح ہے۔ (اللجنة الدائمة: 14594)

207- نمازی رکوع سے اٹھا اور "سمع اللّٰه لمن حمده" کی جگہ "اللّٰه أكبر" کہہ دیا

اگر تو نے "سمع اللّٰه لم حمده" کی جگہ "اللّٰه اکبر" کہہ دیا تو تجھ پر سجدہ سہو ہے، کیونکہ تو نے نماز کا ایک واجب بھول کر چھوڑا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب تو امام ہو یا منفرد ہو یا ایک یا زیادہ رکعت والا مسبوق ہو اور اگر تو شروع سے امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے تو ایسی چیز کا تجھ اکیلے پر سجدہ سہو نہیں ہے بلکہ امام ہی تجھے کافی ہو جائے گا۔ (اللجنة الدائمة: 20052)

208- تکبیراتِ انتقال بھولنے پر سہو کا حکم

علما کے صحیح قول کے مطابق تکبیرات انتقال واجب ہیں، جس نے انھیں ترک کیا یا ان میں سے کسی ایک کو جان بوجھ کر چھوڑا اس کی نماز باطل ہے اور جس نے انھیں بھول کر چھوڑا اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔

(اللجنة الدائمة: 17709)

209- رکوع میں "سبحان ربي العظيم" کہنا بھول گیا

"سبحان ربي العظيم" رکوع میں کہنا واجب ہے اگر تو بھول جائے تو سجدۂ سہو کر، اور تیری نماز درست ہے۔ (اللجنة الدائمة: 16351)

210- جو بھول کر جہری قراءت کی جگہ سِرّی قراءت کر لے

مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں اور فجر میں فاتحہ اور ما بعد فاتحہ قراءت بالجہر مسنون ہے، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کا فعل ہے۔ اگر تو پہلی رکعت میں جہراً قراءت بھول گیا ہے تو دوسری میں جہراً کر لے اور پہلی رکعت میں جہراً قراءت کا بھولنا سجدہ سہو کا باعث نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 15455)

211- جو شخص آخری رکعت کا دوسرا سجدہ بھول گیا

جو آدمی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ بھول گیا اور اسے سلام پھیرنے کے بعد معلوم ہوا، اگر زیادہ وقت نہیں گزرا تو وہ واپس لوٹے گا اور سجدہ کرے گا، تشہد اخیر پڑھے گا، سلام پھیرے گا اور پھر سلام کے بعد سجدہ سہو کرے گا، اور اگر قبل از سلام بھی کر لے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر زیادہ دیر گزر گئی تو نماز کو از سرِ نو دُہرائے گا۔ (اللجنة الدائمة: 16370)

212- امام نے دو سجدوں کے مابین ''جلسہ'' چھوڑ دیا

اس امام نے دوسرا سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان ''جلسہ'' چھوڑا ہے، یوں اس نے نماز کے دو رکن ترک کیے ہیں، اگر وہ ایک یا زیادہ رکن چھوڑے اور اس نے دوسری رکعت کی قراءت شروع کر دی ہے تو رکن والی پہلی رکعت باطل ہو جائے گی اور دوسری رکعت اس کی قائم مقام ہو جائے گی، وہ اسی بنیاد پر نماز مکمل کرے اور سجدہ سہو کرے۔ دوسری رکعت کی قراءت شروع کرنے کے بعد واپس لوٹنا جائز نہیں ہے، اس نے فاسد رکعت پر بنیاد رکھی ہے اور لمبا زمانہ گزر گیا ہے، لہٰذا سب نماز کا اعادہ کریں گے۔ (اللجنة الدائمة: 21439)

213- اس نے قصر نماز کی نیت کی پھر بھول کر مکمل پڑھ لی

تکبیر تحریمہ کے وقت تیری نیت قصر کی تھی، پھر تو بھول کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اب تجھے اختیار ہے کہ نماز جاری رکھ اور پوری کر اور سجدہ سہو بھی تجھ پر نہیں آئے گا، اور چاہے تو دوبارہ بیٹھ جا پھر تشہد پڑھ، سلام پھیر اور سجدۂ سہو کر۔ (اللجنة الدائمة: 15903)

نماز کی شروط

214- نماز میں سترہ اور اس کی مقدار

امام اور منفرد کے لیے نماز میں سترہ رکھنا مسنون ہے۔ مقتدی کا سترہ امام والا ہی ہے، امام کے آگے دیوار یا ستون یا لاٹھی وغیرہ یا کوئی حجر و شجر ہو تو یہ سب سترہ بن سکتے ہیں۔ افضل یہ ہے کہ سترہ پالان کی لکڑی کے برابر بلند ہو، اگر کوئی بلند چیز نہ پائے تو لکیر کھینچ لے۔❶ (الفوزان: المنتقی: 57)

215- تین چیزوں کا نمازی کے آگے سے گزرنا نماز کو توڑ دیتا ہے

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يقطع صلاة الرجل إذا لم يكن بين يديه مثل آخرة الرحل: المرأة، والحمار، والكلب الأسود»

''اگر آدمی کے سامنے نماز میں پالان کی لکڑی کی مثل کوئی چیز نہ ہو تو اس کی نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا کاٹ دیتے ہیں۔''

اور دوسری حدیث میں ہے:

«المرأة الحائض»❷ ''جوان عورت۔''

یعنی جو مکلّف ہے۔ ان تینوں میں سے اگر کوئی سُترے کے پیچھے سے گزرتا ہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی اور اگر نمازی اور سترے کے درمیان میں سے

❶ ضعيف. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [943]

❷ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [703] سنن النسائي، برقم [751]

گزرتا ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر نمازی کے آگے سترہ نہ ہو اور ان تینوں میں سے کوئی تین ہاتھ کے فاصلے سے گزر جائے تو بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ نبی کریم ﷺ نے جب کعبہ کے اندر نماز ادا کی تو آپ ﷺ نے اپنے اور مغربی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رکھا۔[1]

اور اس لیے بھی کہ جو اتنی مسافت کی دوری سے گزرتا ہے اسے نمازی کے آگے سے گزرنے والا نہیں کہا جا سکتا۔ ان تین کے علاوہ جیسا کہ مرد، کتا جو سیاہ نہ ہو اور دیگر چوپائے، یہ نماز کو نہیں توڑتے لیکن نمازی کو چاہیے کہ کسی کو بھی گزرنے کی گنجائش نہ دے چاہے تین کے علاوہ ہی ہوں، لیکن نماز کو توڑتے صرف یہ تین ہی ہیں، عورت، کالا کتا اور گدھا۔ سوائے مسجد حرام کے، کہ وہاں جو کوئی بھی نمازی کے آگے سے گزر جائے اس کی نماز نہیں ٹوٹتی، اس کے دلائل موجود ہیں اور یہ وجہ بھی ہے کہ وہاں احتیاط کرنا صعوبت اور مشکل کا باعث ہے۔
(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 93/11)

216- آئینے کے سامنے نماز

آئینہ جو سامنے کھڑے ہونے والے آدمی کا عکس اتارتا ہے اسے آلۂ تصویر قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کہ جو چیز اس میں نظر آتی ہے پائیدار نہیں ہوتی، جس نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے آگے آئینہ تھا تو اس کی نماز صحیح ہے، چاہے وہ اس میں سے اپنا آپ دیکھ بھی سکتا ہو لیکن نظر کو پست رکھے اور اس کی حفاظت کرے۔ اسے چاہیے کہ اس سے اور ہر ایسی چیز سے جو نمازی کو مشغول کرے اور اس کو نماز سے غافل کرے دور رہے۔ (ابن جبرین: الفتاویٰ: 111/3)

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2024] سنن النسائي، برقم [649]

217- کشتی اور ہوائی جہاز میں قبلہ جانب منہ کرنے کا طریقہ

ہوائی جہاز کا مسافر اگر نفلی نماز پڑھنا چاہتا ہے تو جدھر بھی اس کا منہ ہو نماز پڑھ لے، اس کے لیے قبلہ جانب منہ کرنا لازم نہیں۔ مسلمان پر واجب ہے کہ جہاں بھی ہو اپنا منہ قبلہ جانب کر لے۔ یہ نماز کی اہم ترین شرائط میں سے ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾ [البقرۃ: 150,149]

''اور تو جہاں سے نکلے سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور بلاشبہ یقیناً یہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔ اور تو جہاں سے نکلے سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو۔''

اس سے استثناء صرف عاجزی و مجبوری میں ہے جیسا کہ وہ شخص جسے دوسری سمت باندھا گیا ہے اور وہ مریض جس کے پاس ایسا کوئی آدمی نہیں جو اسے قبلہ جانب پھیر دے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

اسی طرح وہ مسافر اپنے راستے کی طرف ہی منہ کرے گا، چاہے غیر قبلہ

سمت ہو۔ صحیح حدیث میں ہے:

«أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي النافلة على راحلته حيث كان وجهه» ❶

''بے شک نبی کریم ﷺ نفلی نماز اپنی سواری پر اسی سمت پڑھ لیتے جدھر اس کا منہ ہوتا۔''

لیکن افضل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اس کا رخ قبلہ جانب کر لے، اس بارے حسن درجہ کی حدیث ہے۔ لیکن فرضی نماز میں جو شخص قبلہ جانب رخ کرنے پر قادر ہو اس کے لیے دوسری سمت منہ کرنا کسی طور پر جائز نہیں وہ مسافر ہو یا مقیم، لیکن اگر وہ کشتی میں ہو یا ہوائی جہاز پر تو اس پر واجب ہے کہ حتی الامکان قبلہ جانب منہ کرنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور جدھر وہ رخ کرتے ہیں یہ بھی کر لے۔ اور اگر کبھی خیال گزرے کہ وہ غیر قبلہ سمت ہے تو کوئی نقصان والی بات نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: 185]

''اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: 78]

''اور دین میں تمھارے لیے اس نے کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن: 16]

❶ صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [351]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔''

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

« إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم »[1]

''یعنی میرے حکم پر اتنا عمل کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [7288] صحيح مسلم [1337/130]

نماز کے آداب

218- نماز کے لیے جلدی کرنا

قرآن مجید نے بھلائی کے کام میں جلدی کرنے پر ترغیب دلائی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے جلد حصول کی موجب ہے۔ نمازِ پنجگانہ، باجماعت اور اول وقت میں نماز پڑھنا بھی ایسا ہی عمل ہے، ایسا کرنے والے کے لیے عظیم اجر وثواب ہے لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ جو آدمی مسجد میں اذان کے بعد آتا ہے، برا آدمی ہے بلکہ بسا اوقات وہ بہت اچھا مسلمان ہوتا ہے، برا تو وہ ہے جو وقت گزر جانے کے بعد نماز پڑھتا ہے، یا باجماعت نماز کی ادائیگی میں سستی سے کام لیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

«ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة: الرجل يؤم قوما وهم له كارهون، والرجل لا يأتي الصلاة إلا دباراً، ورجل اعتبد محررا»[1]

''تین آدمیوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے، وہ آدمی جو لوگوں کو امامت کرواتا ہے حالانکہ وہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں اور وہ شخص جو نماز کے لیے دیر سے آتا ہے اور وہ آدمی جس نے آزاد انسان کو غلام بنا رکھا ہے۔'' اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 7811)

[1] ضعيف. سنن أبي داود، رقم الحديث [395]

219- مسجد میں جگہ مخصوص کر لینا

یہ غیر مناسب ہے، مشروع یہ ہے کہ مسجد میں جہاں صف ختم ہو وہاں بیٹھ جائے۔ (اللجنة الدائمة: 4441)

220- پہلی صف کی طرف جلدی کرنا

مشروع یہ ہے کہ پہلی صف کی طرف جلدی کی جائے۔ حدیث پاک ہے:

«لو يعلم الناس ما في النداء والصف الأول ثم لم يجدوا إلا أن يستهموا عليه لاستهموا»[1]

"اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان اور پہلی صف میں کیا اجر و ثواب ہے، پھر وہ اسے نہ پا سکیں اِلا یہ کہ قرعہ اندازی کریں تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں۔"

دوسری حدیث میں ہے:

«خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها، وخير صفوف النساء آخرها، وشرها أولها»[2]

"مردوں کی بہترین صفیں پہلی اور بدترین آخری ہیں اور عورتوں کی بہترین صفیں پچھلی اور بدترین پہلی ہیں۔"

ان دونوں حدیثوں میں مردوں کے لیے پہلی صفوں کی فضیلت اور بہتری کی وضاحت ہے۔ کسی بھی آدمی کو پہلی صف نہیں چھوڑنی چاہیے اور نہ ہی اس اجر وثواب سے محروم رہنا چاہیے۔ (اللجنة الدائمة: 5133)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [615] صحيح مسلم [437/129]

[2] صحيح مسلم [440/132]

نماز کے اوقات

221- پانچ نمازوں کے اوقات

پانچ نمازوں کے اوقات دین اسلام میں معروف ہیں اور اس امت کے بعد والوں نے انھیں پہلو سے نقل کیا ہے، اسی انداز سے جس طرح انھوں نے سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیکھا۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اوقاتِ نماز پنجگانہ معلوم اور مقرر ہیں، اس بارے صحیح احادیث ہیں جن کے مجموعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت "فییء الزوال" (زوال شمس کے وقت کا سایہ) کو نکال کر زوال شمس سے لے کر ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہونے تک ہے، اور عصر کا وقت: "فییء الزوال" کے بعد ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک سے لے کر دو مثل ہونے تک ہے۔ یہ اختیاری اور پسندیدہ وقت ہے، اضطراری وقت سورج کے زرد ہونے سے لے کر غروب شمس سے پہلے اتنی دیر تک ہے جتنی دیر میں ایک رکعت پڑھی جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من أدرك ركعة قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر»[1]

"جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے ایک رکعت بھی پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔"

مغرب کا وقت: غروبِ شمس سے لے کر سرخ لکیر غائب ہونے تک ہے۔ عشاء کا وقت: سرخ لکیر کے غائب ہونے سے لے کر نصف رات تک

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [579] صحيح مسلم [608/163]

ہے، یہ اس کا اختیاری وقت ہے اور اضطراری وقت نصف رات سے طلوعِ فجر تک ہے، اور فجر کا وقت طلوعِ فجر صادق سے لے کر طلوعِ شمس تک ہے۔

اس بارے میں درج ذیل احادیث مروی ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نمازِ عصر کو کچھ مؤخر کر دیا تو حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے کہا: جبریل نازل ہوئے اور بحیثیت امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا: عروہ غور کرو کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: میں نے بشیر بن ابی مسعود سے سنا، انھوں نے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

« نزل جبريل فأمني فصليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه، ثم صليت معه، يحسب بأصابعه خمس صلوات »[1]

''جبریل نازل ہوئے، مجھے امامت کروائی اور میں نے ان کے ساتھ نماز ادا کی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز ادا کی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز ادا کی، پھر ادا کی، پھر ادا کی۔ آپ نے اپنی انگلیوں سے پانچ نمازیں شمار کیں۔''

دوسری حدیث میں اس امامت کی تفصیل ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے اوقات سکھلانے کے لیے تشریف لائے، جبریل آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے تھے، اور باقی لوگ

[1] صحیح البخاري، رقم الحديث [3221] صحيح مسلم [610/166]

رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے، انھوں نے سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھی، پھر جبریل علیہ السلام آئے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل تھا، اسی طرح کیا جیسے پہلے کیا تھا، جبریل علیہ السلام آگے بڑھے، رسول اللہ ﷺ آپ کے پیچھے اور باقی لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے اور عصر کی نماز پڑھی، پھر آئے جب سورج غروب ہوگیا، جبریل علیہ السلام آگے بڑھے، رسول اللہ ﷺ آپ کے پیچھے اور لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے۔ مغرب کی نماز ادا کی، پھر آئے جب شفق غائب ہوچکی تھی، جبریل علیہ السلام آگے بڑھے، رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے تھے اور نمازِ عشاء ادا کی، پھر جب فجر پھوٹی تو دوبارہ تشریف لائے، جبریل علیہ السلام آگے اور رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے ہوگئے اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے تھے اور نمازِ فجر ادا کی۔ پھر جبریل علیہ السلام دوسرے وقت آئے جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہوگیا اور اسی طرح کیا جس طرح گزشتہ روز کیا تھا اور نمازِ ظہر ادا کی، پھر تشریف لائے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہوگیا اور اسی طرح کیا جس طرح گزشتہ روز کیا تھا اور نمازِ عصر ادا کی، پھر تشریف لائے جب سورج غروب ہوگیا اور اسی طرح کیا جس طرح گزشتہ روز کیا تھا اور نمازِ مغرب ادا کی، پھر ہم سوگئے اور اٹھے۔ جبریل تشریف لائے اور اسی طرح کیا جس طرح گزشتہ روز کیا تھا اور نمازِ عشا ادا کی، پھر تشریف لائے جب فجر پھیل چکی اور ستارے جھلملا رہے تھے، اسی طرح کیا جس طرح گزشتہ روز کیا تھا اور نمازِ فجر ادا کی، پھر فرمایا: ان دونوں کے درمیان وقت ہے۔[1]

ایک اور حدیث پاک ہے:

«وقت الظهر إذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله ما

[1] **صحيح**. سنن النسائي، رقم الحديث [513]

لم يحضر العصر، و وقت العصر ما لم تصفر الشمس، ووقت صلاة المغرب ما لم يغب الشفق، ووقت صلاة العشاء إلى نصف الليل الأوسط، و وقت صلاة الصبح من طلوع الفجر ما لم تطلع الشمس»[1]

''ظہر کی نماز کا وقت: جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی جتنا ہو جائے اور یہ عصر کا وقت ہونے تک ہے اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج زرد نہ ہو اور مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت نصف رات تک ہے اور صبح کا وقت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک ہے۔''

نیز رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

« من أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح، ومن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر»[2]

''جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے غروبِ شمس سے قبل ایک رکعت پالی اس نے نمازِ عصر پالی۔''

زمین کے تمام علاقوں کے لیے یہی اوقات ہیں۔ ہر علاقے کے حساب سے سورج کے طلوع و غروب اور طلوعِ فجر کا لحاظ رکھا جائے، چاہے ان کا درمیانہ وقفہ کم ہو یا زیادہ ہو، نیز یہ فرق دائمی ہو یا عارضی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 1668)

---

[1] صحيح مسلم [612/172]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [579] صحيح مسلم [608/163]

222- نماز کے مکروہ اوقات اور سببِ کراہت

پہلا وقت: نمازِ فجر کے بعد سے لے کر سورج کے نیزے کے برابر بلند ہونے تک یعنی تقریباً ایک میٹر، اور یہ طلوع کے تقریباً پندرہ منٹ بعد ہو جاتا ہے اور نمازِ فجر سے مراد ہر انسان کی اپنی نماز ہے۔

دوسرا وقت: نصف النہار کے وقت یہ سورج ڈھلنے سے تقریباً دس منٹ تک ہے اور زوال شمس تک رہتا ہے۔

تیسرا وقت: نماز عصر کے بعد سے لے کر غروبِ شمس تک۔

یہاں بھی ہر انسان کی اپنی نماز کا اعتبار کیا جائے، جب انسان نے عصر کی نماز پڑھ لی تو غروبِ شمس تک اس کے لیے نماز پڑھنا حرام ہے، لیکن اس سے فرض نمازیں مستثنیٰ ہیں، مثلاً اس طرح کے ایک آدمی بھول گیا تھا اور اسے ان اوقات میں یاد آیا کہ نماز ابھی پڑھنی ہے تو وہ پڑھے گا۔ حدیث پاک میں عموم ہے:

«من نام عن صلاۃ أو نسيها فليصلها إذا ذكرها» [1]

”جو نماز سے سو گیا یا بھول گیا تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے۔“

اور راجح قول کے مطابق اس سے وہ نفلی نمازیں بھی مستثنیٰ ہیں جو سببی ہیں، اس لیے کہ سببی نماز اپنے سبب سے ملی ہے اور جب یہ سبب پایا جائے گا تو ان اوقات میں نہی کی حکمت ختم ہو جائے گی، مثلاً اگر آپ عصر کے بعد مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو آپ دو رکعتیں پڑھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين» [2]

---

[1] صحيح مسلم [684/315]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [444] صحيح مسلم [714/69]

”جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں داخل ہو تو نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔“

یہی حکم ہے جب آپ فجر کے بعد یا سورج کے ڈھلتے وقت مسجد میں داخل ہوں، اور اسی طرح اگر عصر کے بعد سورج گرہن لگ جائے تو عصر کے بعد گرہن کی نماز ادا کی جائے گی کیونکہ یہ بھی سبب والی نماز ہے۔ بعینہٖ اگر کوئی انسان قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا ہے اور سجدۂ سہو والی آیت پڑھتا ہے تو سجدہ کرے گا چاہے مکروہ اوقات میں ہی ہو، کیونکہ اس کا بھی سبب موجود ہے۔

ان اوقات میں ممانعت کی حکمت:

یہ ہے کہ انسان کو اگر ان اوقات میں نفلی نماز کی اجازت دے دی جاتی تو ممکن تھا وہ پڑھتے پڑھتے عین سورج کے طلوع و غروب کے وقت میں پڑھنا شروع کر دیتا اور اس وقت وہ کفار کے مشابہ ہو جاتا جو طلوعِ شمس کے وقت اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اسے سجدہ کرتے ہیں اور غروب کے وقت الوداع کہتے ہوئے اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور نصف النہار کے وقت ممانعت کی حکمت حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ اس وقت جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے، لہٰذا اس وقت بھی نماز پڑھنے سے رکنا چاہیے۔[1] (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 909)

223- جس نمازِ فجر اور عصر کے وقت نفلی نماز کی ممانعت کا وقت شروع ہوتا ہے اس سے انسان کی اپنی فجر و عصر مراد ہے

آدمی کی اپنی نماز کا اعتبار ہوگا۔ فرض کریں اگر لوگوں نے نمازِ عصر پڑھ لی ہے لیکن تم نے ابھی نہیں پڑھی تو تیرا ممانعت کا وقت ابھی شروع نہیں ہوا اور

[1] صحیح مسلم [832/294]

اگر تو نے لوگوں سے پہلے پڑھ لی تو ممانعت کا وقت تیرے حق میں شروع ہو چکا ہے، اگرچہ لوگوں نے ابھی نماز نہ بھی پڑھی ہو۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل:912)

نماز با جماعت

224- آدمی کا اپنے گھر والوں کے ساتھ گھر میں باجماعت نماز ادا کرنا

اس کے کئی احوال ہیں: ممکن ہے کہ کبھی کبھی نفلی نماز اکٹھے پڑھ لیں، بایں طور کہ وہ، اس کی بیوی اور افرادِ خانہ نمازِ چاشت، رات کی نماز یا وتر باجماعت ادا کر لیں۔ آدمی اکیلا کھڑا ہوگا اور عورتیں اس کے پیچھے صف بندی کریں گی حتی کہ اس کی بیوی بھی پیچھے ہی صف میں کھڑی ہوگی نہ کہ اس کے ساتھ۔ اسی طرح تراویح میں اگر عورتیں امام کے ساتھ نماز پڑھیں گی تو امام کے پیچھے ہی کھڑی ہوں گی یا اگر گھر والا انھیں نماز پڑھائے گا تو بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہوں گی۔ فرض نمازوں میں بھی جائز ہے کہ عورتیں مسجد میں آئیں اور امام اور دیگر مقتدیوں کے پیچھے صف بندی کریں۔ عورت مرد کے ساتھ صف بندی نہیں کر سکتی، خواہ اس کا شوہر ہو، باپ ہو بیٹا ہو یا کوئی اور، عورتوں کے کھڑے ہونے کی جگہ ہی مردوں کے پیچھے ہے، فرض ہوں یا نفل۔ سنت سے یہی ثابت ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان تمام انواع کا طریقہ ایک ہی ہے کہ عورت امام کے پیچھے ہی ہوگی یا مقتدیوں کے پیچھے ہوگی اور امام کے یا مقتدیوں کے ساتھ کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر عورتوں کی جماعت ہو تو امامت کروانے والی ان کے درمیان کھڑی ہوگی، ان سے آگے نہیں بڑھے گی تاکہ مردوں کے مشابہ نہ ہو۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 193/12)

225- نماز میں بیوی کا اپنے خاوند کے ساتھ کھڑے ہونا

عورت کے لیے مشروع نہیں کہ اپنے خاوند کے پہلو میں کھڑی ہو، بلکہ نماز میں اس کے پیچھے ہی کھڑی ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى به وبأمه أو خالته، قال: فأقامني عن يمينه، وأقام المرأة خلفنا»[1]

''یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اور اس کی والدہ یا خالہ کو نماز پڑھائی۔ کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔''

اگر عورت کے لیے مرد کے ساتھ کھڑا ہونا درست ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے پیچھے کھڑا کرتے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ کھڑا کرتے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ مکروہ ہے۔ (اللجنة الدائمة: 14837)

226- مسجد میں عورتوں اور مردوں کے درمیان پردہ لگانا

اس میں کوئی حرج نہیں بطورِ خاص جب اس کی ضرورت بھی ہو۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ امام یا مقتدیوں کو دیکھ سکتی ہیں یا نہیں، وہ مسجد میں ہیں اور امام کی آواز سن رہی ہیں تو ان کی نماز درست ہے لیکن مناسب ہوگا اگر پردے میں کچھ سوراخ وغیرہ ہوں تاکہ اگر کبھی آواز نہیں آئے تو مقتدیوں کو دیکھ کر ہی نماز ادا کر سکیں۔ (اللجنة الدائمة: 1591)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [380] صحيح مسلم [658/266]

امامت کے احکام

227- مقتدی کا اپنے امام سے تعلق

مقتدی کا امام سے متابعت اور پیروی کا تعلق ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه، فإذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا سجد فاسجدوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: ربنا ولك الحمد، وإذا صلّى قائما فصلوا قياما، وإذا صلّى قاعدا فصلوا قعودا أجمعين »[1]

''امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف مت کرو، جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو، جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو، جب وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" پڑھے تو تم کہو: "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تم بھی سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

اس طرح مقتدی کے اپنے امام کے ساتھ چار مقامات بن جاتے ہیں: متابعت، موافقت، مسابقت اور تأخر۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [734] صحيح مسلم [414/86]

متابعت: یہ ہے کہ مقتدی امام کے متصل بعد نماز کے افعال سر انجام دے، جب امام رکوع کرے تو وہ بھی بغیر تاخیر کیے رکوع کرے، جب امام سجدہ کرے تو وہ بھی سجدہ کرے، اسی طرح نماز کے باقی افعال پورے کرے۔

موافقت: یہ ہے کہ مقتدی یہ تمام افعال امام کے ساتھ ساتھ سر انجام دے، جب امام رکوع کرے تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی رکوع کرے، اس کے سجدہ کے ساتھ سجدہ، قیام کے ساتھ قیام اور قعود کے ساتھ قعود کرے۔

مسابقت: مقتدی امام سے آگے بڑھے، امام کے رکوع، سجدہ اور قیام وغیرہ سے پہلے رکوع، سجدہ اور قیام کرے۔

تأخر: یہ ہے کہ مقتدی امام کی پیروی میں سستی سے کام لے، جب امام رکوع کرے تو وہ کھڑا قراءت کرتا رہے، امام سجدہ میں چلا جائے اور وہ کھڑا ہو کر حمد پڑھ رہا ہو اور اسی طرح دیگر اعمال ہیں۔

یہ تمام مقامات قابل مذمت ہیں سوائے متابعت کے۔ اور جو امام کی موافقت کرنے والا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل فرمان کے مخالف ہے:

«لا تكبروا حتى يكبر الإمام، ولا تركعوا حتى يركع»[1]

"امام کے تکبیر کہنے سے پہلے تکبیر نہ کہو اور امام کے رکوع کرنے سے پہلے رکوع نہ کرو۔"

اور امام سے سبقت کرنے والا سخت وعید میں گھرنے والا ہے۔ حدیث پاک ہے:

«إذا كبر الإمام فكبروا، وإذا ركع فاركعوا»

"جب امام تکبیر کہے تو تم بھی کہو اور جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو۔"

---

[1] **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [603]

یہ جملہ شرطیہ ہے جس کا تقاضا ہے کہ مشروط شرط کے فوراً بعد پایا جائے، اس سے مؤخر نہ ہو، سو مسابقت حرام ہے، موافقت ایک قول کے پیش نظر مکروہ اور دوسرا قول ہے کہ حرام ہے، اور تأخر کم از کم مکروہ ہے۔ اور متابعت کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسابقت، موافقت اور تأخر تینوں ہی ناجائز ہیں لیکن ان میں سب سے سخت کون سی ہے؟ جواب یہ ہے کہ مسابقت ان میں سب سے سخت ہے، کیونکہ اس بارے سابقہ وعید بیان ہوئی ہے اور اس لیے بھی کہ راجح قول کے مطابق انسان اگر جانتے بوجھتے اپنے امام سے سبقت لے جاتا ہے تو اس کی نماز باطل ہے، اس لیے کہ سبقت سے اس نے نماز میں ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 979)

228- زبان میں لکنت والے کی امامت کا حکم

اگر فاتحہ کی قراءت صحیح طور کر لیتا ہے اور کسی لفظ کو ایسا غلط نہیں پڑھتا کہ جس سے معنی بدل جائے تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ فاتحہ کے بعد والی قراءت واجب نہیں ہے اور اگر اس کی حالت اس کے برعکس ہو تو اس کی امامت صرف اس جیسوں کو جائز ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 950/12)

229- قرآن میں غلطی کرنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

اگر اس کی غلطی معنی کو بدلتی نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جس طرح کہ "رَبَّ" کے لفظ کی زبر یا "الحمد للہ رب العالمین" میں لفظ "ربّ" کی پیش ہے اور ایسے ہی "الرحمن" کی زبر یا پیش ہے۔ اگر اس کی

غلطی معنی کو بدل دیتی ہے اور اس کو تعلیم دینا اور لقمہ دینا بھی مفید ثابت نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ مثلاً وہ ﴿إياك نعبد﴾ کو کاف کی زیر کے ساتھ پڑھتا ہے۔ یا ﴿أنعمت﴾ کی تاء کو زیر یا پیش کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اگر وہ لقمہ قبول کرے اور قراءت کو درست کرتے ہوئے یہاں زبر پڑھ لے تو اس کی نماز اور قراءت درست ہے۔ ایک مسلمان کے لیے مشروع ہے کہ نماز اور نماز کے علاوہ ہر حالت میں اپنے مسلمان بھائی کو سکھلائے کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس کی غلطی کی اصلاح کرے اور قرآن پڑھنا مشکل ہو جائے تو اسے لقمہ دے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 98/12)

230- امام کی قراءت میں غلطی کرتے وقت مقتدی کا لقمہ دینا

اگر امام نماز میں کوئی آیت بھول جائے یا پڑھنے میں غلطی کرے تو مقتدی کے لیے لقمہ دینا مشروع ہے اور اگر ایسا فاتحہ میں ہو تو مقتدی پر لقمہ دینا واجب ہے اس لیے کہ اس کی قراءت نماز میں واجب ہے، الا یہ کہ ایسی غلطی ہو جو معنی کو نہ بدلے تو پھر لقمہ واجب نہیں ہے جیسا کہ ''الرحمٰن'' یا ''الرحیم'' کے آخر میں زبر پڑھنا وغیرہ۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 98/12)

231- امام غلطی کرتا ہے اور اسے لقمہ نہیں دیا جاتا تو وہ کیا کرے؟

اسے اختیار ہے کہ قراءت ختم کر کے رکوع میں چلا جائے یا کوئی اور آیت یا سورت تلاوت کر لے جو نماز میں مسنون ہے۔ یہ مسئلہ فاتحہ کے علاوہ قراءت کے حوالے سے ہے، فاتحہ کی ساری کی ساری قراءت واجب اور فرض ہے، اس لیے کہ یہ نماز کا رکن ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 129/12)

232- جس نے امامت کروائی لیکن وضو کرنا بھول گیا

سوال: امام نے بھول کر وضو نہ کیا اور جماعت کروا دی، درج ذیل حالات میں اس کا کیا حکم ہے:

1. اسے دورانِ نماز میں یاد آتا ہے۔
2. سلام پھیرنے کے بعد اور لوگوں کے جانے سے پہلے یاد آیا۔
3. جماعت کے بکھر جانے کے بعد یاد آیا۔

جواب: اگر اسے جماعت کروانے کے بعد یاد آیا تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہے، وہ اعادہ نہیں کریں گے، لیکن امام اعادہ کرے گا اور اگر دورانِ نماز میں یاد آتا ہے تو وہ کسی مقتدی کو اپنا نائب بنائے گا جو انھیں نماز مکمل کروا دے۔ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح یہی ہے، اس لیے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز میں زخمی کر دیا گیا تو انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا اور انھوں نے نماز مکمل کروائی۔ نئے سرے سے نماز نہیں پڑھی۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 136/12)

233- مسبوق کی امامت

مسبوق (جس کی کچھ یا ساری جماعت رہ گئی ہو) مسجد میں داخل ہوا اور لوگ نماز پڑھ چکے تھے، اس نے دیکھا کہ ایک اور مسبوق نماز ادا کر رہا ہے، اس کے لیے مشروع ہے کہ اس کے ساتھ مل کر با جماعت نماز ادا کر لے اور یہ اس کے دائیں پہلو میں کھڑا ہوگا، مسبوق امامت کی نیت کر لے، اس میں کوئی حرج نہیں، صحیح قول یہی ہے کہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے وہ اس کی

دائیں جانب کھڑا ہو جائے اور جب وہ سلام پھیر دے تو یہ اٹھ کر اپنی نماز مکمل کر لے۔ حدیث پاک میں ہے جب ایک آدمی جماعت کے بعد مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

«ألا رجل يتصدق على هذا فيصلي معه؟» ❶

”کیا کوئی آدمی ہے جو اس پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز ادا کرے؟“ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 147/12)

234- فرض نماز پڑھنے والے کی نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعض سفروں میں صحابہ کی ایک جماعت کو دو رکعت نمازِ خوف پڑھائی اور پھر دوسری جماعت کو دو رکعت پڑھائی۔ دوسری نماز آپ ﷺ کی نفلی تھی۔ ❷

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں عشا کی فرض نماز ادا کرتے اور پھر جا کر دوسری جگہ انھیں فرض پڑھاتے تو ان کی یہ نفلی ہوتی اور اہل علاقہ کی فرضی۔ ❸ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 178/12)

235- مقتدی امام سے سبقت کرتا ہے

مقتدی مرد ہو یا عورت اس کے لیے جائز نہیں کہ امام سے آگے بڑھے بلکہ واجب ہے کہ مقتدی کے افعال امام کے افعال کے بعد ہوں۔ حدیث پاک ہے:

« إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، ولا تكبروا

❶ **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [574]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [942] صحيح مسلم [139/30]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [507] صحيح مسلم [465/178]

حتى يكبر، وإذا ركع فاركعوا، ولا تركعوا حتى يركع» ❶

”امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور اس سے پہلے تکبیر نہ کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور اس سے پہلے رکوع نہ کرو۔“

اور اس شخص کے بارے سخت وعید ہے جو امام سے سبقت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر نہ بنا دیں۔ ❷

اس بنا پر مقتدی پر واجب ہے کہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام نہ پھیرے، اگر کسی جائز عذر کے بغیر ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ واللہ اعلم. (الفوزان: المنتقیٰ: ۷۹)

236- مسبوق جہاں سے نماز میں ملے گا وہیں سے اس کی نماز شروع ہوگی

درست بات یہی ہے کہ مسبوق امام کے ساتھ جو نماز پاتا ہے وہ اس کی نماز کا اول حصہ ہے اور جس کی قضا دینی ہے وہ اس کا آخری حصہ ہے۔ حدیث پاک ہے:

« إذا أقيمت الصلوة فلا تأتوها تسعون، واتوها تمشون، وعليكم بالسكينة فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا» ❸

”جب نماز کھڑی کر دی جائے تو بھاگتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون سے

---

❶ **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [603]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [691] صحيح مسلم [427/114]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [908] صحيح مسلم [602/151]

چلتے ہوئے آؤ اور جتنی نماز پاؤ پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پورا کر لو۔"

لٰہذا اس کے لیے جائز ہے کہ چار رکعت والی نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الظهر والعصر في الركعتين الأوليين بفاتحة الكتاب وسورة يطول في الأولىٰ ويقصر في الثانية، ويقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب »[1]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت لمبی کرتے اور دوسری چھوٹی کرے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے۔"

اگر نمازِ ظہر میں کبھی کبھار آخری دو رکعتوں میں فاتحہ سے زائد بھی پڑھ لے تو بہتر ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الأوليين من الظهر قدر ﴿الم . تنزيل﴾ وفي الأخريين على النصف من ذلك، وفي الأوليين من العصر على قدر الأخريين من الظهر، وفي الأخريين من العصر على النصف من ذلك »[2]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ سجدہ کے برابر قراءت کرتے اور دوسری دو میں اس سے نصف، اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی پچھلی دو رکعتوں کے برابر اور عصر کی آخری دو میں پہلی دو سے نصف۔"

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [759] صحيح مسلم [451/154]

[2] صحيح مسلم [452/156]

دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی آخری دو میں بسا اوقات فاتحہ کے علاوہ بھی قراءت کرلیا کرتے تھے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 238/11)

237- عورت کی عورتوں کو امامت کرانا

عورتوں کے لیے باجماعت نماز ادا کرنا جائز ہے، انھیں عورت ہی امامت کرائے گی اور ان کے درمیان کھڑی ہوگی۔ عورتوں پر واجب ہے کہ صفیں برابر اور اچھی طرح ملا کر رکھیں جیسا کہ مردوں کی صفیں ہوتی ہیں۔ یہ اذان و اقامت کے بغیر ہی پڑھیں گی، اگر جگہ تنگ پڑ جائے یا کسی کی نماز رہ جائے تو دوسری جماعت بھی کرواسکتی ہیں، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ نماز میں چہرے کے علاوہ سارا بدن ڈھانپیں گی۔ ہاں اگر وہاں اجنبی بھی ہوں تو چہرہ ڈھانپنا ضروری ہے۔ (اللجنة الدائمة: 18507)

238- عورت کی مردوں کو امامت کرانا

عورت مردوں کو امامت نہیں کرواسکتی کیونکہ حدیث میں ہے:

«لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة»[1]

”وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کردیا۔“ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 107)

239- عورتوں کی بچوں کو امامت کرانا

مرد چھوٹا ہو یا بڑا صحیح بات یہ ہے کہ عورت اسے امامت نہیں کرواسکتی،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4425]

اگر عورت با جماعت نماز ادا کرنا چاہتی ہے تو وہ اس بچے کو ہی امام بنا لے اور اس کے پیچھے نماز پڑھ لے، کیونکہ بچے کی امامت فرض نماز میں بھی جائز ہے۔

حضرت عمرو بن سلمہ جرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میرے والد گرامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے تشریف لائے (یہ سن نو ہجری کی بات ہے جب ان کے والد وفد کے ہمراہ آئے تھے اور مسلمان ہوئے تھے) اور فرمایا: میں تمھارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے حق لے کر آیا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

« إذا حضرت الصلوة فليؤذن لكم أحدكم، وليؤمكم أكثركم قرآنا »[1]

''جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے کوئی اذان کہے، اور امامت وہ کروائے جو تم میں سب سے زیادہ قرآن جانتا ہے۔''

کہتے ہیں کہ لوگوں نے دیکھا لیکن کوئی ایسا نہ تھا جسے مجھ سے زیادہ قرآن آتا ہو، سو انھوں نے مجھے امامت کے لیے آگے کر دیا، اس وقت میری عمر چھ یا سات سال تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرض نماز میں بچے کی امامت جائز ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 1005)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [628] صحيح مسلم [674/292]

نمازِ جمعہ

240- نمازِ جمعہ کے اہتمام کے لیے کم از کم تعداد

اس مسئلہ میں اہل علم کے مابین بہت زیادہ اختلاف ہے۔ صحیح قول ''تین'' والا ہے، ایک امام اور دو مقتدی، اگر کسی بستی میں تین یا اس سے زیادہ مکلّف اور آزاد رہائشی مرد رہتے ہوں، وہ جمعہ کا اہتمام کریں گے، ظہر نہیں پڑھ سکتے، اس لیے کہ نمازِ جمعہ کی مشروعیت و فرضیت کے دلائل اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ جمعہ ادا کریں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 326/11)

241- جس کی نمازِ جمعہ رہ گئی وہ ظہر پڑھے گا

بیماری یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے جس کی نمازِ جمعہ رہ گئی وہ ظہر پڑھے، اسی طرح عورت، مسافر اور صحرانشین بھی ظہر پڑھیں گے، سنت کی دلالت یہی ہے اور اہل علم کی اکثریت اسی طرف گئی ہے، جو شاذ ہیں ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایسے ہی جو جان بوجھ کر جمعہ چھوڑے وہ توبہ کرے اور نمازِ ظہر پڑھے۔
(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 223/11)

242- دورانِ خطبہ چھینک کا جواب دینا

اس کا جواب دینا مشروع نہیں، کیونکہ خاموش رہنا واجب ہے، جس طرح نماز میں چھینک کا جواب نہیں دیا جاتا خطبہ میں بھی نہیں دیا جا سکتا۔
(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 239/11)

243- عید اور جمعہ کا اکٹھا ہو جانا

جمعہ کے امام اور خطیب پر واجب ہے کہ وہ جمعہ پڑھائے اور مسجد میں آ کر لوگوں کو نماز پڑھائے۔ نبی کریم ﷺ عید اور جمعہ دونوں کا اہتمام کرتے تھے اور عید و جمعہ دونوں نمازوں میں سورۂ ''الأعلیٰ'' اور ''الغاشیۃ'' پڑھیں۔❶

لیکن جائز ہے کہ جس نے عید پڑھ لی وہ جمعہ چھوڑ دے اور اپنے گھر میں ظہر پڑھ لے یا دیگر لوگوں کے ساتھ جنھوں نے عید پڑھی تھی، ظہر باجماعت پڑھ لے اور اگر جمعہ پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل و اکمل بات ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 341/11)

244- جمعہ کی نماز سے پہلے سنن راتبہ نہیں ہیں

جمعہ سے پہلے سنتیں نہیں ہیں لیکن مشروع ہے کہ مسجد میں آ کر جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لے اور ہر دو کے بعد سلام پھیرے۔ حدیث پاک ہے:

« صلاة الليل و النهار مثنى مثنى »❷

''دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔''

اسے امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کی اصل صحیح میں ہے لیکن اس میں ''دن'' کا لفظ نہیں ہے۔ نیز دیگر کئی احادیث سے وضاحت ہوتی ہے کہ جمعہ سے پہلے مسجد میں آنے والے کے لیے مشروع ہے کہ جتنی نصیب میں ہے اتنی نماز پڑھ لے، یہاں تک کہ امام آ جائے۔ اور نبی ﷺ نے ان رکعتوں کی کوئی حد بندی نہیں کی، دو، چار، چھ یا زیادہ جتنی بھی

---

❶ **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [1295]

❷ صحيح مسلم [881/67]

پڑھے اچھا ہے، البتہ پہلی دو تحیۃ المسجد کی اور بعد والی سنن راتبہ ہیں اور جمعہ کے بعد کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں پڑھیں۔ حدیث پاک ہے:

«من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل أربعا»[1]

”تم میں سے جو بھی جمعہ کے بعد نماز پڑھنے والا ہو وہ چار رکعتیں پڑھے۔“

اور خود نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 386/11)

245- دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم

مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے تحیۃ المسجد پڑھنا مسنون ہے چاہے امام خطبہ دے رہا ہو۔ حدیث پاک ہے:

«إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين»[2]

”جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں داخل ہو وہ نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔“

دوسری حدیث میں ہے:

«إذا جاء أحدكم يوم الجمعة والإمام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما»[3]

”جب تم میں سے کوئی جمعہ والے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھ لے اور انھیں مختصر پڑھے۔“

نفسِ مسئلہ میں یہ واضح نص ہے، کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کی مخالفت

---

1. صحيح مسلم، رقم الحديث [881]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [1163] صحيح مسلم [714/70]
3. صحيح مسلم [875/59]

کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ کو شاید اس سنت کا علم نہ تھا، چنانچہ ان سے ثابت ہے کہ انھوں نے وقت خطبہ ان دو رکعتوں سے روکا ہے، جب رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہو جائے تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کی مخالفت کرے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ [النساء: 59]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ [الشوریٰ: 10]

”اور وہ چیز جس میں تم نے اختلاف کیا، کوئی بھی چیز ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔“

اور یہ معلوم ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہے۔ فرمایا:

﴿ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: 80]

”جو رسول کی فرمانبرداری کرے تو بے شک اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔“ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 388/11)

246- دورانِ جمعہ مسجد میں کسی کا بلند آواز سے قرآنِ مجید پڑھنا

اگر ارد گرد نماز پڑھنے والوں یا تلاوت کرنے والوں کو تشویش ہو تو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں، مسجد ہو یا کوئی اور جگہ۔ مسنون یہ ہے کہ ایسی قراءت کی جائے جس سے کسی دوسرے کو تشویش نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے اور دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«أيها الناس! كلكم يناجي الله فلا يرفع بعضكم صوته على بعض أو قال: فلا يجهر بعضكم على بعض» [1]

''اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کر رہے ہو تمھارا بعض بعض سے اپنی آواز بلند نہ کرے۔ یا فرمایا: ایک دوسرے سے اونچی آواز نہ کرو۔''

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 393/11)

247- جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت

جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کے حوالے سے وارد شدہ احادیث ضعف سے خالی نہیں لیکن بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں اور ان سے حجت لینا درست ہے۔ نیز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ اسے پڑھا کرتے تھے، چنانچہ اس پر عمل کرنا اچھا ہے، لیکن جمعہ کی رات کو اس کی تلاوت کے متعلق مجھے کوئی دلیل نہیں ملی، لہٰذا یہ غیر مشروع ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 415/11)

[1] صحیح. مسند أحمد [36/2]

عیدین کی نماز

248- نمازِ عیدین کا حکم

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں فرض کفایہ ہیں، جبکہ بعض اہل علم نے انھیں جمعہ کی طرح فرض عین قرار دیا ہے، لہٰذا کسی بھی مومن کے لیے انھیں چھوڑنا درست نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 9555)

249- نمازِ عید کی تکبیرات کے دوران کیا پڑھا جائے؟

عیدین کی نماز کی پہلی رکعت میں سات تکبیرات مشروع ہیں اور تکبیر تحریمہ ان میں شامل ہے، جبکہ دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں، قیام والی تکبیر ان پانچ کے علاوہ ہے، ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کیا جائے گا، نیز ہر دو تکبیروں کے درمیان الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر اور درود پڑھنا مشروع ہے۔

(اللجنة الدائمة: 10557)

250- نمازِ عید میں دعا

نمازِ عید میں یا عید کے دن مسلمانوں کے لیے کوئی خاص دعا مشروع ہے اس کا ہمیں علم نہیں، البتہ عیدین کی راتوں عید الفطر میں خطبہ کے اختتام اور عید الاضحیٰ میں ایام تشریق کی انتہا تک تعلیم ہے کہ مسلمان تسبیح، تکبیر، لا إلہ إلا اللہ اور الحمد للہ پڑھیں، اسی طرح ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کے حوالے سے بھی یہی

تعلیم ہے۔ عید الفطر کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ [البقرة: 185]

''اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے تمھیں ہدایت دی۔''

اس بارے میں احادیث بھی موجود ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 3189)

251- عید کے دن کے آداب

عید کا دن مسلمانوں کے لیے خوشی، مسرت اور شادمانی کا دن ہے، جس میں وہ بنتے سنورتے اور خوبصورت لباس زیب تن کرتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے اور تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں، دعا کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ دوبارہ ان برکات کو نازل فرمائے اور بار بار یہ خوشی کا سماں پیدا ہوتا رہے۔ وہ خوش بختی، لطف و کرم اور راحت سے حد سے زیادہ محظوظ ہو رہے ہوتے ہیں، بیماروں کی تیمار داری، صلہ رحمی، مدت کے بعد میل ملاپ اور خویش و اقارب سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری و ساری ہو جاتا ہے، ایسے موقع پر فرحت و انبساط اور دل لگی کا جائز طریقہ اظہار اپنانا درست ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں:

''عید کا دن تھا، رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت انصار کی دو بچیاں یوم بعاث کے حوالے سے قومِ انصار کی بہادری کے قصے گیت کی صورت میں گا رہی تھیں، لیکن یہ روایتی گلوکارائیں نہ تھیں، رسول اللہ ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا رُخ پھیر لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھے ڈانٹا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطانی بانسریاں کیوں؟ رسول اللہ ﷺ متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«دعهما يا أبا بكر! إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا»[1]

''ابوبکر! انھیں چھوڑ دو، ہر قوم کی خوشی کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری خوشی کا دن ہے۔''

اس سے پتہ چلا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی لڑکیوں کے لیے ایسے گیت سننا جائز ہے، جن سے خوشی و مسرت اور دلی آسودگی حاصل ہو، بشرطیکہ ان میں بے حیائی، فحش اور جذبات کو بھڑکانے والے جملے نہ ہوں، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے کہا کہ ''وہ گانے والی روایتی گلوکارائیں نہ تھیں۔'' لہٰذا ان کا گانا بھی ایسا نہ تھا جو ساکن کو متحرک اور غافل کو بے چین و مضطرب کر دے، جیسا کہ ان گیتوں میں ہوتا ہے جن میں لب و رخسار، شراب و کباب اور طاؤس و رباب کا تذکرہ ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''عید کا دن تھا اور حبشی نیزہ و ڈھال سے کھیل رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «تشتهين تنظرين؟» ''تم کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟'' میں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا، میرا رخسار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار پر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: «دونكم يا بني أرفدة» ''بنو ارفدہ! خوب کھیلو۔'' یہاں تک کہ میرا جی بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «حسبك» ''تجھے کافی ہے؟'' میں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فاذهبي» ''پھر چلی جاؤ۔'' فرماتی ہیں: تم اندازہ لگاؤ کہ ایک چھوٹی عمر کی لڑکی اور پھر کھیل کود میں دلچسپی لینے والی کتنی دیر تک کھڑی رہی ہوگی؟''[2] امام بخاری نے اسے کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے۔

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [987] صحيح مسلم [892/17]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [950] صحيح مسلم [892/19]

اس میں دلیل ہے کہ جنگی مشق اور طبعی نشاط کی خاطر آلاتِ حرب سے کھیلا جا سکتا ہے، اس سے حربی آلات کو چلانے کی پریکٹس بھی ہوتی ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ عید والے دن بالخصوص ان آلات کی مشق کی جاتی ہے اور جنگی سازوسامان کے استعمال کو سیکھا جاتا ہے۔ (ابن جبرین: الفتاوی: 46/59)

گرہن اور استسقاء کی نماز

252- گرہن کی نماز کا طریقہ

یہ دیگر نمازوں کی مانند ہی ہے، اس کی صحت کے لیے مکمل طہارت، نماز کی شروط، ازالۂ نجاست، ستر کو ڈھانپنا اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ تکبیر، استفتاح اور باقی نماز کے افعال بھی لازمی ہیں، قیام میں لمبی قراءت ہوگی، فاتحہ جہراً پڑھی جائے گی، چاہے گرہن دن کے وقت ہی لگا ہو، پھر طویل سورت جیسا کہ سورۂ بقرہ وغیرہ ہیں پڑھی جائے، پھر رکوع کرے اور لمبا رکوع ہو، پھر سر اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر کوئی اور سورت پڑھے جو پہلی سے چھوٹی ہو، پھر لمبا رکوع کرے لیکن پہلے سے مختصر ہو، پھر سر اٹھائے اور کہے: "سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد... الخ" پھر دو لمبے لمبے سجدے کرے اور ان کے مابین بیٹھے، پھر کھڑا ہو اور فاتحہ پڑھ کر کوئی اور سورت پڑھے جو پہلے سے چھوٹی ہے، پھر رکوع کرے جو پہلی رکعت کے رکوع سے چھوٹا ہو، پھر لمبا قیام کرے اور لمبی سورت پڑھے جو پہلی سے مختصر ہو، پھر رکوع کرے جو تیسرے رکوع سے چھوٹا ہو، پھر دو لمبے سجدے کرے جو پہلی رکعت کے سجدوں سے چھوٹے ہوں اور ان کے درمیان جلسہ کرے، اس طرح چار رکوع اور چار سجدے پورے ہو جائیں گے۔

(ابن جبرین: الفتاوی: 6/67)

253- نمازِ استسقاء کا طریقہ

نمازِ استسقاء کا طریقہ نمازِ عید کی طرح ہے، امام مسلمانوں کو شہر کے قریب کھلی جگہ پر پڑھائے، اس کے بعد خطبہ دے، جسے خطبۂ عید کی طرح تکبیر سے شروع کرے، نیز اللہ تعالیٰ کی ثنا، تضرع و زاری، دعا و مناجات، استغفار اور استمداد کرے، پھر قبلہ جانب پھر جائے اور چادر کا رُخ پھیر لے اور قبلہ جانب منہ کر کے ہی اللہ تعالیٰ سے سرّی دعا کرے، اس طرح مقتدی بھی اگر ہو سکے اپنے لباس پھیر لیں، جیسا کہ کوٹ جبہ اور چادر وغیرہ ہیں، اسی طرح دیگر چیزیں جن کو پلٹنا ممکن ہو، ظاہر سے باطن کی طرف اور دائیں سے بائیں جانب، رسول اللہ ﷺ کی یہی تعلیم و طریقہ ہے۔ اس کی جگہ کھلی جگہ ہے۔ جہاں عید پڑھی جاتی ہے، البتہ یہ مسجد میں بھی ہو سکتی ہے لیکن کھلی جگہ پر افضل ہے، اس کا وقت بھی عید والا ہی ہے یعنی سورج کے ایک نیزہ کے برابر بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ اگر امام سے خطبہ جمعہ کے دوران بارش کی دعا کی اپیل کی جائے تو وہ اس وقت بھی دعاءِ استسقاء کر سکتا ہے، یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور بغیر خطبہ و نماز کے محض دعا کے ساتھ بھی استسقاء درست ہے۔

(الفوزان: المنتقی: 116)

254- نمازِ استسقاء میں چادر پلٹنے کی حکمت

بہت زیادہ فقہاء نے اس کی حکمت کو بیان کیا ہے کہ چادر پلٹنے سے اچھا شگون لیا جاتا ہے کہ اسی طرح سختی سے خوشحالی ہو جائے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ابو جعفر الباقر رحمہ اللہ سے مرسل روایت بایں الفاظ بیان کی ہے:

«وحول رداءه ليتحول القحط»[1]

''اور آپ ﷺ نے اپنی چادر کو پلٹ لیا تاکہ قحط بھی پلٹ جائے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی طرح بلوغ المرام میں ذکر کیا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 8666)

255- نمازِ استسقاء میں عورت کا اپنی چادر کو پلٹنا

نمازِ استسقاء میں چادر پلٹتے وقت عورت اگر بے پردہ ہوتی ہو اور مرد دیکھ رہے ہوں تو وہ چادر نہ پلٹے، اس لیے کہ یہ عمل سنت ہے اور اجنبی لوگوں کے سامنے بے حجاب ہونا فتنہ اور حرام ہے اور اگر وہ اس سے بے پردہ نہ ہوتی ہو تو ظاہر ہے اس کا حکم بھی مردوں والا ہے، اس لیے کہ یہی اصل ہے، مرد و زن احکام میں سب برابر ہیں، الا یہ کہ ان کے لیے حکم کے اختلاف کی کوئی دلیل آ جائے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 84/13)

---

[1] سنن الدار قطني [66/2] برقم [2]

نفلی نماز

256- نفلی نماز، اس کے اور فرض نماز کے مابین فرق

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر کمال رحمت ہے کہ اس نے فرض نماز کے ساتھ اسی طرح کی نفل نماز بھی مشروع کر دی ہے، نماز کے لیے اسی طرح کی دیگر نفل نمازیں ہیں، زکوۃ کے لیے اسی طرح کے صدقات ہیں، روزے کے لیے روزے اور اسی طرح فریضۂ حج ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بندے زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کما لیں اور اللہ کے مقرب بن جائیں، اور فرائض میں واقع ہونے والی کمی وکوتاہی کی تلافی ہو سکے، اس لیے کہ نوافل ہی کے ساتھ فرائض کو روزِ قیامت مکمل کیا جائے گا۔ نفلی نمازوں میں سننِ راتبہ ہیں جو فرض نمازوں کے ساتھ بالاہتمام ادا کی جاتی ہیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ ہیں اور دو رکعت اس کے بعد، یہ چھ ہیں اور ساری راتبہ ہیں۔ نمازِ عصر کی کوئی سننِ راتبہ نہیں ہیں، مغرب کے بعد دو رکعت ہیں اور عشاء سے پہلے دو رکعت ہیں۔ اسی طرح نمازِ فجر سے پہلے بھی دو رکعت راتبہ ہیں۔ فجر کی سنتوں میں افضل یہ ہے کہ ہلکی پڑھی جائیں، پہلی رکعت میں: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی جائے یا پھر ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا...﴾ [البقرۃ: 136] پہلی میں اور ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ

بَيْنَكُمْ ...﴾ [البقرة: 136] دوسری میں پڑھی جائے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ دو رکعات سفر و حضر میں پڑھی جاتی ہیں اور ان کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے۔ حدیث پاک ہے:

«ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها»[1]

''فجر کی دو سنتیں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہیں۔''

فرض نماز کے نوافل میں سے وتر بھی ہیں اور یہ مؤکد ترین نوافل ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اہل علم نے اس کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے وتر چھوڑا وہ بُرا آدمی ہے اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔'' رات کی نماز کا اختتام انھی پر کیا جائے۔ جسے ڈر ہو کہ آخری رات نہیں اٹھ سکے گا تو سونے سے پہلے وتر پڑھ لے اور جسے امید ہو کہ آخری رات اٹھ جائے گا وہ آخری رات نفلوں کے آخر میں پڑھ لے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اجعلوا آخر صلوٰتكم بالليل وترا»[2]

''وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ۔''

وتر کم از کم ایک رکعت اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعت ہیں۔ کم سے کم مکمل تین رکعت ہیں۔ اگر تین وتر پڑھنا چاہتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ تین وتر ایک ہی تشہد سے پڑھے یا دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے، اور ایک رکعت علیحدہ سے پڑھ لے۔ اور اگر پانچ وتر پڑھتا ہے تو ایک ہی تشہد اور ایک ہی سلام سے پڑھے اور اگر سات پڑھنے کا ارادہ ہے تو بھی ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھے، اور اگر نو کا ارادہ ہے تو آٹھویں رکعت میں تشہد پڑھے، پھر کھڑا ہو

---

[1] صحیح مسلم [725/96]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [998] صحيح مسلم [751/151]

اور نویں رکعت پڑھے، تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے، اس میں دو تشہد اور ایک سلام ہوگا اور اگر گیارہ رکعت پڑھنا چاہتا ہے تو ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتا جائے گا اور گیارہویں رکعت اکیلی پڑھے گا۔ اگر نیند یا بھول کے سبب وتر نہ پڑھ سکے تو دن کے وقت پڑھ لے، لیکن تب جفت کر کے پڑھے گا نہ کہ طاق۔ اگر اس کی عادت تین وتر کی تھی تو دن کے وقت چار پڑھے گا اور اگر پانچ کی روٹین تھی تو قضا میں چھ پڑھے گا، اسی طرح باقی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

«أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا نام عن وتره أو غلبه وجع صلى بالنهار ثنتي عشرة ركعة»[1]

"بے شک رسول اللہ ﷺ جب نیند یا تکلیف کے سبب وتر نہ پڑھ سکتے تو دن کے وقت بارہ رکعت ادا کرتے۔"

فرض اور نفل نماز کے مابین واضح ترین فرق یہ ہے کہ نفل نماز دورانِ سفر میں سواری پر بھی درست ہے، چاہے بغیر ضرورت کے ہو اور سواری چاہے گاڑی ہو یا جہاز ہو یا اونٹ یا کوئی اور ہو، اور اس کے لیے جماعت مشروع نہیں ہے، سوائے معین نمازوں کے، جیسا کہ نماز استسقاء اور گرہن کی نماز ہے، جبکہ ایک قول کے مطابق انھیں سنت قرار دیا جائے۔ اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کبھی کبھار انسان نفل نماز باجماعت ادا کر لے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ بسا اوقات بعض راتوں میں صحابہ کو پڑھا دیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کے ساتھ ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے، ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اور اور ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، اور رمضان میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تین رات با جماعت نمازِ تراویح

[1] صحیح مسلم [746/139]

پڑھائی، پھر اس خوف سے چھوڑ دی کہ لوگوں پر فرض ہی نہ ہو جائے، یہ دلیل ہے کہ قیام رمضان کی جماعت کا اہتمام کرنا مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کیا ہے اور فرض ہونے کے ڈر سے چھوڑ دیا ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایسا کوئی خوف نہیں۔ نمازِ فرض اور نفل کے مابین اور بھی کئی فرق ہیں، جنھیں اہل علم نے بیان کیا ہے جو بیس سے اوپر تک پہنچ جاتے ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 750)

257- نفل نماز کے لیے فرض نماز والی جگہ کو بدلنا

ہمارے علم کے مطابق نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی صحیح حدیث ثابت نہیں جس میں نفل نماز پڑھنے کے لیے جگہ بدلنے کا ذکر ہو، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور بعض سلف صالحین سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ اس لیے معاملہ اس بارے میں وسیع ہے۔

(اللجنة الدائمة: 21672)

258- فجر کی سنتیں

فجر کی سنتیں مؤکدہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ سفر و حضر میں ان کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها» [1]

''فجر کی دو سنتیں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہیں۔''

لہٰذا حصولِ اجر و ثواب اور نبی کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان کی حفاظت کرے۔ (اللجنة الدائمة: 20308)

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [725/96]

259- چاشت کی نماز

نمازِ چاشت سنت ہے، اس کی تعدادِ رکعات کم از کم دو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ افضل یہ ہے کہ آٹھ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیریں اور ایک ہی سلام سے آٹھ پڑھنی درست نہیں ہیں۔ حدیث پاک ہے:

« صلاة الليل و النهار مثنىٰ مثنىٰ »❶

"دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔" (اللجنة الدائمة: 171764)

260- ظہر کی سنتیں

حدیث پاک میں ہے:

« أن النبي صلى الله عليه وسلم لا يدع أربعا قبل الظهر »❷

"نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے چار سنتیں نہیں چھوڑتے تھے۔"

نیز فرمایا:

« من حافظ على أربع ركعات قبل الظهر و أربع بعدها حرمه الله على النار »❸

"جس نے ظہر سے پہلے چار رکعتوں کی اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیں گے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين قبل

---

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [1295]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [1182]

❸ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [1269]

الظهر و ركعتين بعدها»[1]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد پڑھی ہیں۔'' یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

ان احادیث سے مترشح ہوا کہ ایک مسلمان کو ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار چار رکعتیں پڑھنی چاہییں اور جس نے ان سے زیادہ پڑھیں یا کم پڑھیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ ظہر سے پہلے اور بعد کا وقت ایسا ہے جس میں نفلی نماز جتنی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 171764)

261- عصر کی سنتیں

نماز عصر سے پہلے اور نہ بعد میں سننِ مؤکدہ ہیں، اس سے پہلے پڑھی جانے والی نماز مطلق نوافل میں شمار ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے:

« بين كل أذانين صلاة »[2]

''ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔''

عصر کے بعد نماز سے ممانعت کا وقت ہے، اس وقت نفل جائز نہیں، سوائے سببی نمازوں کے جیسا کہ گرہن کی نماز، تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعتیں وغیرہ ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 17856)

262- مغرب کی سنتیں

مغرب سے پہلے نماز مستحب ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

[1] مسند أحمد [6/2]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [624] صحيح مسلم [838/304]

«صلوا قبل المغرب، قالها ثلاثا، ثم قال في الثالثة: لمن شاء»[1]

''مغرب سے پہلے نماز پڑھو، آپ ﷺ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ پھر تیسری بار فرمایا: جو چاہے پڑھے۔''

اور مغرب کے بعد والی دو رکعت نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔

(اللجنة الدائمة: 19136)

263- عشا کی سنتیں

مؤکدہ سنتیں عشا کے بعد دو ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«حفظت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب و ركعتين بعد العشاء، وركعتين قبل الغداة»[2]

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو رکعتیں ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے یاد کیں۔''

اور عصر سے پہلے کی سنتیں مستحب ہیں۔ جمہور اہل علم نے یہی کہا ہے۔ ان کو چھوڑنا ان میں تفریط کا باعث ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ سنتوں کو پڑھنے والا مستحق ثواب اور ان کا تارک قابل ملامت نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 16689)

264- وتر کا حکم اور وقت

وتر سنت مؤکدہ ہے۔ حدیث ہے:

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [1183]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [1126] سنن الترمذي، رقم الحديث [433]

«إن اللّٰه وتر، يحب الوتر فأوتروا يا أهل القرآن»❶

"بے شک اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو ہی پسند کرتا ہے تو اے اہل قرآن وتر پڑھا کرو۔"

اس کا وقت نمازِ عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے اور رات کے آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے، اگر اٹھنے کی امید ہو اور اگر امید نہ ہو تو رات کے شروع حصہ میں ہی پڑھ لے، اگر رات کے آخری حصہ میں قیام کرے تو جتنی آسان ہو نماز پڑھ لے اور دوسری بار وتر نہ پڑھے، کیونکہ اسے پہلا وتر ہی کافی ہے۔ حدیث پاک ہے:

«لا وتران في ليلة»❷ "ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔"

ایک رکعت وتر کافی ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعت یا تیرہ رکعت ہے، ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے اور ایک وتر پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«صلاة الليل مثنیٰ مثنیٰ فإذا خشي أحدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلّى»❸

"رات کی نماز دو رکعت ہے، اگر تم میں سے کوئی ایک صبح سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ پہلی نماز کو وتر بنا دے گی۔"

(اللجنة الدائمة: 16044)

265- فجر طلوع ہوگئی اور وہ رات کی روٹین کی نماز نہ پڑھ سکا

اگر اس کی رات کی نماز رہ گئی یا وتر فوت ہو گئے تو چاشت کے وقت پڑھ

---

❶ صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [453]

❷ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [1439]

❸ صحيح مسلم [881/67]

لے اور وتر کو جفت بنا لے۔ اگر اس کی عادت رات کو پانچ رکعت پڑھنے کی تھی تو دن کو چھ پڑھے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے، اور اگر اس کی عادت گیارہ رکعت کی تھی تو بارہ پڑھے اور ہر دو پر سلام پھیر دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وتر سے نیند یا مرض مشغول کر دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ (اللجنة الدائمة: 20756)

266- مسجد میں باجماعت نمازِ وتر کا حکم

مسجد ہو یا کوئی اور جگہ نمازِ وتر کی جماعت پر ہمیشگی اور مداومت جائز نہیں، سوائے رمضان میں نمازِ تراویح کے، اس کے علاوہ ہر کوئی تنہا اپنا وتر پڑھے۔ افضل یہ ہے کہ وتر پچھلی رات ہو الا یہ کہ کوئی پچھلی رات اٹھنے کی امید نہ رکھتا ہو تو وہ پہلی رات پڑھ لے۔ (اللجنة الدائمة: 17758)

267- ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے

اگر پہلی رات وتر پڑھ چکا ہے اور آخری رات بھی بیدار ہوگیا تو جتنی میسر ہے وہ نماز پڑھ لے لیکن وتر کا اعادہ نہ کرے بلکہ شروع رات کے وتر ہی پر اکتفا کرے، اور اگر اسے پچھلی رات اٹھنے کی امید ہو تو وہ وتر مؤخر کر لے۔ حدیث میں اس کی ترغیب موجود ہے:

«اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترا»[1]

''رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔'' (اللجنة الدائمة: 16402)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [472] صحيح مسلم [751/151]

268- نماز وتر میں دعاءِ قنوت چھوڑنے کا حکم

دعاءِ قنوت مستحب ہے، اسے چھوڑنا جائز ہے لیکن پڑھنا افضل ہے، اور جس نے اسے ترک کیا اس کی نماز صحیح ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17972)

269- قنوت کی جگہ

مشروع ہے کہ قنوت آخری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھی جائے۔

(اللجنة الدائمة: 14197)

270- دعاءِ قنوت میں ہاتھ اٹھانے کا حکم

دعا کی حالت میں قنوت وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا سنت سے ثابت ہے سوائے اس کے جہاں ہاتھ نہ اٹھانے کی دلیل ہو جیسا کہ نمازِ پنجگانہ کے بعد۔ نیز سلام سے پہلے اور بعد بوقتِ دعا ہاتھ اٹھانا ناجائز ہے، اسی طرح خطبۂ جمعہ و عیدین میں خطیب ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرے گا کیونکہ نبی ﷺ نے ان مواقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، سوائے دعا استسقاء کے، اس طرح دعاءِ استسقاء میں جب امام ہاتھ اٹھائے تو مقتدی بھی اٹھائیں۔ (اللجنة الدائمة: 17972)

271- نماز فجر میں قنوت کا حکم

قنوت وتر میں مستحب ہے۔ نمازِ فجر میں صرف مصائب کے وقت مشروع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صرف آلام میں ہی قنوت کی ہے، یہ جمہور علماء کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ اگر وتر میں اکیلا ہی قنوت کر رہا ہے تو آہستہ پڑھے اور اگر امام ہے تو اونچی آواز سے پڑھے تاکہ مقتدی سن کر آمین کہہ سکیں۔ (اللجنة الدائمة: 16988)

272- دعاءِ قنوت میں تکلف کرنا

دعا کرنے والے کے لیے مشروع ہے کہ دعا میں تکلف اور سجع کلامی سے بچے، دعا کی حالت میں کمال عاجزی و انکساری اور خشوع و خضوع کا اظہار کرے، اس طرح دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح دعا کرنے والے کو چاہیے کہ دعا قرآن مجید کے مشابہ قواعد، تجوید اور خوبصورت سے نہ مانگے۔ نبی کریم ﷺ اور عملِ صحابہ سے اس طرح دعا ثابت نہیں اور دعا اتنی طویل نہ کرے کہ مقتدی اکتا جائیں بلکہ تخفیف سے کام لے اور جامع دعائیں پڑھے، یہ مسنون طریقہ ہے۔ (اللجنة الدائمة: 21263)

273- نمازِ تراویح میں مقتدی کا مصحف سے دیکھ کر قراءت سننا

مقتدی مرد ہو یا عورت تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر امام کی قراءت نہیں سن سکتا، اس لیے کہ بلا ضرورت یہ چیز اسے نماز سے مشغول کر رہی ہے۔ یہ نیا فیشن ہے جسے آج بعض نوجوان نے اپنا لیا ہے۔ سلف صالحین سے یہ ثابت نہیں ہے، اسے ترک کرنا اور اس سے روکنا واجب ہے، بوقتِ ضرورت امام کے تراویح میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے تو مقتدی کے لیے جواز کیسے ہوسکتا ہے؟ (الفوزان: المنتقی: 99)

274- نمازِ تراویح کی چار رکعت کے بعد سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم

تراویح کی چار رکعت کے بعد سورۂ اخلاص پڑھنا اور بالتکرار تین بار پڑھنا بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ حدیث پاک ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد» [1]

''جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔'' (اللجنة الدائمة: 20903)

275- نمازِ تسبیح

نمازِ تسبیح غیر مشروع ہے، اس لیے کہ اس بارے میں وارد شدہ حدیث نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ پھر اس کی شکل و صورت اور الفاظ بھی عام نمازوں سے مختلف ہیں۔ نیز جو نمازیں احادیث سے ثابت ہیں وہی کافی ہیں اس نماز کی ضرورت نہیں جو بالکل ہی علیحدہ ہے۔ (اللجنة الدائمة: 16250)

276- سجدۂ تلاوت

سجدۂ تلاوت کے لیے با وضو ہونا شرط نہیں ہے، نہ ہی اس سے سلام پھیرتے ہیں اور علماء کے صحیح قول کے مطابق سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر بھی نہیں کہتے، البتہ سجدہ کرتے وقت تکبیر کہنا مشروع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے۔ اور اگر سجدۂ تلاوت نماز میں آجائے تو سجدہ کرتے وقت اور اٹھتے وقت تکبیر کہیں گے کیونکہ نبی کریم ﷺ نماز میں جب بھی جھکتے یا اٹھتے تکبیر کہتے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«صلوا كما رأيتموني أصلي» [2]

''اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے تم نے دیکھا ہے۔''

نیز احادیث کے عموم سے عیاں ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت میں بھی وہی ذکر و دعا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [605]

مشروع ہے جو عام نماز کے سجدہ میں مشروع ہے۔ اس میں سے درج ذیل دعا ہے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُّ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُدْرَتِهِ، وَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ» ❶

''الٰہی! میں نے تیرے لیے ہی سجدہ کیا ہے، تجھ پر ہی ایمان لایا اور صرف تیرے لیے مطیع و منقاد ہوا، میرا چہرہ اس ذات کے لیے سجدہ ریز ہوا جو اس کا خالق و مصور ہے، جس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حسن تصرف سے اس کا کان اور آنکھیں بنائیں، اللہ تعالیٰ با برکت ہے جو سب سے اچھا خالق ہے۔''

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ذکر اپنی نماز کے سجدہ میں کیا کرتے تھے۔ سجدۂ تلاوت کے متعلق ایک دعا ہے:

«اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَامْحُ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ» ❶

''یا اللہ! اس سجدے کے بدلے مجھے اجر و ثواب عطا فرما، میرا گناہوں کا بوجھ اتار دے، اسے میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دے اور اسی طرح قبول فرما لے جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داود علیہ السلام سے قبول فرمایا تھا۔''

---

❶ **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث [760] سنن الترمذي، رقم الحديث [3421] سنن النسائي، رقم الحديث [1126] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1054]

❷ ~~**حسن**. سنن الترمذي، رقم الحديث [579]~~

سجدۂ تلاوت میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" کہنا اسی طرح واجب ہے، باقی ذکر و دعا مستحب ہے۔ نیز سجدۂ تلاوت نماز کے اندر ہو یا باہر سنت ہے، واجب اور فرض نہیں ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں اسی طرح ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 406/11)

277- کیسٹ سے تلاوت سنتے وقت سجدۂ تلاوت کا حکم

کیسٹ سے سن کر سجدۂ تلاوت نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ سننے والا صرف اسی وقت سجدہ کرے گا جب قاری سجدہ کرے گا اور قاری یہاں سرے سے موجود ہی نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 18855)

278- سجدۂ شکر

جب ایک مسلمان کی نیک خواہش اور آرزو پوری ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتا ہے، اسی طرح کسی مصیبت سے جو آن پڑی تھی یا آنی چاہتی تھی نجات مل جائے، پھر بھی سجدۂ شکر ادا کرنا مشروع ہے۔ یہ ایک سجدہ ہے، اس میں تسبیح پڑھے اور حصول نعمت اور زوال مصیبت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے، اس کے لیے باوضو ہونا شرط نہیں ہے۔

(اللجنة الدائمة: 14216)

279- دعاءِ استخارہ کے وقت ہاتھ اٹھانا

دعاءِ استخارہ کے وقت آپ ہاتھ اٹھا سکتے ہیں، اس لیے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب دعا فرماتے تو ہاتھ اٹھا لیتے۔ (اللجنة الدائمة: 16729)

280- استخارہ اور خواب کا کوئی تعلق نہیں

لوگوں میں عام مشہور ہے کہ استخارہ کے بعد خواب میں سب کچھ بتلا دیا جاتا ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ استخارہ کے بعد اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں دل مطمئن اور شرح صدر ہو جاتا ہے اور بس۔

(اللجنة الدائمة: 16729)

مسافر کی نماز

281- کتنے سفر پر قصر اور نمازوں کو جمع کیا جائے؟

نمازِ قصر کے لیے سفر اسّی کلو میٹر یا اس سے زیادہ مسافت کا ہونا چاہیے، اور یہ اونٹ کے دو دن کی مسافت کے برابر ہے۔[1] (اللجنة الدائمة: 15453)

282- مسافر کی نماز کا طریقہ

مسافر کی نماز بھی مقیم کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی اور اگر ضرورت ہو تو دو نمازوں کو جمع بھی کر سکتا ہے، خصوصاً جب سفر میں جلدی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 17164)

283- عصر کو مغرب کے ساتھ جمع کرنا

مسافر کے لیے مشروع ہے کہ ظہر کو عصر کے ساتھ جمع کرے، چاہے جمع تقدیم ہو یا تاخیر، اسی طرح مغرب کو عشاء کے ساتھ، لیکن عصر کو مغرب کے ساتھ جمع کرنا مشروع نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کرنا جائز ہے۔

(اللجنة الدائمة: 15698)

[1] صحیح مسلم [691] کی حدیث کے مطابق نمازِ قصر کی مسافت تیئس یا چوبیس کلو میٹر ظاہر ہوتی ہے۔ [مترجم]

284- مسافر کا مقیم کی اقتدا میں نماز ادا کرنا

مسافر جب مقیم کی اقتدا میں نماز ادا کرے تو پوری نماز پڑھے گا، قصر نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو نماز کا اعادہ لازم آئے گا۔ (اللجنة الدائمة: 13840)

285- اس مسافر کی نماز جو چار دن سے زیادہ اقامت کی نیت کرتا ہے

جو چار دن سے زیادہ اقامت کا عزم رکھتا ہے اس کے لیے مکمل نماز پڑھنا واجب ہے اور جمعہ کے لیے قریب کی مساجد میں جائیں گے۔ مسافر لوگ علیحدہ سے اس کا اہتمام نہ کریں بلکہ دیگر رہائشیوں کے ساتھ ادا کریں، عمومی دلائل اسی کے متقاضی ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 14524)

286- مسافر کے لیے سنتیں لازم نہیں ہیں

قصر نماز پڑھنے والے مسافر کے لیے سنتیں مشروع نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ سفر میں جب قصر نماز پڑھتے تو سنتیں نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله»[1]

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہا آپ ﷺ دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، حتی کہ وفات پا گئے۔''

البتہ فجر کی سنتیں آپ ﷺ سفر و حضر میں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح وتر اور تہجد بھی۔ (اللجنة الدائمة: 18083)

[1] صحيح البخاري رقم الحديث [1102] صحيح مسلم [689/8]

احکامِ مساجد

287- مسجد کی تعریف

لغت میں سجدہ والی جگہ کو مسجد کہتے ہیں جبکہ شرعی اصطلاح میں "ہر وہ جگہ جسے مسلمانوں کی نمازِ پنجگانہ باجماعت ادا کرنے کے لیے بنایا گیا ہو، مسجد کہتے ہیں۔" کبھی اس سے مراد عام وسیع معنی ہوتا ہے اور اس طرح گھر میں نفل ادا کرنے کے لیے یا عذرِ شرعی کے وقت فرض ادا کرنے کے لیے جو جگہ مخصوص کی جاتی ہے، اسے بھی مسجد کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں حدیث پاک ہے:

« أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي، نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجدا و طهوراً، فأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل »[1]

"میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں، مجھ سے پہلے وہ کوئی بھی نہیں دیا گیا، ایک مہینہ کی مسافت پر ہی میرا رعب پڑ جاتا ہے، ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنا دی گئی ہے، سو میرے کسی بھی امتی کو کہیں بھی نماز کا وقت ہو جائے تو وہ وہیں نماز پڑھ سکتا ہے۔"

(اللجنة الدائمة: 1319)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [335]

288- ایسی مسجد جو چوری یا سود کے مال کی ملاوٹ سے تعمیر شدہ ہو اس میں نماز پڑھنے کا حکم

ایسی مسجد میں نماز پڑھنی جائز ہے، سود خور اور چور کا گناہ اس کی ذات کو ہے۔ (اللجنة الدائمة: 7720)

289- مسجد کے نیچے دوکانیں

مسجد کی ضروریات اور مصالح کے لیے مسجد کے نیچے دوکانیں وغیرہ بنانا درست ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2156)

290- مسجد میں سونے کا حکم

مسجد میں سونا حرام نہیں ہے لیکن جنبی مسجد میں ٹھہر نہیں سکتا جبکہ اسے معلوم بھی ہو، حتی کہ غسل کر لے۔ یہی حکم حیض اور نفاس والی عورت کا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 10768)

291- مسجد میں خرید و فروخت کرنا

مسجد میں خرید و فروخت اور دوسری چیزوں کا اعلان درست نہیں ہے اور نہ ہی ایسے ہالوں میں جو نماز کے لیے مخصوص ہیں اور مسجد کے تابع ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إذا رأيتم من يبيع أو يبتاع في المسجد فقولوا: لا أربح الله تجارتك» [1]

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [1321]

''جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد میں خرید و فروخت کر رہا ہے تو کہو اللہ تعالیٰ تجھے خسارہ ڈالے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

《من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل: لا ردها الله عليك》[1]

''جس نے کسی ایسے شخص کو سنا جو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو وہ کہے: اللہ کرے تجھے یہ چیز نہ ملے۔''

کمروں کے بارے میں تفصیل ہے۔ اگر انھیں خرید و فروخت اور اعلان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور یہ مسجد کی چار دیواری کے اندر ہیں تو ان کا حکم بھی مسجد والا ہے، یعنی یہاں یہ امور درست نہیں، اور اگر یہ مسجد سے باہر ہیں اگرچہ دروازے ان کے مسجد میں ہی کھلتے ہوئے تو وہاں یہ چیزیں درست ہیں اور تب ان کا حکم بھی مسجد والا نہیں ہوگا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا گھر جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رہائش پذیر تھیں اس کا دروازہ بھی مسجد میں ہی تھا لیکن اس کا حکم مسجد والا نہیں تھا۔ (اللجنة الدائمة: 11967)

292- مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا

مسجد کے اندر گمشدہ چیز کا اعلان کرنا ناجائز ہے، خواہ وہ چیز کوئی سامان، جانور یا انسان ہو، کیونکہ اس بارے میں حکم امتناعی عام ہے۔

(اللجنة الدائمة: 13369)

[1] صحيح مسلم [568/79]

تیسری قسم

جنازے کے احکام

1. وقت۔
2. میت کو غسل دینا۔
3. میت کو کفن دینا۔
4. نمازِ جنازہ۔
5. میت کو اٹھانا اور دفن کرنا۔
6. زیارتِ قبور۔
7. تعزیت کے مسائل۔

موت کے وقت

293- موت کی آرزو کرنا جائز نہیں ہے

موت طلب کرنا اور اس کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« لا يتمنين أحدكم الموت لضر نزل به فإن كان لا بد متمنيا، فليقل: اَللّٰهُمَّ! أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّي »[1]

''تم میں سے کوئی ایک کسی نازل شدہ مصیبت کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرنے لگ جائے۔ اگر اس نے یہ تمنا ضرور ہی کرنی ہے تو کہے: اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے فوت کر لے جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔''

رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ہے:

« اَللّٰهُمَّ! بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّي »[2]

''یا اللہ! تجھے تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کا واسطہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5671] صحيح مسلم [2680/10]

[2] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [1305]

وفات دے دینا جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔"

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 92/13)

294- جس کی موت کا وقت قریب ہو اسے کیا تلقین کی جائے؟

اسے کہا جائے کہ "لا إله إلا الله" پڑھو۔ اے فلاں! اپنے رب کو یاد کرو۔ جب وہ کہہ دے تو کافی ہے، اسے کلمہ شہادت پڑھنے پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر قریب المرگ انسان کے پاس اللہ کا نام لیا جائے اور سن کر وہ بھی کہہ دے تو یہی کافی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 93/13)

295- قریب المرگ آدمی کے پاس سورۂ یٰسین پڑھنا

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«اقرؤا علی موتاکم یٰسین» [1]

"اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو۔"

ایک جماعت نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ روایت ابو عثمان النہدی نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے، جبکہ دوسرے علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور وضاحت کی ہے کہ اس کا راوی ابو عثمان النہدی نہیں بلکہ کوئی اور مجہول راوی ہے تو اس مسئلہ کی حدیث ابو عثمان نامی راوی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے، چنانچہ سورۂ یٰسین مُردوں پر نہ پڑھی جائے، لیکن دوسروں نے حدیث کو صحیح سمجھتے ہوئے اس سورہ کی قراءت کو یہاں مستحب کہا ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مریض کے پاس

[1] ضعیف. سنن أبي داود، رقم الحدیث [3121]

قرآنِ مجید کی تلاوت کرنا ایک مستحسن عمل ہے، شاید اللہ تعالیٰ اسے صحت یاب کر دے لیکن اس ضمن میں سورۂ یٰسین کی تخصیص کرنا اور اسے ہی پڑھنا اس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس بارے میں حدیث ضعیف ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 93/13)

غسلِ میت

296- میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا

خاوند اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

«لو مت قبلي لغسلتك» [1]

''اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو میں تجھے غسل دوں گا۔''

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ انھیں ان کی بیوی حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا غسل دیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 53)

297- والدین کا چھوٹے بچے کو غسل دینا

باپ اپنی بیٹی کو غسل دے سکتا ہے جبکہ وہ سات سال سے کم عمر میں وفات پا جائے اور ماں اپنے بیٹے کو غسل دے سکتی ہے جبکہ وہ سات سال سے کم عمر میں وفات پا گیا ہو۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جب وفات پا گئے تو انھیں ایک عورت نے غسل دیا تھا کیونکہ سات سال سے کم عمر میں ستر کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 53)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1465]

298- خاوند کا اپنی اس بیوی کو غسل دینا جسے وہ طلاق رجعی دے چکا ہے

اگر طلاقِ رجعی ہو یعنی پہلی یا دوسری تو کوئی حرج نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 110/13)

299- میت کو غسل دینے کا طریقہ

یہ ہے کہ غسل اوجھل جگہ پر دیا جائے، جہاں کوئی دیکھ نہ سکے اور وہاں صرف وہی ہو جو غسل دے رہا ہے یا جو اس کا معاون ہے۔ پھر اس کے کپڑے اتارے جائیں اور شرمگاہ پر کوئی کپڑا رکھ دیا جائے، غسل دینے والے بھی نہ دیکھیں، پھر شرمگاہ کو صاف کرے، پھر اسے نماز جیسا وضو کروایا جائے۔ ہاں اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے ناک اور منہ میں پانی نہ ڈالا جائے، کپڑا بھگو کر اس کے دانتوں پر مَل دیا جائے، اسی طرح ناک کے اندر بھی۔ پھر اس کے سر کو دھویا جائے اور بعد ازاں سارے جسم کو تر کر دیا جائے، دائیں جانب سے شروع کیا جائے اور پانی میں بیری کے پتے ملا لیے جائیں۔ سر اور داڑھی کو اچھی طرح دھویا جائے، آخری غسل میں کافور یا کوئی اور خوشبو استعمال کی جائے، جن عورتوں نے نبی کریم ﷺ کی بیٹی کو غسل دیا آپ ﷺ نے انھیں فرمایا:

«اجعلن في الغسلة الأخيرة كافورا أو شيئا من كافور» [1]

”آخری غسل میں کافور یا کافور جیسی کوئی چیز شامل کرو۔“

پھر اسے صاف کریں اور کفن پر رکھ دیں۔ میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ اس کو سرانجام دے دیں تو باقی سے ساقط ہو جاتا ہے، اس بنا پر جو اس کا اہتمام کرے گا وہ فرض کفایہ کا اہتمام کرے گا اور اسے فرض والا اجر و

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1253] صحيح مسلم [939/36]

ثواب ملے گا۔ میت کو غسل محض وہی دے جو شرعی غسل کے طریقہ کو جانتا ہے، نیز طلبہ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ اس سے اہم چیز کے ساتھ مشغول ہیں اور غسل میت کے لیے دیگر لوگ، جو ذمہ دار ہیں، کفایت کر جائیں گے۔ البتہ طلبہ کو طریقہ بتایا اور سکھلایا جائے تاکہ انھیں خوب بصیرت حاصل ہو جائے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 54)

300- میت کو غسل دیتے وقت صابن کا استعمال

میل کچیل صاف کرنے کے لیے صابن استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ صابن بھی اشنان بوٹی کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بہتر ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 59)

301- میت کے سونے کے دانت اتارنا

اگر فوت ہونے والے کے سونے یا چاندی کے دانت ہوں اور انھیں اتارنا آسان نہ ہو تو انھیں چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں چاہے وہ مقروض ہو یا غیر مقروض ہو، ممکن ہے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ورثاء یا قرض کے لیے اتار لیے جائیں اور اگر با سہولت اتر سکتے ہیں تو اتارنا واجب ہے کیونکہ یہ مال ہے اور باوجود قدرت کے اس کا ضیاع درست نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 115/13)

میت کو کفن دینا

302- میت کو کفن دینے کا طریقہ

مرد کو تین سفید کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو انھیں میں کفن دیا گیا اور اگر ایک ہی کپڑے میں، جو سارے بدن کو ڈھانپ رہا ہو، کفن دیا جائے تو کافی ہے اور اگر قمیض، تہبند اور لفافے میں کفن دیا جائے تو بھی جائز ہے۔ البتہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا افضل ہے: تہبند، دوپٹہ، قمیض اور دو لفافے۔ اس بارے میں احادیث بھی ہیں اور اگر اس سے کم کپڑوں میں کفن دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 127/13)

303- احرام والی عورت کے کفن کا طریقہ

اسے بھی دیگر عورتوں کی طرح کفن دیا جائے، تہبند، قمیض، دوپٹہ اور دو لفافے۔ اس کے چہرے کو بغیر نقاب کے ڈھانپا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے احرام والی عورت کو نقاب پہننے سے منع کیا ہے۔ اسے خوشبو بھی نہ لگائی جائے کیونکہ وہ احرام میں ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 128/13)

نمازِ جنازہ

304- نمازِ جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ

امام مرد کے سر کے برابر اور عورت کے درمیان کھڑا ہوگا، چاہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ چھوٹے بچے کے سر کے برابر اور چھوٹی بچی کے درمیان کھڑا ہوگا۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 72)

305- متعدد جنازوں کا جمع ہوجانا

جب کئی جنازے جمع ہوجائیں تو ان پر ایک ہی نماز پڑھی جائے گی، مردوں کو عورتوں سے مقدم کیا جائے گا اور بچے کو عورت سے مقدم کیا جائے گا۔ اگر مرد بالغ، بچہ نابالغ، عورت بالغہ اور بچی غیر بالغہ کے جنازے ہوں تو ترتیب یوں ہوگی، مرد بالغ، پھر بچہ غیر بالغ، پھر عورت بالغہ اور پھر بچی غیر بالغہ، نیز عورت کا درمیان مرد کے سر کے برابر ہوگا اور اگر ایک ہی جنس سے ہوں مثلاً صرف مردوں کے ہی جنازے ہوں تو امام کی جانب اسے رکھیں گے جو زیادہ عالم ہے، کیونکہ شہداءِ احد کو لحد میں اتارتے وقت آپ ﷺ حکم دے رہے تھے کہ جو زیادہ قرآن جانتا ہے اسے لحد میں پہلے رکھو، لہٰذا عالم کو امام کی جانب مقدم کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 73)

306- نمازِ جنازہ کا طریقہ

یہ ہے کہ امام تکبیر کہے، تعوذ و تسمیہ پڑھے اور فاتحہ کی قراءت کرے۔ فاتحہ کے ساتھ چھوٹی سی صورت جیسا کہ الاخلاص، العصر یا کچھ آیات پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے۔ پھر دوسری تکبیر کہے اور ویسا ہی درود پڑھے جیسا آخری تشہد میں پڑھتا ہے، پھر تیسری تکبیر کہے اور میت کے لیے وہی مشہور دعا پڑھے۔ مرد کے لیے دعا کے الفاظ مذکر اور عورت کے لیے مؤنث استعمال کرے۔ متعدد جنازے ہوں تو جمع کی ضمیر استعمال کرے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر دائیں جانب ایک ہی سلام پھیرے، دعا اِستفتاح کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اسے چھوڑنا افضل ہے، کیونکہ حدیث ہے:

«أسرعوا بالجنازة» ”جنازے میں جلدی کرو۔“

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 140/13)

307- ساقط ہوجانے والے بچے کی نمازِ جنازہ کا طریقہ

اگر ماں کے پیٹ میں بچہ چار ماہ یا زیادہ مدت کا ہو چکا تھا اور پھر حمل ساقط ہوگیا تو اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، کیونکہ اس میں روح پھونک دی گئی تھی اور اگر وہ چار ماں سے پہلے ساقط ہوگیا ہے تو اسے ویسے ہی دفن کر دیا جائے گا کیونکہ اس میں روح نہیں پھونکی گئی اور نہ ہی اس حالت میں وہ جنازے کا حکم اخذ کر سکے گا۔

(الفوزان: المنتقیٰ: 333)

میت کو اٹھانا اور دفن کرنا

308- میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ

حدیث کی روشنی میں میت کو قبر کی ٹانگوں والی طرف سے قبر میں رکھا جائے گا اور پھر قبر کے سر والی جانب لے جا کر دائیں پہلو لٹا کر اس کا رخ قبلہ جانب کر دیا جائے گا، یہی افضل ہے، میت کو قبر میں اتارنے والے کے لیے مسنون ہے کہ وہ کہے: "بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ" اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر۔" (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 191/13)

309- قبر کے درمیان بلند نشانی رکھنا

یہ غیر مسنون ہے، سنت یہ ہے کہ قبر چھپا دی جائے اور ایک بالشت کے برابر بلند کی جائے، اس بارے میں مردوں اور عورتوں کے مابین کوئی فرق نہیں لیکن نشانی رکھنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ قریبی رشتہ دار زیارت کے لیے آئیں تو اسے پہچان سکے، اس کے لیے پتھر کی تخصیص کی کوئی دلیل اور اصل نہیں ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 661)

310- میت کو قبر میں رکھتے وقت قبر میں اذان و اقامت کہنے کا حکم

اس عمل کے بدعت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی برہان نازل نہیں کی، اس لیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، اور خیر ساری کی ساری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی میں ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ [التوبة: 100]

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ» [1]

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔''

دوسرے الفاظ یہ ہیں:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد» [2]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں فرمایا کرتے تھے:

«خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة» [3]

''یقیناً سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]
3. صحيح مسلم [876/43]

ہدایت محمد (ﷺ) کی ہدایت ہے، بدعتی کام سب سے برے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 196/13)

311- دفن کرتے وقت میت کی طرف سے صدقہ کرنا

موت کے وقت میت کی طرف سے صدقہ کرنا مشروع نہیں ہے، اس خاص حالت میں صدقہ کی کوئی دلیل شریعت میں نہیں ہے اور عبادات توقیفی ہوتی ہیں۔ ہاں اگر موت کے وقت کی قید لگائے بغیر میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ نیکی ہے اور صدقہ کرنے والے اور میت دونوں کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت فوت ہوگئی، اس کے بیٹے نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے ثواب ملے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((نعم)) [1] "ہاں"

میت کو صدقہ اور دعا کے ذریعے فائدہ پہنچانے پر علماء کا اجماع ہے، اور اجرت کے ساتھ پڑھائی کرنا جائز نہیں، چاہے زندہ کے لیے ہو یا فوت شدہ کے لیے کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسی تلاوتِ قرآن کی اجرت لینا حرام ہے، اس بارے میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد)) [2]

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔"

اسی طرح فوت شدگان اور زندوں کے لیے پڑھائی کرنا چاہے اجرت

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1388] صحيح مسلم [1004/51]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

کے بغیر ہی ہو، شریعت میں اس کی کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 207/13)

312- مرد اور عورت کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا

جب کوئی ایسی صورتحال پیش آجائے جیسا کہ طاعون اور قتل کثیر ہو تو ضرورت کے پیش نظر اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 212/13)

زیارتِ قبور

313- عورت کے لیے قبروں کی زیارت کا حکم

عورتوں کے لیے زیارتِ قبور جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی بہت زیادہ زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔[1]

اور عورتیں فتنہ ہیں، اس میں صبر بھی کم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور احسان ہے کہ اس نے عورتوں پر قبروں کی زیارت کو حرام قرار دے دیا ہے تا کہ نہ خود فتنہ میں مبتلا ہوں اور نہ کسی کو مبتلا کریں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 325/13)

314- قبر پر درخت کی ٹہنی یا شاخ رکھنا

ہمارے لیے یہ ناجائز ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں:

1. ہمیں یہ نہیں پتہ چل سکتا کہ اسے عذاب ہو رہا ہے اور نبی کریم ﷺ کا معاملہ وحی سے منسلک ہے۔
2. اگر ہم ایسا کریں گے تو گویا میت کے بارے میں سوءِ ظن رکھیں گے کہ اسے عذاب ہو رہا ہے حالانکہ وہ اللہ کی نعمتوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے مرنے سے پہلے کثیر اسبابِ مغفرت میں سے کسی سبب کا مستحق ٹھہر گیا ہو اور رب العالمین نے اس کے گناہوں پر قلم عفو پھیر دیا ہو، تب وہ لائق

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1056]

عذاب تو نہ ہوگا۔

③ سلف صالحین جو دین و شریعت کو ہم سے زیادہ سمجھنے والے تھے یہ استنباط ان کے خلاف ہے، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا تو ہم کیونکر کر سکتے ہیں؟

④ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بہتر بات کی تعلیم دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے، ٹھہرتے اور فرماتے:

«استغفروا لأخيكم واسألوا له التثبيت فإنه الآن يسأل» [1]

''اپنے بھائی کے لیے دعاءِ مغفرت اور ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اس سے اب سوالات کیے جائیں گے۔''

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 981)

315- مسئلہ

سوال درج ذیل حدیث: «من زار قبر والديه أو أحدهما كل جمعة غفرله و كتب بارا» [2] ''جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ والے دن کی اس کی بخشش کردی جائے گی اور وہ نیکو کار لکھ دیا جاتا ہے۔'' کے پیشِ نظر جمعہ کے دن کو زیارت کے لیے مخصوص کرنا درست ہے؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سخت ضعیف ہے، قابل احتجاج نہیں۔ دوسری یہ کہ قبروں کی زیارت ہر وقت مشروع ہے، کوئی ایسی دلیل نہیں جو جمعہ یا کسی اور دن کو خاص کرتی ہو۔ سلیمان بن بریدا اپنے والد سے بیان کرتے ہیں:

---

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [3221]

[2] موضوع. سنن البيهقي [201/6]

«كان رسول الله صلى عليه وسلم يعلمهم إذا خرجوا إلى المقابر أن يقولوا: اَلسَّلَامُ عَلیٰ أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ» ❶

”رسول اللہ ﷺ انھیں تعلیم دیا کرتے کہ جب قبرستان کی طرف جائیں تو وہاں کہیں: مومن اور مسلمان گھر والوں پر سلامتی ہو، یقیناً ہم بھی تمھارے ساتھ ملنے والے ہیں، میں تمھارے اور اپنے لیے عافیت کا سوال کرتا ہوں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی قبروں کے پاس سے گزرے، ان کی طرف رخ کیا اور دعا کی:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ! يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ» ❷

”اے قبروں والو! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ تمھیں اور ہمیں معاف کرے، تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمھارے پیچھے آرہے ہیں۔“

اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا اور کہا کہ یہ حدیث ”حسن“ ہے۔

(اللجنة الدائمة: 7777)

316- قبروں کی زیارت کے لیے عیدین کی تخصیص

مجھے اس کی دلیل کا علم نہیں، سنت یہ ہے کہ جب آسانی ہو قبروں کی زیارت کرلے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 337/13)

❶ صحيح مسلم [975/104]

❷ ضعيف. سنن الترمذي، رقم الحديث [1053]

317- قبروں کے درمیان رہائش اختیار کرنا

ایسے لوگوں کو روکا جائے اور تعلیم دی جائے، یہ برائی اور قبروں کی اہانت ہے۔ اگر قبروں کے پاس نماز پڑھتے ہیں تو ان کی نماز باطل ہے۔ قبروں کے مجاور بن کر بیٹھنا بھی ناجائز ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

«لا تصلوا إلى القبور ولا تجلسوا عليها»[1]

''قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور نہ ہی ان پر بیٹھو۔''

اور فرمایا:

«لعن اللّٰه اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبياءهم مساجد»[2]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''وہ جن خرافات کا ارتکاب کرتے ہیں انھیں ان سے روکا جائے۔''

اسے امام بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے۔

---

[1] صحیح. سنن النسائي، رقم الحديث [760]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1330] صحيح مسلم [529/19]

تعزیت کے احکامات

318- تعزیت کا طریقہ

تعزیت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو نبی ﷺ نے اپنی بیٹی سے اس وقت کہے جب اس کی بچی یا بچہ قریب الوفاۃ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک پیغامبر کو یہ کہہ کر بھیجا:

« مُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَ لْتَحْتَسِبْ، فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى » ❶

”اسے میری طرف سے تلقین کرو کہ صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے کیونکہ اللہ ہی کے لیے ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کے لیے ہے جو اس نے باقی رکھا اور ہر چیز اس کے پاس ایک مقرر وقت تک ہے۔“

لوگوں میں یہ الفاظ بھی مشہور ہیں:

«عَظَّمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ وَأَحْسَنَ عَزَاءَكَ وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ»

اسے بعض علماء نے ذکر کیا ہے لیکن مسنون الفاظ زیادہ بہتر ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 692)

319- تعزیت کا وقت

میت کے فوت ہونے سے لے کر تعزیت کا وقت شروع ہوتا ہے اور اگر

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [1284] صحيح مسلم [923/11]

موت کے علاوہ کوئی پریشانی ہے تو اس پریشانی کے آنے سے لے کر یہاں تک کہ وہ مصیبت بھول جائے اور مصیبت زدہ کا دل پرسکون ہو جائے۔ تعزیت کا مقصد بھی یہی ہے کہ پریشان حال کو حوصلہ دیا جائے اور اجر و ثواب کی امید رکھی جائے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 792)

320- تعزیت کے لیے عورتوں کا اکٹھا ہونا

واضح رہے کہ تعزیت کوئی فنکشن نہیں ہے کہ لوگ یہاں جمع ہوں اور رات بسر کریں۔ سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ آگ روشن کرتے ہیں اور مرگ والا گھر کوئی شادی بیاہ کی تقریب کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے، حالانکہ اصلی مقصد تو سوگواران کو تسلی تشفی دینا ہے اور یہ ظاہری و حسّی چیزوں سے ممکن ہے۔ اسے یقین دہانی کروائی جائے کہ جو رنج اسے پہنچا ہے، وہ چوک نہیں سکتا تھا اور جو اسے نہیں پہنچا وہ اسے پہنچ بھی نہیں سکتا تھا، یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی کو پیغامبر کے توسط سے تلقین فرمائی کہ ''صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے یقیناً وہ اللہ ہی کا تھا جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا کیا اور ہر چیز اس کے پاس ایک مقرر وقت تک کے لیے ہے۔'' یہ تسلی ہے، اس سے مقصود فرحت کا اظہار نہیں ہے۔

سوگوار سے کہنا چاہیے: اے بھائی صبر کر، ثواب کی امید رکھ، یہ دنیا ہے اور اللہ کی بادشاہت ہے، اسی کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا، ہر چیز کا وقت مقرر ہے، اس سے آگے اور پیچھے نہیں ہو سکتا۔ جس اجتماع اور اکٹھ کی طرف آپ ﷺ نے سوال میں اشارہ کیا ہے وہ غیر مشروع ہے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میت کے گھر میں اکٹھ کرنا اور ان کے لیے کھانا تیار کرنا نوحہ شمار کرتے تھے اور یہ

کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ہاں قریبی رشتہ دار تھوڑی دیر کے لیے آ جائیں اور تعزیت کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 312)

321- سوگوار کا بوسہ اور اسے گلے لگانا

افضل یہ ہے کہ تعزیت اور ملاقات کے وقت مصافحہ کیا جائے الا یہ کہ تعزیت کرنے والا یا ملاقاتی سفر سے آئے تو مصافحے کے ساتھ معانقہ بھی مشروع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا، و إذا قدموا من سفر تعانقوا» [1]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب آپس میں ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے لوٹتے تو معانقہ کرتے۔"

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 374/13)

322- میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنا اور وہاں اکٹھ کرنا

پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً وعملاً میت کے گھر والوں سے تعزیت کرنا ثابت ہے۔

دوسری یہ کہ میت کے اہل خانہ کے لیے کھانا بنانا مسنون ہے۔ عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں: جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد أتاهم ما يشغلهم» [2]

[1] صحيح. الطبراني في الأوسط [37/1]

[2] حسن. سنن أبي داود [3132] سنن الترمذي [988] سنن ابن ماجه [1610]

''جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کو ایسی چیز پیش آئی ہے جس نے انھیں مشغول کر رکھا ہے۔''

تیسری یہ کہ میت کے اہل خانہ کے پاس اکٹھ کرنا اور ان کا دوسروں کے لیے کھانا تیار کرنا دفنِ میت کے بعد ناجائز ہے، کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام بعد دفنه من النياحة» ❶

''ہم تدفین کے بعد میت کے گھر والوں کی طرف اکٹھ کرنا اور کھانا تیار کرنا نوحہ شمار کرتے تھے۔''

چوتھی بات یہ ہے کہ لوگوں کا تین دن کا پھوڑی ڈالنے والا عمل بھی حرام ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 4504)

323- یہ خیال کہ قبر تاریک ہوتی ہے یہاں تک کہ میت کی طرف سے کھانا کھلایا جائے

میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا بدعت ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں، رہا یہ خیال کہ قبر اندھیری ہے اور میت کے اہل خانہ کی جانب سے کھانا پیش کرنا اور میت کی طرف سے قبل از تدفین صدقہ کرنا قبر کو روشن کرنے کا باعث ہے، اس کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ یہ بات اندھیرے میں پتھر پھینکنے کے مترادف ہے، اس لیے کہ یہ غیبی امور ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5090)

❶ صحيح. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1612]

324- فوت شدگان کی یادگاروں کا انعقاد

جو لوگ اسلام سے بے بہرہ ہیں انھوں نے یہ چیزیں ایجاد کی ہیں، وہ دین کے اصول وفروع سے بیگانہ ہیں، ان کے پاس ٹھوس ثبوت نہیں ہے سوائے اہل ضلالت کی اندھی تقلید کے، لہٰذا یہ بدعت ہے اور شرعاً مردود۔ حدیث پاک میں ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»[1]

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔“

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 398/13)

325- مصیبت کے وقت صبر کرنا

صبر تو واجب ہے اور شکر و رضا مستحب ہیں، مصیبت کے وقت تین چیزیں ہیں، صبر جو واجب ہے، رضا مستحب ہے اور شکر افضل ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 413/13)

326- میت پر نوحہ کا حکم

مسلمانوں پر لازم ہے کہ مصائب میں صبر وتحمل سے کام لیں اور ثواب کی امید رکھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«ليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية»[2]

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [1294] صحيح مسلم [103/165]

''جس نے رخسار پیٹے، گریبان چاک کیے اور جاہلیت کا واویلا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

« أربع من أمتي من أمر الجاهلية لا يتركونهن: الفخر في الأحساب، والطعن في الأنساب، والاستسقاء بالنجوم، والنياحة »❶

''میری امت کے لوگ چار کام جاہلیت کے کبھی نہیں چھوڑیں گے، خاندانی فخر، ذات پات کا طعنہ، ستاروں سے بارش مانگنا اور نوحہ کرنا۔''

نیز فرمایا:

« النائحة إذا لم تتب قبل موتها تقام يوم القيامة وعليها سربال من قطران ودرع من جرب »❷

''نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو روزِ قیامت اسے اس حالت میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر خارش کی قمیض اور تارکول کی شلوار ہوگی۔''

میت پر روتے ہوئے آواز کو بلند کرنا نوحہ ہے۔ حدیث پاک ہے:

« أنا بريئ من الصالقة، والحالقة والشاقة »❸

''میں بری ہوں ہر اس عورت سے جو مصیبت کے وقت بال منڈواتی یا نوچتی، اپنے کپڑے پھاڑتی اور واویلا کرتی ہے۔''

---

❶ صحیح مسلم [934/29]

❷ صحیح مسلم [934/29]

❸ صحیح البخاري، رقم الحدیث [1296] صحیح مسلم [104/167]

یہ سب جزع وفزع ہے، کسی بھی مرد وزن کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔
(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 413/13)

327- مسئلہ

حدیث «إن الميت ليعذب ببكاء أهله عليه»[1] (یقیناً میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) کا مفہوم

اس کا مطلب ہے کہ میت کے اہل خانہ جب اس پر روتے ہیں تو اسے اس سبب سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس وجہ سے عذاب دیتے ہیں، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾ [الفاطر: 18]

"اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ سے لدی ہوئی (جان) اپنے بوجھ کی طرف بلائے گی تو اس میں سے کوئی بھی نہ اٹھایا جائے گا، خواہ وہ قرابت دار ہو، تو صرف ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو دیکھے بغیر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو پاک ہوتا ہے تو وہ صرف اپنے لیے پاک ہوتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

ضروری نہیں کہ عذاب میں سزا اور عقوبت بھی ہو۔ حدیث پاک ہے:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1286] صحيح مسلم [927/16]

«إن السفر قطعة من العذاب»[1]

”یقیناً سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔“

حالانکہ سفر کوئی سزا نہیں ہے لیکن انسان تکان اور اذیت محسوس کرتا ہے، اسی طرح میت بھی گھر والوں کے رونے کی وجہ سے تعب و تکلیف محسوس کرتی ہے، اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا نہیں ہوتی۔ یہ حدیث کی واضح ترین تشریح ہے، اس پر کوئی اشکال نہیں، لہٰذا یہ کہنے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ یہ عذاب اسے ہوتا ہے جو گھر والوں کو نوحہ کی وصیت کر جائے یا جس کے گھر والوں کو نوحہ کی عادت ہو اور مرتے دم وہ انھیں نہ روکے، بلکہ ہم کہتے ہیں: انسان کو ایک چیز کے سبب عذاب ہوتا ہے لیکن وہ اس کے لیے ضرر رساں نہیں ہوتی۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 933)

328- اس نے نوحہ نہ کرنے کی وصیت کی لیکن گھر والوں نے اس پر نوحہ کیا

انھیں لازماً بچنا چاہیے اور جبکہ اس نے انھیں وصیت کی اور ڈرایا بھی تو وہ شرعی اصول کی رو سے محفوظ و مامون رہے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ [الفاطر: 18]

”اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔“

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 415/13)

329- آنکھ اشکبار اور دل حزیں

نوحہ ناجائز ہے لیکن دل کا غمزدہ اور آنکھ کا پُرنم ہونا فطرتی چیزیں ہیں،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1804] صحيح مسلم [1927/179]

ان میں کوئی حرج نہیں۔ جب نبی کریم ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو فرمایا:

《العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول إلا ما يرضي الرب، وإنا لفراقك يا إبراهيم! لمحزونون》❶

"آنکھ آنسو بہا رہی ہے، دل غمگین ہے، لیکن ہم صرف وہی کہیں گے جو رب تعالیٰ کو پسند ہے۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی میں بہت غمزدہ ہیں۔" (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 416/13)

330- تعزیت کے لیے خاص لباس پہننا جیسا کہ عورتوں کا سیاہ لباس زیب تن کرنا

ہماری رائے میں تعزیت کا خاص لباس بدعت ہے۔ یہ تقدیر الٰہی کے سامنے انسانی احتجاج کی خبر دیتا ہے، کچھ لوگ اس میں نرم گوشہ اختیار کرتے ہیں لیکن جب سلف صالحین نے ایسا نہیں کیا اور یہ ناپسندیدگی کا مظہر بھی ہے تو اسے چھوڑنا ہی مناسب ہے کیونکہ انسان جب اس کو پہنے گا تو سلامتی کی نسبت گناہ کے زیادہ قریب ہوگا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 443)

331- میت کے کپڑوں کو سنبھال کر رکھنا

فوت شدگان کے کپڑے زیر استعمال لائے جا سکتے ہیں، افرادِ کنبہ میں سے کوئی استعمال کرے یا ضرورتمندوں کو دے دیے جائیں لیکن ضائع نہ کیے جائیں، یہ میت کی وراثت ہیں، البتہ یادگار کے طور پر انھیں رکھنا جائز نہیں ہے

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [1303]

اور اگر تبرکاً رکھے جائیں تو حرام ہے، پھر ایسے کرنے سے ضائع کرنا لازم آئے گا اور جس چیز سے نفع حاصل کیا جائے اسے یوں بے فائدہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ (الفوزان: المنتقی: 343)

332- مقروض فوت ہوگیا

فوت شدہ کی وراثت نہ ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی احسانِ عظیم اور بڑا تعاون ہے، لیکن ادائیگی کے بغیر محض قرض ذمے لے لینے سے میت بری نہیں ہوگی۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپ ﷺ اس کی نماز پڑھا دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "هل عليها دين"؟ کیا اس کے ذمے قرض ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جی ہاں، اس کے ذمے دو دینار ہیں۔ آپ ﷺ پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا: « صلوا على صاحبكم » "تم اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھ لو۔" حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے ذمے رہے یا رسول اللہ ﷺ! پھر نبی کریم ﷺ آگے بڑھے۔ دفن کے بعد پھر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ ملے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: « ما فعلت الديناران؟ » "تو نے دیناروں کا کیا کیا؟" ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری، پھر وہ گئے اور قرض کی ادائیگی کر کے آئے اور نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « الآن بردت عليه جلدته » [1] "اب اس پر اس کا چمڑا ٹھنڈا ہوا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بغیر ادائیگی کے محض قرض ذمے لے لینے سے میت بری نہیں ہو جاتی لیکن یہ ایک اچھا اور ثواب کا کام ہے کہ کوئی مسلمان قرض اپنے ذمے لے لے اور پھر ادائیگی میں جلدی کرے تا کہ میت کو آرام اور سکون نصیب ہو سکے۔ (الفوزان: المنتقی: 344)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2289]

چوتھی قسم

زکاۃ کے احکام

1. تمہید۔
2. نقدی مال کی زکاۃ
3. قرض کی زکاۃ
4. چوپاؤں کی زکاۃ
5. عشر کے احکام
6. سامانِ تجارت کی زکاۃ
7. زکاۃ کے مصارف
8. صدقۂ فطر۔

تمہید

333- لغت اور شریعت میں زکوۃ کا مقصد اور دونوں مفاہیم کے مابین ربط و تعلق

زکوۃ کے لغوی معنی اضافہ ہونا اور بڑھنا ہیں۔ ہر چیز جو تعداد میں بڑھتی اور حجم میں زیادہ ہوتی ہے اسے زکوۃ کہا جاتا ہے۔ جب کھیتی پھلتی پھولتی اور زیادہ ہوتی ہے تو کہتے ہیں: "زكى الزرع" اور شرعی معنی یہ ہے کہ "عبادت کی نیت سے مالِ معین میں سے اتنا حصہ نکالنا جو شرعاً واجب ہے جو کہ مخصوص جماعت یا جہت کے حوالے کیا جائے" دونوں معنوں میں ربط یہ ہے کہ زکوۃ سے اگرچہ مال کی مقدار میں کمی آتی ہے لیکن اس کے نتائج مال کی مقدار کو ازروئے برکت بڑھانے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ انسان جب واجبات کی ادائیگی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کے ایسے ایسے دروازے کھولے جاتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ [الروم: 39]

"اور جو کوئی سودی قرض تم اس لیے دیتے ہو کہ لوگوں کے اموال میں بڑھ جائے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور وہ جو کچھ تم زکوۃ سے

دیتے ہو، اللہ کے چہرے کا ارادہ کرتے ہو تو وہی لوگ کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾ [السبا: 39]

"اور تم جو بھی چیز خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دیتا ہے اور وہ سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔"

﴿یخلفه﴾ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا بدل عطا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ما نقصت صدقة من مال))[1]

"صدقہ مال میں کچھ بھی کمی نہیں کرتا۔"

اور یہ چیز مشاہدے میں بھی آ چکی ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مالی واجبات کی ادائیگی کی توفیق ارزاں فرمائی ہے، وہ خرچ کیے ہوئے میں اور جو باقی ہے سب میں برکت دیکھتے ہیں اور بسا اوقات ان برکات کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے رزق کے دروازے ہیں جو ان پر انفاق فی سبیل اللہ کے سبب کھول دیے جاتے ہیں۔ اس طرح زکوۃ کے شرعی اور لغوی دونوں معنوں میں یکسانیت پیدا ہوجاتی ہے۔

پھر زکوۃ سے ایک اور اضافہ ملتا ہے اور وہ ہے ایمان کا اضافہ، کیونکہ زکوۃ اعمال صالحہ میں سے ہے اور اعمالِ صالحہ آدمی کے ایمان کو بڑھاتے ہیں۔ اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ نیک اعمال ایمان کا حصہ ہیں اور ان کی کثرت سے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [8] صحیح مسلم [16/20]

ایمان بڑھتا ہے اور ان کی کمی سے ایمان کم ہوتا ہے۔ نیز زکوۃ انسان کے اخلاق و اوصاف حمیدہ پر بھی اچھے اثرات ڈالتی ہے، بذل و عطا اور کرم و سخاوت عمدہ ترین اخلاقی اقدار ہیں جو زکوۃ سے حاصل ہوتی ہیں، بلکہ سینے اور دل میں انشراح اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ جو انسان اس کے متعلق آگاہی حاصل کرنا چاہے وہ خرچ کرنے کا تجربہ کرے، خصوصاً فرضی اور واجبی زکوۃ کی ادائیگی کرے۔ زکوۃ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے اور اس کی عظیم بنیاد ہے، نماز، جو اسلام کا ستون ہے، کے ساتھ اکثر اسی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ دراصل یہ ایک کسوٹی ہے جو وضاحت کرتی ہے کہ انسان اس اجر وثواب کو پسند کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ مال ایک محبوب و مرغوب چیز ہے اور محبوب چیز کو خرچ کرنا تب ہی ممکن ہے جب انسان ایسی چیز حاصل کرنا چاہے جس پر اس کا ایمان ہو اور اسے حاصل کرنا چاہتا ہو اور یہ چیزیں اس سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 1)

334- اسلام میں زکوۃ کا حکم

زکوۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ حدیث پاک ہے:

« بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، وإقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، وصوم رمضان، وحج بيت الله الحرام »[1]

"اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر استوار کی گئی ہے، گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول

[1] صحيح مسلم [987/24]

ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور اللہ کے حرمت والے گھر کا حج کرنا۔"

اس کی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس کے وجوب کا منکر کافر ہے، الا یہ کہ وہ نو مسلم ہو یا دور دراز کا بادیہ نشیں ہو جنھیں لاعلمی کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا لیکن انھیں تعلیم دی جائے اور بتلایا جائے۔ اگر علم ہو جانے کے بعد بھی اصرار کرے تو مرتد اور کافر ہو جائے گا۔ اور بخل کی وجہ سے یا سستی و کاہلی کے سبب زکوۃ ادا نہیں کرتا تو اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: وہ کافر ہے، امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہی ہے، اور بعض نے کہا: وہ کافر نہیں ہے، یہی صحیح مذہب ہے لیکن اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کے کافر نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کی زکوۃ ادا نہ کرنے والے کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«حتی یقضیٰ بین العباد فیریٰ سبیله: إما إلی الجنة وإما إلی النار»[1]

"حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا تو اس کو راستہ دکھایا جائے گا، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔"

جب یہ ممکن ہے کہ اسے جنت کا راستہ دکھایا جائے تو وہ کافر نہیں ہے، اس لیے کہ کافر جنت کا وارث نہیں بن سکتا لیکن جو کنجوسی اور سستی کے باعث زکوۃ نہ دے اس کا گناہ عظیم یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ [آل عمران: 180]

"اور وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [987]

سے دیا ہے، ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ ان کے لیے اچھا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ [التوبة: 35,34]

''اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔ جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ بنایا تھا، سو چکھو جو تم خزانہ بنایا کرتے تھے۔''

ایک مسلمان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے مال میں سے واجبی حصہ زکوۃ ضرور ادا کرے، اللہ تعالیٰ یقیناً برکت ڈال دیں گے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 3)

335- معاشرے اور اقتصادیات پر زکوۃ کے اثرات

معاشرے اور اسلامی اقتصادیات پر زکوۃ کے اثرات بڑے واضح ہیں۔ فقراء کی امداد اور عام مصلحتوں کا انتظام و انصرام مصارفِ زکوۃ سے واضح ہو رہا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ

الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة: 60]

''صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں)۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

یہ آٹھ اقسام ہیں، ان میں سے کچھ تو اپنی ذاتی حاجت کے لیے زکوۃ وصول کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کی ضرورت کی خاطر لیتے ہیں، فقراء، مساکین، مقروض، مسافر اور گردنیں آزاد کروانا یہ لوگ اپنی حاجت کے لیے لیتے ہیں اور لوگوں میں اصلاح کی خاطر چٹی بھرنے والا، زکوۃ اکٹھی کرنے والے ورکرز اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے لوگوں کی خاطر وصول کرتے ہیں۔ ان آٹھ اصناف میں تقسیم زکوۃ سے واضح ہوجاتا ہے کہ زکوۃ کے ذریعے مستحقین کو ذاتی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی عامۃ المسلمین کی ضروریات بھی پوری ہوجاتی ہیں۔ یہ سب معاشرتی فوائد وثمرات ہیں۔

اقتصادی اثرات یہ ہیں کہ دولت امیروں اور غریبوں کے مابین تقسیم ہوتی ہے، اس طرح کے امراء سے ایک مقدار وصول کر کے فقراء کو دے دی جائے تا کہ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف تو روپے کی خوب ریل پیل ہو اور دوسری طرف بالکل مایوسی۔ پھر دل بھی جڑیں گے، فقراء جب دیکھیں گے کہ مالدار لوگ ان کے لیے مال پیش کر رہے ہیں جس کا ان پر کوئی احسان نہیں کیونکہ وہ تو اپنا

فریضہ زکوۃ ادا کر رہے ہیں تو بلاشبہ وہ مالداروں سے محبت کرنے لگیں گے اور خود بھی خرچ کرنے کے اہل ہوں گے، لیکن اگر مالدار لوگ بخل کریں اور زکوۃ ادا نہ کریں گے تو غریبوں کے دل کینے اور عداوت سے بھر جائیں گے۔

آیۂ کریمہ کا اختتام زکوۃ کی مصلحتوں کو بیان کر رہا ہے جہاں یہی اشارہ ہے:

﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ [النساء: 11]

''یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ حصے ہیں، بے شک اللہ ہمیشہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 3)

336- وجوبِ زکوۃ کی شرطیں

زکوۃ کے وجوب کی شرطیں حسب ذیل ہیں:

1- اسلام، 2- آزادی، 3- نصاب کا مالک ہونا اور اس کا باقی رہنا۔

4- سال گزرنا سوائے عشر والی چیزوں کے۔

اسلام: یہ شرط اس لیے ہے کیونکہ کافر پر زکوۃ واجب نہیں ہے اور اگر وہ زکوۃ کے نام سے دے بھی تو قبول نہیں ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴾ [التوبة: 54]

''اور انھیں کوئی چیز اس سے مانع نہیں ہوئی کہ ان کی خرچ کی ہوئی چیزیں قبول کی جائیں، مگر یہ بات ہے کہ بے شک انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کو نہیں آتے

مگر اس طرح کہ سست ہوتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ ناخوش ہوتے ہیں۔"

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے زکوۃ کی معافی ہے بلکہ قیامت کے دن اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ إِلَّآ أَصْحَٰبَ ٱلْيَمِينِ ۝ فِى جَنَّٰتٍ يَتَسَآءَلُونَ ۝ عَنِ ٱلْمُجْرِمِينَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِى سَقَرَ ۝ قَالُوا۟ لَمْ نَكُ مِنَ ٱلْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ ٱلْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ ٱلْخَآئِضِينَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ۝ حَتَّىٰٓ أَتَىٰنَا ٱلْيَقِينُ ﴾ [المدثر: 39 تا 47]

"مگر دائیں طرف والے۔ جنتوں میں سوال کریں گے۔ مجرموں سے۔ تمھیں کس چیز نے سقر میں داخل کر دیا۔ وہ کہیں گے کہ ہم نماز ادا کرنے والوں میں نہیں تھے۔ اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور ہم بے ہودہ بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر فضول بحث کیا کرتے تھے۔ اور ہم جزا کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے پاس یقین آ گیا۔"

اس سے پتہ چلا کہ کفار اسلام کی فروعات چھوڑنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

آزادی کی شرط اس لیے ہے کیونکہ غلام کا کوئی مال نہیں ہوتا، اس کا مال اس کے آقا کا ہوتا ہے۔ حدیث پاک ہے:

«من باع عبدا له مال فماله لبائعه إلا أن يشترطه المبتاع»[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2206]

''جس نے کوئی ایسا غلام بیچا جس کے پاس مال تھا تو اس کا مال بیچنے والے کے لیے ہی ہے، الا یہ کہ خریدنے والا اس کی شرط لگا دے۔''

لہٰذا وہ مال کا مالک نہیں ہے کہ اس پر زکوۃ واجب ہو۔ اگر فرض کریں کہ غلام ملکیت دینے سے مالک بن سکتا ہے تو بھی اس کی ملکیت بالآخر اس کے مالک کے لیے ہو جائے گی، کیونکہ آقا کو حق حاصل ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے لے لے۔ اس بنا پر اس کا مِلک ناقص ہے، آزاد لوگوں کے مال کی طرح مستقل نہیں ہے، چنانچہ زکوۃ مال کے مالک پر ہوگی نہ کہ غلام پر، اور نہ ہی اس مال سے زکوۃ ساقط ہوگی۔

نصاب کا مالک ہونا: یعنی انسان کے پاس اتنا مال ہو جسے شریعت نے نصاب قرار دیا ہے اور یہ نصاب اموال کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر انسان کے پاس نصاب نہ ہو تو اس پر زکوۃ بھی نہیں، مویشیوں میں نصاب ابتداء اور انتہاء دونوں اعتبار سے مقرر ہے اور باقی میں ابتداءً مقرر ہے اور جو زائد ہو وہ اسی حساب سے ہے۔

سال گزرنے کی شرط: یہ اس لیے ہے کہ سال سے کم مدت میں زکوۃ کا وجوب مالداروں کے لیے پریشانی اور ان کی کساد بازاری کا باعث تھا اور سال سے زیادہ مدت فقراء کے حق میں ضرر رساں۔ شریعت کی کمال حکمت ہے کہ ایک سال کا وقت معین کیا جس سے اہل ثروت اور مستحقین کے حق میں توازن برقرار رہا۔ بنا بریں اگر کوئی انسان فوت ہو جائے یا سال پورا ہونے سے پہلے مال تباہ ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے، مگر تین چیزیں سال مکمل ہونے سے مستثنیٰ ہیں۔ (ا) تجارتی منافع۔ (ب) چرنے والے جانوروں کے بچے۔ (ج) عشر والی اشیاء۔

ان منافع جات کا سال اصل رقم کا سال ہی ہے اور چرنے والے جانوروں کے بچوں کا سال ان کی ماؤں کا سال ہے اور عشر والی اشیاء کا سال ان کے حصول کا وقت ہے، ان سے مراد دانے اور پھل ہیں۔ منافع کو مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک انسان نے دس ہزار ریال کا سامان خریدا پھر زکوۃ کا سال مکمل ہونے سے ایک ماہ پہلے یہ سامان زیادہ ہوجاتا ہے یا آدھی قیمت کے بقدر منافع ہوجاتا ہے تو اصل قیمت کے ساتھ اس منافع کی بھی زکوۃ نکالی جائے گی، اگرچہ اس منافع پر پورا سال نہیں گزرا، اس لیے کہ یہ فرع ہے اور فرع اصل کی تابع ہوتی ہے۔ اور جانوروں کے بچوں کی مثال یوں ہے کہ ایک انسان کے پاس جانوروں کا نصاب ہے، دورانِ سال جانوروں کے بچے پیدا ہوئے اور دو نصاب بن گئے، اب اس دوسرے نصاب سے بھی زکوۃ واجب ہوگی، اگرچہ اس پر پورا سال نہ گزرا ہو، اس لیے کہ بچے فرع ہیں جو اپنی اصل کے تابع ہیں۔ اور عشر والی اشیاء کا سال ان کی کٹائی کا وقت ہے، کھجور کے پھل کو سال پورا ہونے سے پہلے ہی اتار لیا جاتا ہے، اس وقت اس سے زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اسی طرح کھیتی ہے، اسے سال سے پہلے ہی کاشت اور کاٹ لیا جاتا ہے، اس کی کٹائی کے وقت اس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الأنعام: 141]

''اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو اور حد سے نہ گزرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔''

یہ تین چیزیں وجوبِ زکوۃ کے لیے سال مکمل ہونے کی شرط سے مستثنیٰ ہیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 5)

337- بچے اور پاگل کے مال میں زکوۃ

اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ بچے اور پاگل کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دونوں غیر مکلّف ہیں اور شرعی احکام کا تعلق اہل تکلیف سے ہے، اور بعض کے نزدیک ان دونوں کے مال میں زکوۃ واجب ہے، یہی صحیح ہے، اس لیے کہ زکوۃ مال کے حقوق سے ہے، اس میں مالک کو نہیں دیکھا جاتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [التوبة: 103]

''ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا اور ان کے لیے دعا کر، بے شک تیری دعا ان کے لیے باعث سکون ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے مال کو سبب وجوب قرار دیا ہے نہ کہ مکلّف کے ذمہ کو۔ اسی لیے حنبلی فقہاء نے کہا ہے کہ زکوۃ عین مال میں واجب ہے اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا:

« أعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم، تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم » [1]

''انھیں تعلیم دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوۃ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1395] صحيح مسلم [19/29]

فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور وہاں کے
فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔"

اس لیے بچے اور پاگل کے مال میں زکوۃ واجب ہے، ان کا ولی اور سرپرست یہ ذمہ داری پوری کرے گا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 812)

نقدی کی زکوۃ

338- سونے اور چاندی کا نصاب

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، جو پچاسی گرام کے برابر بنتا ہے اور چاندی کا نصاب ایک سو چالیس مثقال ہے۔ چاندی کے درہموں کے مطابق یہ چھپن سعودی ریال کے برابر ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 55)

339- عورت کے زیورات میں زکوۃ

صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ زیورات میں زکوۃ واجب ہے، جب نصاب پورا ہوگیا تو زکوۃ ادا کرنا ہوگی، اگر اس کے پاس مال ہے اور سونے کی جگہ مال دے دے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر اس کی طرف سے اس کا خاوند یا کوئی اور قریبی رشتہ دار ادا کر دے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، اگر نہ یہ ہو اور نہ وہ تو زکوۃ کے بقدر سونا فروخت کرے اور زکوۃ نکال دے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو اس کا زیور ختم ہو جائے گا اور کچھ باقی نہ رہے گا لیکن یہ درست نہیں، اس لیے کہ جب نصاب سے کم رہ گیا، چاہے معمولی ہی کم ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، تب اس کے پاس پہننے کے لیے ضرور زیور باقی بچ جائے گا تو مسئلہ یہ ہے کہ زیورات خواہ سونے کے ہوں یا چاندی کے ان میں زکوۃ فرض ہے، خواہ پہنے ہوں، ادھار دیے ہوں یا بطور اجرت کے لیے ہوں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 88)

340- زکوۃ نکالتے وقت زیورات کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا یا کہ وقتِ خرید کی قیمت کا؟

زیورات کی زکوۃ ہر سال واجب ہے اور قیمت خرید کے مطابق نہیں ہوگی بلکہ سال پورا ہونے کے وقت موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا۔ فرض کریں ایک عورت نے دس ہزار ریال کا سونا خریدا، جب سال گزرا تو وہ پندرہ ہزار کا ہو چکا تھا، اب وہ پندرہ ہزار ریال کی زکوۃ ادا کرے گی، اور اگر دس کا خریدا تھا اور سال کے بعد اس کی قیمت پانچ ہزار ریال رہ گئی ہے تو وہ صرف پانچ ہزار ریال سے زکوۃ ادا کرے گی۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 18)

341- دیگر نگینوں کے ساتھ جڑا ہوا سونا

ماہر زرگر اندازہ لگائیں گے کہ سونا کتنی مقدار میں ہے؟ اگر وہ نصاب کو پہنچتا ہے تو اس کی زکوۃ دے گا اور اگر نصاب کو نہیں پہنچتا اور کوئی دوسرا سونا ہو جس کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو اس طرح ملا کر زکوۃ ادا کی جائے گی۔ اس طرح کہ نگینوں والے سونے کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا، پھر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ نکالی جائے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 85)

342- قیمتی پتھروں وغیرہ میں مرصّع سونا

زکوۃ صرف سونے ہی میں ہے، قیمتی پتھر اور نگینے میں زکوۃ نہیں، الا یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہوں۔ ایسے مرصع سونے کے بارے میں ماہرین اندازہ لگائیں گے کہ سونا کتنی مقدار میں ہے؟ اگر اس میں موجود سونا نصاب کو پہنچ گیا تو

اس کی زکوۃ واجب ہو جائے گی۔ نصاب بیس مثقال ہے جو پچاسی گرام بنتا ہے۔ ہر سال زکوۃ ادا کی جائے، اس میں واجب اڑھائی فیصد ہے اور اس کی مقدار ہر ہزار میں سے پچیس روپے ہے۔ سونا و چاندی پہننے کے لیے ہوں یا عاریتاً دیے ہوں، ان میں زکوۃ ہوگی اور اگر تجارت کے لیے ہیں تو زیورات اور ان میں جڑے پتھر اور نگینے وغیرہ سب میں زکوۃ ہوگی، جس طرح کہ باقی تجارتی سامان میں زکوۃ ہوتی ہے۔ جمہور اہل علم کی یہی رائے ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 121/14)

343- عربی اور غیر عربی نقدی پر زکوۃ

جب سال گزر جائے اور نصاب کو پہنچ جائے تو ایسی نقدی پر زکوۃ ہوگی، اس لیے کہ نقدی کوئی بھی ہو اس کا حکم یکساں ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 155/14)

344- قیمتی معدنیات کی زکوۃ

اگر معدنیات سونے اور چاندی کی صورت میں ہوں تو ان میں زکوۃ ہوگی جب وہ نصاب کو پہنچ جائیں اور سال پورا ہو جائے، چاہے پہننے کے لیے ہوں یا عاریتاً دی ہوں۔ اور اگر سونے چاندی کے علاوہ نگینے یا قیمتی پتھر وغیرہ ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں ہے، الا یہ کہ تجارت کا ارادہ ہو تب وہ سامانِ تجارت کے ضمن میں ہوں گے اور ان میں زکوۃ ہوگی، سونے چاندی کے برتن بنانے ناجائز ہیں چاہے انھیں زیب و زینت ہی کے لیے بنایا جائے کیونکہ یہ ان میں کھانے پینے کے لیے استعمال کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها فإنها لهم -يعني الكفار- في الدنيا و لكم في الآخرة»[1]

''سونے اور چاندی کے برتنوں میں پیو اور نہ ہی ان کی پلیٹوں میں کھاؤ۔ یقیناً یہ ان کافروں کے لیے دنیا میں اور تمھارے لیے آخرت میں ہیں۔''

جس نے سونے چاندی کے برتن بنائے وہ توبہ کرے لیکن زکوۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا، اسے چاہیے کہ انھیں زیورات وغیرہ کی شکل میں ڈھالے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 122/14)

345- پنشن اور وظائف کی زکوۃ

ان کا تعلق بھی نقدی سے ہے۔ اگر ان پر سال گزر جائے اور نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوۃ ہے۔ اگر نصاب سے کم ہوں یا سال گزرنے سے پہلے ہی خرچ ہوجائے تو ان میں کوئی زکوۃ نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 134/14)

346- خیراتی جمع شدہ اموال کی زکوۃ کا حکم

ان خیراتی اموال کی زکوۃ نہیں ہوتی کیونکہ ان کا مالک کوئی نہیں ہوتا، بلکہ یہ خیر و بھلائی اور فلاحی کاموں کے لیے ہیں، جس طرح کہ وقف شدہ مال ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 37/14)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5426] صحيح مسلم [2067/5]

قرضوں کی زکوۃ

347- کیا قرض زکوۃ سے مانع ہے؟

سوال ایک آدمی کے پاس رأس المال ہے وہ اس کے ذریعے تجارت کرتا ہے اور قرض بھی لیتا ہے تا کہ کاروبار اچھا ہو جائے۔ سال گزرنے کے بعد سارے مال سے زکوۃ ادا کرے یا قرض کو نکال کر باقی ماندہ رقم سے زکوۃ نکالے؟

جواب قرض کے زکوۃ کے وجوب سے مانع ہونے کے حوالے سے کئی اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ باطنی اور پوشیدہ مال جیسا کہ سونا چاندی اور تجارتی سامان ہے، ان میں زکوۃ واجب نہیں ہے جس وقت قرض رقم کو نصاب سے کم کر دے، اس لیے کہ زکوۃ تعاون اور امداد کے لیے مشروع ہے اور جس کا قرض مال کو نصاب سے کم کر دے یا رقم کو ختم ہی کر دے وہ مالدار نہیں کہلا سکتا، بلکہ وہ اس لائق ہے کہ اسے زکوۃ دی جائے، لیکن ظاہری اموال جیسا کہ مویشی اور پھل ہیں ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین سے منقول ہے کہ وہ ان کی زکوۃ وصول کرنے کے لیے آدمیوں کو بھیجا کرتے تھے اور وہاں یہ تفصیل نہیں کہ ان سے پوچھا جاتا کہ لوگ مقروض ہیں یا کہ نہیں؟

چنانچہ ان کا حکم باطنی اموال سے جدا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قرضوں میں زکوۃ نہیں ہے جیسا کہ باطنی اموال ہیں، تیسرا قول ہے کہ تمام اموال میں زکوۃ ہے،

چاہے مالکان مقروض ہی ہوں اس لیے کہ زکوۃ کے وجوب کے دلائل میں ظاہر مال اور باطن مال دونوں شامل ہیں اور ان میں قرض یا عدم قرض کی کوئی تخصیص نہیں، لہٰذا عموم واجب ہے۔ یہ فتویٰ امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، حماد بن ابی سلیمان اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، اور یہی درست ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 49/14)

348- جو قرض لوگوں کو دے رکھے ہیں ان کی زکوۃ کا حکم

اگر قرض کسی مالدار کو دیا ہے تو اس میں ہر سال زکوۃ واجب ہے، لیکن مالک کو اختیار ہے کہ ہر سال اپنے مال کی زکوۃ کے ساتھ اس قرض والی رقم کی زکوۃ بھی نکالتا جائے یا اسے مؤخر کرے اور جب قرض ملے، یک مشت اس کی ادائیگی کر دے۔ اور اگر قرض کسی مفلس کے ذمہ ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں۔ راجح قول یہی ہے، لیکن جب وہ وصول کر لے تو ایک سال کی زکوۃ ادا کرے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 21)

چوپاؤں کی زکوۃ

349- چوپائے اگر سال کا اکثر وقت مفت نہیں چرتے تو ان میں زکوۃ نہیں

جانور اونٹ، گائے یا بکری اگر پورا سال یا اکثر سال کا وقت مفت نہیں چرتے تو ان میں زکوۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان میں شرط لگائی ہے کہ چرنے والے ہوں۔ اگر ان کا مالک سال کا اکثر وقت یا آدھا سال انھیں چارہ ڈالتا ہے تو ان میں زکوۃ نہیں ہے، الا یہ کہ یہ تجارت کے لیے رکھے ہوں تب ان میں تجارتی زکوۃ واجب ہوگی۔ اس طرح یہ سامانِ تجارت کے ضمن میں آئیں گے جس طرح کے تجارتی زمینیں اور کاریں وغیرہ ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 57/14)

350- نصاب پورا کرنے کے لیے مویشیوں کو باہم اکٹھا کرنا

سوال ایک آدمی کے پاس مختلف قسم کے مویشی ہیں لیکن ہر قسم کا مستقل نصاب نہیں، کیا ان میں زکوۃ ہے؟ اگر صورتحال ایسی ہی ہو تو زکوۃ کیسے نکالے؟

اونٹ، گائے اور بکری ان کے نصاب مقرر ہیں، جب نصاب پورا ہوگا تب ہی زکوۃ واجب ہوگی، لیکن درج ذیل شروط کا لحاظ رکھا جائے: اونٹ، گائے اور بکری یہ سب چرنے والے ہوں سارا سال یا اکثر سال کا وقت، اگر ان کا

نصاب پورا نہ ہو تو زکوۃ نہیں آئے گی، نہ ہی ان کو باہم ملایا جا سکتا ہے، اگر ایک آدمی کے پاس تین اونٹ، بیس بکریاں اور دس گائیاں ہوں تو وہ انھیں ایک دوسرے سے نہیں ملائے گا کیونکہ ہر ایک مستقل نوع ہے، اور اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان کو ایک دوسرے سے ملائے گا، اس لیے کہ وہ سامانِ تجارت سے سمجھی جائیں گی اور ان کی زکوۃ سونے چاندی کے حساب سے نکالی جائیں گے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 14/ 58)

351- کیا دو یا تین آدمیوں کے لیے جائز ہے کہ اپنے مویشیوں کو زکوۃ سے بچنے کے لیے ملا لیں؟

زکاتی مال کو زکوۃ سے بھاگتے ہوئے یا اسے کم کرنے کے لیے اکٹھا کرنا ناجائز ہے۔ حدیث پاک ہے:

«ولا يجمع بين متفرق، ولا يفرق بين مجتمع خشية الصدقة» [1]

''جو متفرق ہیں انھیں جمع نہ کیا جائے اور جو اکٹھے ہیں انھیں جدا نہ کیا جائے زکوۃ کے ڈر سے۔''

اگر ایک آدمی کے پاس ساٹھ بکریاں ہوں اور وہ انھیں دو حصوں میں کر دے تاکہ اس پر زکوۃ واجب نہ ہو تو زکوۃ ساقط نہیں ہوگی، بلکہ وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے حیلہ کیا ہے۔ اسی طرح جدا جدا کو اکٹھا کرنا تاکہ زکوۃ کم پڑے، یہ بھی ناجائز ہے۔ اگر ایک آدمی کے پاس چالیس بکریاں ہوں اور دوسرے کے پاس ساٹھ، اب ان پر علیحدہ علیحدہ ایک ایک بکری زکوۃ آتی ہے، لیکن عامل کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1450]

آنے تک یہ اکٹھے ہو گئے کیونکہ سو بکریوں میں بھی ایک بکری ہی زکوۃ ہے، انھیں یہ اختلاط فائدہ نہیں دے گا نہ ہی باقی واجب ساقط ہوگا، اس لیے کہ یہ حرام حیلہ گری ہے، وہ دوسری بکری بھی دیں گے، چالیس بکریوں والا بکری کی قیمت کا پانچواں حصہ جبکہ ساٹھ بکریوں والا پانچ حصوں کے تین حصے دے گا اور جو بکری وہ عامل کو دے چکے ہیں وہ بھی ان دونوں کے درمیان اسی نسبت سے ہے۔ وہ تائب ہوں اور آئندہ ایسا اقدام نہ کریں، لیکن اگر ان کا ملنا محض ایک دوسرے کے لیے تعاون کے پیشِ نظر ہو تو کوئی حرج نہیں جبکہ دیگر شرائط پوری ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ہے:

«وما كان من خليطين فإنهما تراجعان بينهما بالسوية»[1]

''اور جو دو ملنے والوں کا مال ہے سو وہ آپس میں برابری سے کام لیں گے۔''

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 59/14)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1450]

دانوں اور پھلوں کی زکوۃ

352- پھلوں اور سبزیوں کی زکوۃ کا حکم

ان پھلوں اور سبزیوں میں زکوۃ نہیں ہے جو ذخیرہ ہوتی ہیں اور نہ ان کا وزن ہوتا ہے جیسا کہ انار اور تربوز وغیرہ، الا یہ کہ یہ تجارت کی غرض سے ہوں تو ان کی قیمت پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ ہوگی جبکہ نصاب بھی پورا ہو، جیسا کہ باقی سامانِ تجارت ہے اور اصلاً زکوۃ ان پھلوں اور دانوں میں ہے جو ذخیرہ ہوتے اور ان کا وزن ہوتا ہے جیسا کہ کھجور، منقہ، گندم جو وغیرہ۔ کیونکہ آیت میں عموم ہے:

﴿ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ﴾ [الأنعام: 141]

''اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ [النور: 56]

''اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔''

اور حدیث پاک میں ہے:

«لیس فیما دون خمسة أوسق من تمر ولا حب صدقة»[1]

''پانچ وسق سے کم کھجور میں زکوۃ ہے اور نہ ہی کسی دانے میں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جو ذخیرہ ہوسکتے اور ان کا وزن ہوسکتا ہے ان کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1447] صحيح مسلم [979/1]

اتنی مقدار میں زکوۃ واجب ہے اور نبی کریم ﷺ کا گندم اور جو سے زکوۃ وصول کرنا ان میں اور ان جیسی دیگر چیزوں میں وجوب زکوۃ کی دلیل ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 67/14)

353- کھیتی میں زکوۃ

کھیتی جب نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہے، اس کا نصاب پانچ وسق ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، جبکہ کھیتی ان چیزوں سے ہو جن میں زکوۃ فرض ہے جیسا کہ گندم، جو، چاول، کھجور، انگور اور مکئی وغیرہ۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 73/14)

تجارتی سامان میں زکوۃ

354- سامانِ تجارت میں زکوۃ کی فرضیت

سامانِ تجارت میں زکوۃ فرض ہے، کیونکہ وہ مال ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [التوبة: 103]

''ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا اور ان کے لیے دعا کر، بے شک تیری دعا ان کے لیے باعث سکون ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور اس لیے بھی کہ اس سے مقصود سونا چاندی یعنی درہم و دینار ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى»[1]

''یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔''

اور اس لیے بھی کہ لوگوں کا غالب مال یہی ہے، اگر ہم کہیں کہ سامانِ تجارت میں زکوۃ نہیں ہے تو مسلمانوں کے اموال کے بڑے حصے سے زکوۃ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1907]

ساقط ہو جائے گی۔ اس میں عدم وجوبِ زکوۃ والا قول ضعیف ہے، کیونکہ یہ قول بلا دلیل ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 521)

355- اجرت کے لیے بنائے گئے گھر میں زکوۃ نہیں ہے

وہ گھر جو اجرت کے لیے یا رہائش کے لیے بنایا جائے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«ليس على المسلم في عبده ولا فرسه صدقة»[1]

''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔''

تو اس اجرت والے گھر میں تجھ پر زکوۃ نہیں ہے، البتہ اس اجرت پر زکوۃ ہوگی جب کہ عقد کے وقت سے لے کر اس پر سال گزر گیا۔ اور اگر تو نے سال گزرنے سے پہلے ہی اسے خرچ کر لیا تو زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ مثلاً آپ نے دس ہزار ریال کی اجرت پر یہ گھر دیا، پانچ ہزار آپ نے عقد پر لیے اور آدھا سال پورا ہونے سے پہلے ہی خرچ کر لیے، پھر پانچ ہزار ریال لیے اور خرچ کر لیے، ان پر سال نہیں گزرا، لہٰذا اس اجرت پر زکوۃ نہیں ہوگی، کیونکہ اس پر سال نہیں گزرا اور اگر رقم آپ کے پاس رہی عقد سے لے کر نہ کہ قبضہ سے، اس پر سال گزر گیا تو آپ اس کی زکوۃ دیں گے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 130)

356- مخصوص گاڑیوں پر زکوۃ

ان پر زکوۃ نہیں ہے، چاہے گاڑی ہو، اونٹ ہو یا ٹریکٹر وغیرہ ہو۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1394] صحيح مسلم [982]

حدیث پاک میں ہے:

«ليس على المسلم في عبده ولا فرسه صدقة»[1]

''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔''

(ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 131)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1394] صحيح مسلم [982]

مصارفِ زکوۃ

357- غریب بہن کو زکوۃ دینا

بیوی کا نان و نفقہ خاوند کے ذمے ہے، اگر وہ مفلس ہو تو بیوی کے بھائیوں کو چاہیے کہ اسے اپنے مالوں کی زکوۃ دیں تاکہ وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کر سکے۔ اسی طرح انھیں چاہیے کہ اپنی بہن کو دیں تاکہ وہ اپنے بچوں اور خاوند کی ضروریات پوری کر سکے، بلکہ اگر اس کی بیوی کے پاس اتنا مال ہو کہ اس میں زکوۃ واجب ہو جائے تو وہ اپنے خاوند کو بھی زکوۃ دے سکتی ہے تاکہ وہ اہل خانہ پر خرچ کر سکے۔ (اللجنة الدائمة: 278)

358- باپ، دادا اور بیٹیوں کو زکوۃ

زکوۃ نہ ماں کو دی جا سکتی ہے نہ باپ کو نہ دادیوں کو نہ داداؤں اور نہ ہی اولاد کو، مذکر ہوں یا مؤنث اور نہ ہی ان کی اولاد کو، اس لیے کہ یہ اصول اور فروع ہیں، ویسے اگر یہ ضرورت مند ہوں تو بیٹا ان پر خرچ کرے گا اور زکوۃ ان کے علاوہ دیگر فقراء و مساکین کا حق ہے جیسا کہ بھائی، بہنیں اور ان کی اولاد وغیرہ، اسی طرح چچا، پھوپھو، اور ان کی اولاد وغیرہ، لیکن والدین اور اولاد اور اس طرح دادے اور دادیاں انھیں زکوۃ نہیں دی جا سکتی۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 305/14)

359- یتیموں کو زکوۃ دینا

اگر وہ مفلس وقلاش ہوں تو انھیں ان کی ضرورت کے مطابق زکوۃ دی جائے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ﴾ [التوبة: 60]

''صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے۔''

(اللجنة الدائمة: 4492)

360- احتیاطاً زیادہ زکوۃ نکال دینا

اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان واجب سے زیادہ زکوۃ نکال دے اور دل میں نیت رکھے کہ جو زائد ہے وہ نفلی ہے کیونکہ نفل کا دروازہ کھلا ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 29)

361- رمضان تک زکوۃ کو مؤخر کرنے کا حکم

زکوۃ بھی دیگر اعمال خیر میں سے ہے جو فضیلت والے وقت میں افضل ہوتے ہیں، سو جب زکوۃ واجب ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اسے رمضان تک مؤخر نہ کیا جائے، اگر اس کے مال کا سال رجب ہے تو رمضان تک مؤخر نہ کرے، بلکہ رجب میں ہی ادا کرے اور اگر اس کا سال محرم میں مکمل ہو جاتا ہے تو وہ محرم میں ہی ادا کرے اور رمضان تک مؤخر نہ کرے۔ اور اگر رمضان میں سال پورا ہوتا ہے تو رمضان میں ہی ادائیگی کرے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں پر کوئی فاقہ یا قحط آن پڑتا ہے اور آدمی سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 902)

362- دوسری جگہ زکوۃ منتقل کرنے کا حکم

اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوۃ بھیجنے میں کوئی مصلحت ہو تو بھیجی جا سکتی ہے۔ اگر انسان کے قریبی رشتہ دار جو مستحق بھی ہیں دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو وہاں بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح اگر دوسرے علاقے میں نسبتاً پسماندگی زیادہ ہے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ وہاں زکوۃ منتقل کر دی جائے لیکن اگر کوئی ایسی خاص مصلحت نہ ہو تو زکوۃ منتقل نہ کی جائے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 132)

صدقۂ فطر

363- فطرانے کا مطلب اور سبب

فطرانے کا مطلب ہے وہ غلّے کا صاع جو انسان رمضان کے اختتام پر نکالتا ہے، کیونکہ رمضان کی تکمیل بندے پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے، فطرانہ اسی نعمت کے شکرانے کے طور پر ہے، اسی لیے اسے صدقہ فطر یا زکوۃ فطر کہا جاتا ہے، یہ شرعی سبب ہے۔ وضعی سبب یہ ہے کہ چاند رات جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو یہ واجب ہو جاتا ہے، اگر کوئی بچہ چاند رات غروب شمس کے بعد پیدا ہو تو اس کا فطرانہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے اور اگر کوئی انسان غروبِ شمس سے پہلے فوت ہو جائے تو بھی اس کا فطرانہ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ وہ سبب وجوب کے آنے سے پہلے فوت ہو گیا ہے۔

اگر ایک آدمی کی شادی رمضان کے آخری دن غروبِ شمس سے پہلے ہوئی تو اس پر بیوی کا فطرانہ لازم ہوگا۔ کثیر اہل علم کا یہی قول ہے، اس لیے کہ جب سبب پایا گیا تو وہ اس کی بیوی بن چکی تھی، اگر چاند رات غروبِ شمس کے بعد اس کی شادی ہوتی ہے تو اس پر بیوی کا فطرانہ لازم نہیں ہوگا۔ یہ بحث اس جہت سے ہے کہ ایک انسان کے ذمے اس کی بیوی اور اہل خانہ کا فطرانہ ہے اور اگر ہم کہیں کہ ہر انسان کا فطرانے کے حوالے سے اپنا ذمہ ہے جیسا کہ ظاہر سنت ہے تو مذکورہ مثال نفسِ مسئلہ میں نہیں دی جائے گی۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوئی والرسائل: 561)

364- زکوۃِ فطر کا حکم

زکوۃِ فطر فرض ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكوة الفطر من رمضان صاعا من تمر أو صاعا من شعير» [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوۃ فطر کھجور یا جو کا ایک صاع فرض کی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكوة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث، وطعمة للمساكين» [2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ فطر فرض کی جس کا مقصد روزہ دار کو بیہودہ اور فحش کاموں سے پاک کرنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانا تھا۔"

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 661)

365- زکوۃ فطر کس پر واجب ہے؟

یہ ہر مسلمان پر چاہے مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، اور چاہے اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں، فرض ہے، جیسا کہ ایک آدمی مسافر ہے اور اس نے روزے نہیں رکھے، صدقہ فطر اس پر بھی فرض ہے، اور جن کے لیے مستحب ہے اسے فقہاء نے بیان کیا ہے کہ جنین کی طرف سے فطرانہ ادا کرنا مستحب ہے، اسی طرح پیٹ میں موجود حمل کی طرف سے بھی لیکن واجب نہیں

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1432] صحيح مسلم، رقم الحديث [984]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [1609]

ہے، نیز فطرانہ نہ دینا حرام ہے، اس لیے کہ اس کی ادائیگی فرض ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے واضح ہو چکا ہے۔[1]

اور یہ معلوم ہی ہے کہ فرض کا ترک حرام، گناہ اور معصیت ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 761)

366- زکوۃ فطر کے مصارف

اس کا صرف ایک مصرف ہے اور وہ ہیں فقراء۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

«فرض رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم زكوة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث، وطعمة للمساكين»[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃِ فطر فرض کی جس کا مقصد روزہ دار کو بیہودہ اور فحش کاموں سے پاک کرنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔"

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 961)

367- خادمہ کی طرف سے زکوۃ فطر نکالنا

گھر میں موجود خادمہ پر بھی زکوۃ فطر ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کی زکوۃ اس پر ہے یا گھر والوں پر تو اصل یہ ہے کہ اس کا فطرانہ اسی پر ہے لیکن اگر گھر والے اس کی طرف سے نکال لیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 571)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1503] صحيح مسلم [984/13]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [1609]

368- جنین کی طرف سے زکوۃ فطر

جنین کی طرف سے زکوۃ فطر بطور وجوب کے نہیں ہے، یہ استحباباً ادا کی جائے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 671)

369- رمضان کے پہلے عشرے میں زکوۃ فطر نکالنا

زکوۃ فطر، فطر کی جانب منسوب ہے، اس لیے کہ فطر ہی اس کا سبب ہے، جب رمضان کا اختتام ہی اس کا سبب ہے تو یہ اسی کے ساتھ مقید ہوگی، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اس لیے اس کا افضل وقت عید کے دن نماز سے پہلے ہے، لیکن عید سے ایک یا دو دن پہلے بھی جائز ہے، اس لیے کہ اس میں لینے والے اور دینے والے دونوں کے لیے وسعت اور سہولت ہے، اس سے پہلے جائز نہیں ہے، اہل علم کا راجح قول یہی ہے۔ اس بنا پر اس کے دو وقت ہیں، وقتِ جواز، اور وہ ہے: عید سے ایک یا دو دن پہلے۔ وقتِ فضیلت: اور وہ ہے عید کے دن نماز سے پہلے۔ لیکن نماز کے بعد تک اسے مؤخر کرنا حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

« ومن أداها قبل الصلاة فهي زكوة مقبولة، ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات »[1]

''اور جس نے اسے نماز سے پہلے ادا کیا تو مقبول زکوۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔''

الا یہ کہ کوئی آدمی عید کے دن سے لاعلم ہو، مثلاً وہ کسی جنگل میں ہے اور اسے بعد میں علم ہوا تو کوئی حرج نہیں کہ نماز عید کے بعد ادا کر دے، اس کا فطرانہ ادا ہو جائے گا۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 971)

[1] حسن. سنن أبي داود، رقم الحديث [1609]

370- زکوۃ فطر نقدی کی صورت میں نکالنا

غلے کی قیمت نکالنا کفایت نہیں کرے گا، اس لیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مخالف ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»[1]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔''

ایک روایت میں ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ»[2]

''جس نے کوئی ایسی چیز ہمارے دین میں ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔''

اور قیمت نکالنا عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی غلے کا ایک صاع نکالتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي»[3]

''تم لازم پکڑو میری سنت کو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت کو۔''

اس لیے بھی کہ زکوۃِ فطر ایسی عبادت ہے جو معین جنس سے فرض کی گئی ہے تو اسے غیر معین جنس سے نکالنا کفایت نہیں کرے گا، جیسا کہ اسے غیر معین وقت میں نکالنا کفایت نہیں کرے گا، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے مختلف اجناس اور غالباً ان کی مختلف قائم مقام اجناس سے مختص کیا ہے، اگر

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث [4607]

قیمت معتبر ہوتی تو ایک جنس سے صاع واجب ہوتا اور اسی طرح اتنی ہی قیمت کی دیگر اجناس سے۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ قیمت نکالنے سے ایک ظاہری اور واضح شعار ایک مخفی صدقہ بن کر رہ جاتا ہے، غلے کا ایک صاع نکالنے سے مسلمانوں کے مابین ایک ظاہری علامت بن کر ابھرے گی، چھوٹوں، بڑوں کو علم ہوگا وہ اسی کے وزن اور تقسیم کا مشاہدہ کریں گے اور باہم متعارف ہوں گے لیکن اگر رقم کی صورت میں نکالیں گے تو صرف لینے اور دینے والے کو ہی پتہ ہوگا۔
(ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 991)

پانچویں قسم

روزے کے احکام

1. تمہید
2. چاند نظر آنے کا ثبوت۔
3. کون سی اشیاء روزے کو فاسد کرتی ہیں اور کون سی نہیں۔
4. روزے کے مکروہات۔
5. نفلی روزے۔
6. اعتکاف کے مسائل۔

تمہید

371- روزے کو واجب کرنے کی حکمت الٰہی

جب ہم درج ذیل آیت مبارکہ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: 183] پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ روزے کو فرض کرنے کی کیا حکمت ہے، اور وہ ہے تقوی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت۔ اور تقویٰ حرام کو چھوڑنے کا نام ہے۔ جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو مطلب ہوتا ہے جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے کرنا اور ممنوع سے باز رہنا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من لم يدع قول الزور والعمل به والجهل، فليس لله حاجة أن يدع طعامه وشرابه» [1]

”جس نے جھوٹی بات، اس پر عمل کرنا اور جہالت کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ انسان اپنا کھانا اور پینا چھوڑے رکھے۔“

اس بنا پر روزے دار کو چاہیے کہ واجبات کو ادا کرے اور محرمات سے اجتناب کرے، اقوال و افعال کو درست کرے، لوگوں کی غیبت کرے اور نہ جھوٹ بولے اور نہ ہی حرام کاروبار کرے۔ اگر انسان پورا ایک مہینہ اس طرح گزارے تو باقی سال بھی درست رہے گا۔ لیکن افسوس کہ بہت زیادہ لوگ اپنے روزے اور روزے کے علاوہ دن میں کچھ فرق نہیں کرتے، ان کی عادات ویسی ہی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1903]

رہتی ہیں، واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان پر روزے کا کوئی وقار ہے۔ نیز یہ افعال اگرچہ روزے کو باطل تو نہیں کرتے لیکن اجر وثواب میں کمی کا باعث ضرور بنتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوتاہیاں روزے کے اجر سے زیادہ ہوئیں تو روزے کا ثواب ضائع بھی ہوسکتا ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 6)

372- روزے کی اقسام

روزے کی دو قسمیں ہیں: فرض اور غیر فرض۔ فرضی روزہ کبھی تو کسی سبب سے فرض ہوتا ہے جیسا کہ کفارے اور نذر کا روزہ ہے، اور کبھی بغیر سبب کے جیسا کہ رمضان کا روزہ ہے۔ اس کا وجوب شرعی دلیل سے ہے یعنی مکلّف کی طرف سے بغیر کسی سبب کے۔ اور غیر فرضی روزہ کبھی تو معین اور خاص ہوتا ہے اور کبھی مطلق، معین کی مثال جیسا کہ سوموار اور جمعرات کا روزہ، اور مطلق جیسا کہ سال کے دنوں میں سے کسی بھی دن کا روزہ، ہاں صرف جمعہ والے دن روزے کی ممانعت ہے الا یہ کہ اس سے ایک دن پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھا جائے۔ اسی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روزے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح ایام تشریق کے روزوں کی بھی ممانعت ہے، الا یہ کہ حج قِران یا حج تمتع کرنے والا قربانی نہ پائے تو وہ ایام تشریق میں حج کے تین دنوں والے روزے رکھ سکتا ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 7)

373- رات کو روزے کی نیت کرنا

روزہ ہو یا کوئی اور عبادت اس میں نیت شرط ہے، حدیث پاک ہے:

«إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى» ❶

"یقیناً اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

اور روزے کے متعلق بطور خاص رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لا صيام لمن لم يبيت النية من الليل» ❷

"اس کا کوئی روزہ نہیں جو رات کو نیت نہ کرے۔"

یہ فرض روزے کی بات ہے کہ طلوع فجر سے پہلے اس کی نیت ضروری ہے اور ہر روز نئی نیت کرنا ضروری ہے، کیونکہ ہر دن ایک مستقل عبادت ہے جو نئی نیت کی محتاج ہے، اور حدیث: "إنما الأعمال بالنيات" عام ہے، اگر وہ نیند سے بیدار ہو اور سحری کر لی تو یہی نیت ہے اور اگر وہ طلوع فجر کے بعد بیدار ہوا اور سونے سے پہلے روزے کی نیت تھی تو جب بیدار ہو کھانے پینے سے رُک جائے اور اس کا روزہ بھی صحیح ہوگا، کیونکہ رات کو نیت کر چکا ہے۔

(الفوزان: المنتقی: 424)

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1907]

❷ صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [2334]

رؤیتِ ہلال کا ثبوت

374- وہ طریقہ جس سے ہر قمری مہینے کی ابتداء ثابت ہوتی ہے

احادیث میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ اگر ایک یا زیادہ قابلِ اعتماد افراد شعبان یا رمضان کی تیسویں رات کو چاند دیکھ لیں تو ان کی رؤیت معتبر ہوگی۔ اس طرح ہر مہینے کی ابتداء کا علم ہو جائے گا اور اس کے لیے یہ دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ غروبِ شمس کے بعد کتنی دیر تک چاند باقی رہتا ہے، چاہے بیس منٹ ٹھہرے یا اس سے کم یا زیادہ، اس لیے احادیث میں کوئی تحدید نہیں کہ غروبِ شمس کے کتنی دیر بعد چاند غروب ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 2031)

375- رؤیتِ ہلال کے لیے جدید آلات سے مدد لینا

رؤیتِ ہلال کے لیے جدید آلات سے مدد لینا جائز ہے لیکن رمضان المبارک کی ابتداء اور فطر کے اثبات کے لیے علوم فلکیہ پر اعتماد درست نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مشروع نہیں کیا، نہ اپنی کتاب میں اور نہ ہی اپنے نبی ﷺ کی سنت میں۔ ہمارے لیے بس یہی مشروع کیا ہے کہ روزے کی شروعات کے لیے رمضان کے ہلال کو دیکھنا ہے اور انتہاء کے لیے شوال کے چاند کو دیکھنا، اس نے چاند کو ہی لوگوں اور حج کے لیے وقت بنا دیا ہے، کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ رمضان، عید اور حج وغیرہ کے لیے چاند کے علاوہ

کسی اور چیز کو مقرر کرے۔ فرمایا:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾

[البقرة: 189]

''وہ تجھ سے نئے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت معلوم کرنے کے ذریعے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين» [1]

''چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر ہی افطار کرو، اگر بادل چھا جائیں تو تیس کی گنتی پوری کرلو۔''

بنا بریں اگر کوئی بادل وغیرہ کی وجہ سے اپنے مطلع میں نہ دیکھ سکے، اور دوسرے مطلع میں لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو لازم ہے کہ یہ اپنے حاکم کی پیروی کریں (روزہ رکھنے یا افطار کرنے کے حوالے سے) اس لیے کہ حاکم کا حکم فقہاء کے مابین پیدا ہونے والے اس نوعیت کے اختلاف کو ختم کر دیتا ہے اور اگر وہاں کوئی حاکم نہ ہو تو علاقہ کی مرکزی اسلامی مجلس کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

(اللجنة الدائمة: 319)

376- روزے کی ابتدا اور انتہا کے حوالے سے فلکی حساب پر اعتماد کرنا

شریعت اسلامیہ آسان ہے اور اس کے احکامات جن و انس سب کے لیے عام ہیں، پڑھے لکھے اور اَن پڑھ، تمام طبقات کے لیے ہیں، شہری اور دیہاتی سبھی اس سے مستفید ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عبادات کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1907]

اوقات کی معرفت کا راستہ بہت سہل اور آسان بنایا ہے، عبادات کی ابتدا اور انتہا کی ایسی نشانیاں مقرر کی ہیں جن میں سب طبقات مشترک ہیں، غروب الشمس کو مغرب کے وقت کی ابتداء اور عصر کے وقت کی انتہاء بنایا ہے، اور سرخ شفق کا غائب ہونا عشاء کے وقت کی علامت ہے۔ اسی طرح مہینے کے آخر میں چاند کے چھپ جانے کے بعد دوبارہ چاند کا نظر آنا نئے قمری مہینے کی ابتداء اور سابقہ مہینے کی انتہاء قرار دیا ہے، اور قمری مہینے کی ابتداء کی پہچان ایسی نہیں بنائی کہ جسے محض قلیل لوگ ہی جان سکتے ہوں۔ یعنی علمِ نجوم اور علم فلکیات والے۔ اسی لیے کتاب وسنت کی نصوص میں رویتِ ہلال ہی کو مسلمانوں کے روزے کی ابتداء کی علامت ونشانی قرار دیا گیا ہے اور شوال کے چاند کی رویت کو افطارِ رمضان کی۔ یہی حال عید کے دن اور یوم عرفہ کے ثبوت کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ [البقرة: 185]

''تو تم میں سے جو اس مہینے میں حاضر ہو وہ اس کا روزہ رکھے۔''

نیز فرمایا:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ﴾ [البقرة: 189]

''وہ تجھ سے نئے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دے وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت معلوم کرنے کے ذریعے ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين »[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1907]

''چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر ہی افطار کرو، اگر بادل چھا جائیں تو تیس کی گنتی پوری کر لو۔''

اللہ تعالیٰ نے روزے کے لیے رمضان کے چاند کی رؤیت کو اور افطار کے لیے شوال کے چاند کی رؤیت کو معیار بنایا ہے اور اسے علم نجوم، علم فلکیات وغیرہ سے مربوط نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ، خلفاء راشدین، ائمہ اربعہ اور قرونِ ثلاثہ مشہود لھا بالخیر میں اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ اس حوالے سے علم نجوم وغیرہ کی طرف رجوع کرنا بدعات میں سے ہے، جس میں کوئی خیر کا پہلو نہیں، نہ ہی شریعت میں اس کی کوئی دلیل ہے۔ (اللجنة الدائمة: 386)

روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں

377- عضو کو سن کرنے والے ٹیکے، دانت کی صفائی اور ڈاکٹر سے دانت نکلوانے کا حکم

مذکورہ چیزوں کا روزے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ یہ معاف ہیں، البتہ اسے چاہیے کہ دوا یا خون کو نگلنے سے احتیاط کرے، اسی طرح وہ ٹیکہ بھی روزے کو خراب نہیں کرتا کیونکہ یہ اکل و شرب کے معنی میں نہیں ہے، اور اصل روزے کی صحت و سلامتی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 259/15)

378- روزے دار کے لیے انجکشن کا حکم

اس کا روزہ صحیح ہے، اس لیے کہ رگ سے انجکشن دینا اکل و شرب کی جنس سے نہیں ہے، اسی طرح پٹھے میں انجکشن دینا بالاولیٰ جائز ہے، لیکن اگر قضاء دے دے تو احتیاط اسی میں ہے۔ اور اگر رات تک مؤخر کر دیا جائے جبکہ اس کی ضرورت ہو تو زیادہ مناسب ہے، پھر کوئی اختلاف بھی نہیں رہے گا۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 257/15)

379- سانس کے مریض کا دورانِ روزہ دوا استعمال کرنا

وہ ایسی دوا ہو جو اکل و شرب کے مشابہ نہ ہو تو مباح ہے۔ کیونکہ یہ اضطراری کیفیت ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ [الأنعام: 119]

”حالانکہ بلاشبہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔“

یہ ایسے ہی ہے جیسے غیر غذائی ٹیکہ ہوتا ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 265/15)

380- روزے کی حالت میں خون نکلوانا

اگر خون کثرت سے نکالا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ سینگی لگوانے کی مانند ہے، اور سینگی روزہ توڑ دیتی ہے، یہ نص سے ثابت ہے، اسی طرح کثرت سے خون نکلوانا بھی ہے، خواہ بلڈ بنک کو دیا جائے یا مریض کو۔

(الفوزان: المنتقى: 445)

381- غذائی ٹیکے کا حکم

درست بات یہ ہے کہ غذائی ٹیکی روزہ توڑ دیتا ہے، البتہ عام ٹیکہ روزے کو نہیں توڑتا۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 258/15)

382- روزہ دار کے خون کے قطرے لینا

اس جیسا کام روزہ کو فاسد نہیں کرتا بلکہ یہ معاف ہے، اس لیے کہ اس کی حاجت ہے اور یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جو شرعاً روزہ کو توڑنے کی موجب بنتی ہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 274/15)

383- روزے کی حالت میں مریض کا خون تبدیل کرنا

مریض کو صاف خون سپلائی کیا گیا ہے اس لیے اس پر قضاء واجب ہوگی، کیونکہ یہ بطور غذا ہے اور اگر کوئی اور چیز بھی بطور غذا دی گئی ہے تو وہ ایسی چیز ہے جو روزہ توڑنے کی موجب بن رہی ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 275/15)

384- رمضان میں مسواک کا استعمال

رمضان میں دن کے وقت مسواک کرنا مستحب عمل ہے، روزہ ہو یا نہ ہو، مسواک ایک تاکیدی عمل ہے، روزے دار کو چاہیے کہ روزانہ مسواک کرے۔ حدیث کی روشنی میں مسواک روزے کی فضیلت والی خوبی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ زوال سے پہلے مسواک کی رخصت ہے، زوال کے بعد نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں ایک حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے لیکن وہ حدیث ضعیف ہے، اور جو حدیث ثابت ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ ہر روز مسواک کیا کرتے تھے اور یہ چیز آپ ﷺ کے روزے پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی، البتہ مسواک کے ریشوں کو نہ نگلے، بلکہ انھیں پھینک دے اور روزے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(الفوزان: المنتقی: 437)

385- دانتوں کی معجون کے استعمال کا حکم

روزہ دار کے لیے دانتوں کا معجون استعمال کرنا جائز ہے لیکن یہ خیال رکھے کہ حلق میں کچھ نہ جائے، اسی طرح مسواک وغیرہ سے منہ کو صاف کر سکتا ہے، جب کہ حلق تک وہ چیز نہیں پہنچ پائے جیسا کہ وضو میں پانی سے کلی کرتا ہے اور مبالغہ نہیں کر سکتا۔ (الفوزان المنتقی:438)

386- صابن سے غسل اور کلی کرنا

انسان صابن سے غسل کر سکتا ہے، البتہ کلی مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ بسا اوقات کچھ صابن حلق میں چلا جاتا ہے، لہٰذا روزے کی حالت میں صابن منہ میں نہ ڈالے، البتہ باقی جسم پر صابن استعمال کر سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (الفوزان المنتقیٰ: 439)

387- روزہ دار کا عود وغیرہ خوشبو سونگھنا

عود کو ناک میں نہیں چڑھائے گا، دیگر خوشبویات میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ عود کو ناک میں چڑھایا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ مخ اور دماغ تک چلی جاتی ہے، اس کی قوتِ سرایت تیز ہوتی ہے، البتہ غیر ارادی طور پر سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 266/15)

388- دورانِ اذان سحری کھانے کا حکم

اس میں تفصیل درکار ہے، اگر مؤذن نے صحیح وقت پر اذان کہی ہے تو کھانے پینے سے رکنا واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« لا يمنعنكم أذان بلال من سحوركم، فإنه يؤذن من ليل، فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن مكتوم »[1]

”تمھیں بلال کی اذان ہرگز سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ رات کو اذان کہتے ہیں، تم کھاؤ پیو حتی کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان کہیں۔“

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [7248] صحيح مسلم [1092/36]

اصل قانون اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ [البقرة: 187]

''اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے۔''

اگر اسے معلوم ہو جائے کہ فجر طلوع ہو گئی ہے تو کھانے سے ہاتھ روک لے، چاہے اذان نہ بھی سنے، اگر مؤذن وقت سے پہلے اذان کہہ دے یا اسے شک ہو کہ صحیح وقت ہوا ہے یا نہیں تو پھر کھا پی سکتا ہے، یہاں تک کہ طلوعِ فجر کا یقین ہو جائے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 282/15)

389- روزہ دار خاتون کے لیے سرمے، عطر اور کریم کا استعمال

سرمہ نہ مردوں کا روزہ توڑتا ہے نہ عورتوں کا، لیکن روزے دار کو چاہیے کہ رات کو استعمال کر لے، اسی طرح وہ تیل اور صابن وغیرہ ہے جو ظاہری جلد پر استعمال کیا جاتا ہے، اسی میں سے مہندی اور کریم وغیرہ ہیں، ان میں سے کسی میں بھی کوئی حرج نہیں، ہاں اگر یہ کریم چہرے کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کا استعمال غیر مناسب ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 260/15)

390- روزے کی حالت میں کھانا چکھنا

منہ سے کھانا چکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن نگلے نہیں بلکہ چکھے اور پھینک دے، اگر جان بوجھ کر نگلے گا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ منہ کا حکم خارج کا ہے، وہ پیٹ کا حصہ نہیں، اس لیے چکھنا روزے کے لیے نقصان دہ نہیں، جیسا

کہ آدمی وضو اور طہارت کے لیے کلی کرتا ہے اور روزے پر کچھ اثر نہیں پڑتا، بشرطیکہ پانی کو منہ سے نکال دے، اسی طرح کھانا چکھنا ہے۔
(الفوزان: المنتقیٰ: 441)

391- جس پر روزے کی حالت میں قے غالب آ جائے

اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر کوئی قضاء نہیں لیکن اگر جان بوجھ کر خود قے کرتا ہے تو اس پر قضا واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من زرعه القيء فلا قضاء عليه، ومن استقاء فعليه القضاء» [1]

''جس پر قے غالب آجائے اس پر کوئی قضا نہیں اور جو خود قے کرے اس پر قضاء ہے۔'' (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 265/15)

392- رمضان میں دن کے وقت آدمی کا اپنی بیوی کو بوسہ دینا

روزے کی حالت میں مرد کا اپنی بیوی کو بوسہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی شہوت متحرک نہ ہو۔ اگر بوسے سے شہوت بھڑکے تو جائز نہیں ہے، یہ سدِّ ذریعہ کے بطور ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بحالتِ روزہ اپنی بیویوں کو بوسہ دینا بھی اسی لیے تھا کہ آپ ﷺ اپنی خواہش پر کنٹرول رکھتے تھے۔ اس بنا پر اہل علم نے بوڑھوں کے لیے رخصت بیان کی ہے، اس لیے کہ نوجوانوں میں شہوت ابھرنے کا گمان ہوتا ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 450)

393- رمضان میں دن کے وقت بیوی سے ہمبستر ہوگیا

ان دونوں کو تائب ہونا چاہیے اور بطور کفارہ ایک گردن آزاد کرنی

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [720] سنن ابن ماجه، برقم [6761]

چاہیے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل ساٹھ روزے رکھیں، اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔ ہر مسکین کے لیے علاقے کی خوراک کا نصف صاع ہے، جس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کلو بنتی ہے، ان دونوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے مذکورہ کفارے کے ساتھ ساتھ اس دن کی قضا بھی دیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 301/15)

394- مسافر کا رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے ہمبستر ہونا

جس نے رمضان میں دن کے وقت ہمبستری کی اور اس نے روزہ رکھا ہوا ہو تو اس پر کفارہ ہے، یعنی کفارہ ظہار۔ اس کے ساتھ اس دن کی قضا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، اگر وہ مسافر ہے یا ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے افطار کرنا مباح ہے تو اس پر کفارہ ہے اور نہ کوئی حرج لیکن اس دن کی قضا دینا ہوگی، اس لیے کہ مریض اور مسافر کے لیے جماع یا کسی اور چیز سے افطار کرنا جائز ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرۃ: 184]

”پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔“

اس بارے میں عورت کا حکم بھی مرد والا ہے، اگر اس کا روزہ فرض تھا تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی دے گی اور اگر مسافر ہے یا مریض ہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 307/15)

395- جس نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی اور اس نے قضا کا روزہ رکھا ہوا تھا

اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تائب ہو، اپنے کیے پر شرمندگی کا اظہار کرے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم بالجزم کرے، اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بجا لائے اور اس کی سزا سے ڈرے اور عورت کو اگر مجبور کیا گیا تو اس پر کچھ نہیں اور اس کا روزہ درست ہے، اور اگر اس نے بھی تساہل سے کام لیا تو وہ بھی توبہ کرے اور قضا دے لیکن اس پر کفارہ نہیں ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 309/15)

396- دورانِ روزہ نوجوان لڑکوں کا لڑکیوں سے فون پر بات چیت کرنا

نوجوان لڑکے لڑکیوں کا فون پر بات چیت کرنا ناجائز ہے، اِلا یہ کہ لڑکی اپنے منگیتر سے بات کر رہی ہو اور گفتگو کا دارومدار مفاہمت اور مصلحت پر ہو، لیکن زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ لڑکی کا سرپرست بات چیت کرے اور منگنی کے بغیر بات چیت جائز نہیں کیونکہ اس میں سخت فتنہ ہے اور حرام کے ارتکاب کا خطرہ ہے، اور اگر یہ روزے کی حالت میں ہو تو روزے میں نقص پیدا ہوگا، روزے دار کو اپنے روزے کی حفاظت کرنی چاہیے اور ان چیزوں سے گریز کرنا چاہیے جو روزے میں خرابی پیدا کریں، فون پر بات چیت سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں بہت زیادہ اخلاقی اور معاشرتی جرائم پیدا ہوگئے ہیں، لڑکیوں کے سرپرستوں کو چاہیے کہ انھیں روکیں اور اس خطرے سے انھیں بچانے کے اقدامات ضروری کریں۔

(الفوزان: المنتقی: 448)

روزے کے مکروہات

397- غیبت اور چغلی

غیبت روزہ نہیں توڑتی۔ غیبت کہتے ہیں کہ کسی انسان کا ایسا ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ یہ معصیت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ [الحجرات: 12]

''اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے۔''

اسی طرح چغلی، گالی گلوچ اور جھوٹ وغیرہ بھی روزہ نہیں توڑتے لیکن یہ سب نافرمانیاں ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے۔ ان سے روزے کے اجر و ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«من لم يدع قول الزور والعمل به والجهل، فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه»[1]

''جس نے جھوٹ، اس پر عمل اور جہالت کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

دوسری حدیث میں ہے:

«الصيام جنة، فإذا كان صوم يوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب، فإن سابه أحد أو قاتله فليقل: إني صائم»[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1903]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1894] صحيح مسلم [1151/162]

''روزہ ڈھال ہے، جب تمھارے کسی ایک کا روزے کا دن ہو تو فحش کلامی نہ کرے اور نہ شور مچائے، اگر کوئی گالی دے یا جھگڑا کرے تو یہ کہے کہ میں روزے دار ہوں۔''

اس معنی کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 320/15)

398- دورانِ روزہ لعاب نگلنا

لعاب روزے کے لیے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ یہ منہ ہی کا پانی ہے، اسے نگل لے یا تھوک لے کوئی حرج نہیں، البتہ سینے یا ناک سے نکلنے والی بلغم جو گاڑھی ہوتی ہے، اسے تھوکنا چاہیے، نگلنا نہیں چاہیے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 313/15)

399- دورانِ روزہ گوند چبانا

گوند (چونگم) روزے دار کے لیے مکروہ ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ گوند جو منہ میں چبانے سے تحلیل ہوجاتی ہے یہ ناجائز ہے کیونکہ حلق تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ اور دوسری گوند سخت ہوتی ہے جو منہ میں پگھلتی نہیں، یہ مکروہ ہے۔ (الفوزان: المنتقی: 441)

400- روزے دار کا اپنا تھوک نگلنا

تھوک نگلنے میں کوئی حرج نہیں، اہل علم میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس میں مشقت ہے اور بچنا ناممکن ہے۔ لیکن رینٹھ اور بلغم کو باہر پھینکنا واجب ہے، انھیں نگلا نہیں جا سکتا کیونکہ ان سے بچنا ممکن ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 313/15)

نفلی روزہ

401- سوموار اور جمعرات کا روزہ

سوموار اور جمعرات کا روزہ سنت ہے۔ نیز ان دنوں میں اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیے جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«فأحب أن يعرض عملي و أنا صائم» [1]

"میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل پیش کیا جائے جب میں روزے کی حالت میں ہوں۔"

سوموار کے روزے کی تاکید جمعرات کے روزے سے زیادہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سوموار کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ذاك يوم ولدت فيه، وبعثت فيه، وأنزل علي فيه» [2]

"میں اس دن پیدا ہوا، اسی میں نبی بنایا گیا اور اس دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔" (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 83)

402- شوال کے چھ روزوں کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] صحيح . سنن الترمذي، رقم الحديث [747]

[2] صحيح مسلم [1162/197]

«من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر»[1]

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر چھ شوال کے رکھے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے پورا سال روزے رکھے۔''

واضح رہے کہ یہ فضیلت تب ہی ملے گی جب رمضان پورا ختم ہو جائے، لہٰذا اگر کسی کے رمضان کے روزے رہ گئے ہیں تو پہلے قضا دے پھر یہ چھ روزے رکھے، اگر اس نے شوال کے روزے رکھے اور قضا نہ دی تو اسے یہ ثواب حاصل نہیں ہوگا، قضا سے پہلے نفل روزے کا درست یا غیر درست ہونا علیحدہ بات ہے کیونکہ حدیث پاک ہے:

''جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال کے چھ رکھے۔''

اور جس نے رمضان کی قضا دینی ہو تو کہا جاتا ہے اس نے رمضان کے کچھ روزے رکھے نہ یہ کہ اس نے رمضان کے سارے روزے رکھے۔ نیز یہ روزے چاہیں تو مسلسل رکھیں اور چاہیں تو علیحدہ علیحدہ رکھیں لیکن پے در پے افضل ہیں کیونکہ اس میں خیر و بھلائی میں مسابقت و مبادرت کا پہلو ہے اور سستی سے انسان دور رہتا ہے جس کے باعث روزے رہ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 483)

403- شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کا حکم

شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھنا مسنون ہے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«ما رأيته أكثر صياما منه في شعبان»[2]

---

[1] صحيح مسلم [1164/304]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1868] صحيح مسلم، برقم [1156]

”میں نے شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے آپ ﷺ کو روزے رکھتے نہیں دیکھا۔“

اہل علم کا کہنا ہے کہ شعبان کا روزہ نمازوں کی سنن راتبہ کی مانند ہے یعنی جس طرح فرض سے پہلے اور بعد سنتیں ہوتی ہیں اسی طرح شعبان اور شوال کے روزے رمضان کے آگے پیچھے ہیں۔ اور شعبان کے روزوں کا ایک اور بھی فائدہ ہے کہ انسان رمضان کے روزوں کے لیے تیار اور مستعد ہو جاتا ہے اور رمضان کے روزے اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 293)

404- عاشوراء کے دن روزے کا حکم

نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ وہ محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا:

«أنا أحق بموسیٰ منكم فصامه وأمر بصيامه»[1]

”میں موسیٰ علیہ السلام کی خوشی کا تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا کہ روزہ رکھو۔“

نبی کریم ﷺ سے اس کی فضیلت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

«أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله»[2]

”مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک گزشتہ سال کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔“

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1969] صحيح مسلم [782/177]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2002] صحيح مسلم [1125/113]

لیکن پھر آپ ﷺ نے یہود کی مخالفت کا حکم دیا کہ دس محرم کا روزہ رکھا جائے اور پھر ایک دن اس سے پہلے یا بعد میں روزہ رکھا جائے۔ افضل یہ ہے کہ دس کے ساتھ نو محرم کا روزہ ملایا جائے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 493)

405- عرفہ کے دن کا روزہ

غیر حاجی کے لیے عرفہ کا روزہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرفہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله والسنة التي بعده»[1]

"مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہ فرما دیتے ہیں۔"

اور دوسری روایت میں ہے:

«يكفر السنة الماضية والباقية»[2]

"گزرے ہوئے اور آنے والے سال کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔"

حاجی یہ روزہ نہیں رکھے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اس دن بغیر روزے کے تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگوں نے عرفہ کے دن نبی کریم ﷺ کے روزے کے بارے میں شک کیا تو میں نے آپ ﷺ کی طرف دودھ کا پیالا بھیجا جبکہ آپ ﷺ "موقف" میں کھڑے تھے، آپ نے پیا اور لوگ دیکھ رہے تھے۔"[3] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 404)

---

1. صحیح مسلم [1162/196]
2. صحیح مسلم، رقم الحدیث [1162]
3. صحیح مسلم، رقم الحدیث [1162]

406- جمعہ کے دن روزے کا حکم

جمعہ کا روزہ مکروہ ہے لیکن یہ مطلق بات نہیں بلکہ اس کے لیے مکروہ ہے جو صرف جمعہ کا روزہ ہی رکھنا چاہتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

《لا تخصوا يوم الجمعة بصيام ولا ليلتها بقيام》❶

''جمعہ کے دن کو روزے کے لیے اور اس کی رات کو قیام کے لیے مختص نہ کرو۔''

اگر انسان کی عادت ہے کہ وہ روزہ رکھتا رہتا ہے اور اچانک جمعہ کے دن اس کی عادت کا روزہ آ گیا ہے تو جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی جمعہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھے تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ پہلے مسئلہ کی مثال یہ ہے کہ اگر انسان کی عادت ہو کہ وہ ایک دن روزہ رکھتا ہے اور ایک دن چھوڑتا ہے اور اس کا روزہ اس طرح جمعہ والے دن آ جائے تو کوئی گناہ نہیں، اسی طرح اگر ایک انسان عرفہ کا روزہ رکھتا ہے اور وہ جمعہ کا دن ہو تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کی نیت عرفہ کی ہے نہ کہ جمعہ کے دن کی۔ اسی طرح جمعہ کے دن دس محرم آ جائے اور وہ صرف جمعہ کا روزہ ہی رکھے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، اگرچہ افضل ہے کہ عاشوراء سے ایک دن پہلے یا بعد بھی روزہ رکھا جائے۔

دوسرے مسئلہ کی مثال یہ ہے کہ جمعہ کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا روزہ بھی رکھے اور جس نے بغیر کسی خارجی سبب کے جمعہ کا روزہ رکھا تو اس سے کہیں گے کہ اگر تو ہفتہ کا روزہ بھی رکھنا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر تو ہفتہ کا روزہ نہیں

❶ صحیح مسلم [1162/197]

رکھنا چاہتا تھا اور جمعرات کا بھی نہیں رکھا تھا تو روزہ افطار کر دے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 14)

407- کیا ہفتے کے دن روزہ رکھنا ہو تو اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھیں؟

صرف ہفتے کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« لا تصوموا یوم السبت إلا فیما افترض علیکم، فإن لم یجد أحدکم إلا لحاء عنبة، أو عود شجرة فلیمضغه »[1]

''ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھو سوائے فرض روزے کے، اگر تمھیں صرف انگور کی چھال یا درخت کی لکڑی ہی ملے تو اسے چبا لے۔''

اس حدیث کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں، بعض نے کہا کہ یہ شاذ ہے، اس طرح یہ ضعیف ہوگی کیونکہ بخاری و مسلم کی حدیث کے خلاف ہے، اس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی کسی بیوی کے پاس گئے اور اس نے ہفتے والے دن روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « أصمت أمس؟ » تو نے کل روزہ رکھا تھا؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « أتصومین غدا؟ » کل روزہ رکھو گی؟'' اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « فأفطری »[2] پھر روزہ افطار کر لو۔'' آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ کیا تو کل روزہ رکھے گی؟ اس میں دلیل ہے کہ ہفتے کے دن غیر فرضی روزہ رکھا جا سکتا ہے، لہٰذا پہلی حدیث شاذ ہے، اور صحتِ حدیث کی شرط ہے کہ وہ معلول اور شاذ نہ ہو۔

---

[1] صحیح. سنن أبي داود، رقم الحدیث [2421]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1986]

بعض علما نے کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اسے صرف ہفتے کے روزے پر محمول کیا جائے گا۔ امام احمد کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 514)

408- شک والے دن کے روزے کا حکم

صحیح قول یہ ہے کہ شک والے دن کا روزہ حرام ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«من صام اليوم الذي يشك فيه فقد عصىٰ أبا القاسم صلى الله عليه وسلم» ❶

''جس نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔''

اور شک والے دن روزہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والا ہے، کیونکہ حدودِ الٰہیہ ہیں کہ چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھا جائے، یا پھر شعبان کے تین دن پوری کر لیے جائیں۔ رسول اللہ کا فرمان ہے:

«لا يتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين إلا رجل كان يصوم صوما فليصمه» ❷

''تم میں سے کوئی بھی رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے سوائے اس آدمی کہ جو روزہ رکھ رہا ہے اور اس کی عادت کا روزہ آجائے تو وہ روزہ رکھ لے۔''

پھر انسان جس مسلم ریاست میں رہ رہا ہے اگر وہاں کے حاکم کے

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2334]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [1914] صحيح مسلم [1082/21]

نزدیک مہینہ آ گیا ہے تو دیگر مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی روزہ رکھے اور اگر مہینہ نہیں آیا تو نہ رکھے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 614)

409- وصال کا روزہ

وصال کا روزہ یہ ہے کہ انسان دو دن روزہ افطار نہ کرے اور دو دن کا متواتر روزہ ملا لے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:

«من أراد أن يواصل فليواصل إلى السحر» ❶

"جو وصال کرنا چاہتا ہے وہ سحری تک وصال کر سکتا ہے۔"

اور سحری تک وصال کرنا صرف جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے روزہ جلد افطار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

«لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر» ❷

"لوگ جب تک جلد روزہ افطار کرتے رہیں گے خیر و بھلائی میں رہیں گے۔"

لیکن سحری تک وصال کو جائز رکھا ہے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو وصال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إني لست كهيئتكم» ❸ "میں تم جیسا نہیں ہوں۔"

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 714)

410- ایام تشریق کا روزہ

ایام تشریق سے مراد وہ تین دن ہیں جو عید الاضحیٰ کے بعد آتے ہیں۔ اور

---

❶ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2361]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [1957] صحيح مسلم [1098/48]

❸ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [2360]

انھیں ایام تشریق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان دنوں میں گوشت دھوپ میں پھیلاتے تھے تاکہ خشک ہوجائے اور ذخیرہ اندوزی سے متعفن نہ ہونے پائے۔

انھی ایام کی بابت رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أيام التشريق أيام أكل وشرب وذكر الله عزو جل»[1]

''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ عزوجل کے ذکر کے دن ہیں۔''

جب ان ایام کا شرعی موضوع کھانا، پینا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے تو یہ ایام روزے کا وقت نہیں ہوسکتے، اسی لیے حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایام تشریق میں روزے کی رخصت نہیں ہے سوائے اس کے جسے قربانی نہ ملے، یعنی حج تمتع اور قران کرنے والے حج کے تین ایام وہاں روزہ رکھ سکتے ہیں اور سات روزے گھر آکر تاکہ کہیں ان کے روزے رکھنے سے پہلے موسم حج ہی ختم نہ ہوجائے، ان کے علاوہ کوئی ان دنوں میں روزہ نہیں رکھ سکتا، حتی کہ اگر کسی انسان نے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے ہوں تو وہ عید اور بعد کے تین چھوڑ کر پھر سے لگاتا روزے شروع کرسکتا ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 814)

411- عبادات میں تداخل

کیا ہر مہینے کے تین روزوں اور یوم عرفہ کے روزے کو ایک ہی نیت سے اکٹھا رکھا جاسکتا ہے؟ کیا ہم دونوں اجر حاصل کرسکتے ہے؟

عبادت میں تداخل کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جس میں تداخل درست نہیں ہے کہ ایسی عبادت جو بذاتِ خود

[1] صحیح مسلم [1141/144]

مقصود ہو، یا دوسری عبادت کے تابع ہو، ان صورتوں میں عبادات کا تداخل ناممکن ہے۔ مثلاً ایک انسان کی فجر کی سنتیں رہ گئیں حتی کہ سورج طلوع ہو گیا اور چاشت کا وقت آ گیا تو یہاں فجر کی سنتیں نماز چاشت سے کفایت نہیں کریں گی، کیونکہ دونوں اپنی اپنی حقیقت میں مستقل نمازیں ہیں، ان کا تداخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر ایک عبادت دوسری کی تابع ہو تو پھر بھی ان کا تداخل ناممکن ہے، مثلاً ایک انسان کہے کہ میں نے نمازِ فجر کے ساتھ نمازِ فرض اور نمازِ راتب (سنتوں) کی نیت کرتا ہوں تو درست نہ ہوگا کیونکہ راتب فرض کی تابع ہے، لہٰذا اس کی طرف سے کفایت نہیں کر سکتی۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ عبادت سے مقصود محض فعل ہو اور بذاتِ خود عبادت مقصود نہ ہو، اس طرح عبادات کا تداخل ممکن ہے۔ مثلاً ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور لوگ نمازِ فجر ادا کر رہے تھے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ انسان جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے گا۔ اگر وہ امام کے ساتھ ہی فرض نماز میں شامل ہو جاتا ہے تو دو رکعتیں ہی اسے کفایت کر جائیں گی کیونکہ مقصد یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت دو رکعت ادا کی جائیں۔

اسی طرح اگر کوئی انسان چاشت کے وقت مسجد میں داخل ہو اور دو رکعتیں ادا کرے اور نیت چاشت کی کرے تو تحیۃ المسجد سے اسے کفایت کر جائیں گی اور اگر ان دونوں کی اکٹھی نیت کر لے تو تداخل عبادات کا یہی ضابطہ ہے۔ روزہ بھی اسی میں سے ہے، مثلاً یوم عرفہ کا روزہ ہے، مقصد یہ ہے کہ جب یہ دن ہو تو آپ روزے کی حالت میں ہوں، چاہے مہینے کے تین دنوں کے روزوں میں اس کی نیت کر لیں یا یوم عرفہ کی نیت کریں، لیکن اگر آپ یوم عرفہ کی نیت کرتے ہیں تو تین دنوں کے روزوں کے لیے کفایت نہیں کرے گا اور اگر آپ تین

دنوں کے روزوں میں اس کی نیت کرتے ہیں تو یوم عرفہ کی طرف سے کافی ہوجائے گا اور اگر سب کی اکٹھی نیت کرلیں تو افضل ہے۔

(ابن عثیمین: مجموع الفتاویٰ والرسائل: 873)

412- نفل روزے کے لیے بیوی کا اپنے خاوند سے اجازت طلب کرنا

اگر خاوند موجود ہے تو بیوی اس کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہیں رکھ سکتی، اس لیے کہ خاوند کا اس پر حق معاشرت و استمتاع ہے۔ اگر روزہ رکھ لے گی تو اس کو حق سے روکے گی جو کہ ناجائز ہے۔ اور اس کا نفلی روزہ خاوند کی اجازت ہی سے درست ہوگا۔ (الفوزان: المنتقی: 543)

اعتکاف

413- اعتکاف کے مسائل

مردوں اور عورتوں میں سے ہر ایک کے لیے اعتکاف سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ رمضان میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے، آخر میں آپ ﷺ آخری عشرہ کا اعتکاف بیٹھنے لگے،بعض ازواجِ مطہرات بھی آپ ﷺ کے ساتھ اعتکاف بیٹھتیں، پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی بعض ازواج مطہرات اعتکاف بیٹھیں، اعتکاف کی جگہ وہ مساجد ہیں جہاں نمازِ پنجگانہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اگر اعتکاف کے دوران جمعہ بھی آتا ہوتو افضل یہ ہے کہ میسر ہوتو جامع مسجد میں اعتکاف کیا جائے، اعتکاف کے وقت کی کوئی حد بندی ہے اور نہ ہی اس کے لیے روزے کی شرط ہےلیکن روزے کے ساتھ افضل ہے۔

مسنون یہ ہے کہ جب اعتکاف کی نیت کرے اپنے معتکف میں داخل ہوجائے، اور جب یہ مدت گزر جائے پھر نکل آئے، اگر ضرورت ہوتو اعتکاف ختم بھی کرسکتا ہے۔ کیونکہ اعتکاف سنت ہے اور اسے شروع رکھنا واجب نہیں ہے، الا یہ کہ نذر مانی ہو۔ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھنا مستحب ہے، نبی کریم ﷺ کا یہی طریقہ تھا، اعتکاف بیٹھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اکیس رمضان کو فجر کے بعد معتکف میں داخل ہو اور جب عشرہ ختم ہوجائے تو اعتکاف سے فارغ ہوجائے۔ افضل یہ ہے کہ مسجد میں ایک خاص جگہ کا تعین

کرے تاکہ جب چاہے آرام بھی کر سکے۔ اعتکاف بیٹھنے والے کے لیے مشروع ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت، ذکر و دعا اور استغفار کثرت سے کرے اور غیر ممنوعہ اوقات میں نفل نماز ادا کرے، اگر احباب ملنے کے لیے آتے ہیں تو چنداں حرج نہیں، جیسا کہ نبی ﷺ کو بعض ازواجِ مطہرات ملنے آ جاتی تھیں اور آپ ﷺ سے گفتگو کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائی تھیں، جب وہ جانے لگیں تو آپ ﷺ بھی ساتھ ہی کھڑے ہوئے اور مسجد کے دروازے تک چھوڑ کر آئے۔[1]

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ نیز یہ عمل آپ ﷺ کی کمال تواضع و انکساری پر دلالت کرتا ہے اور آپ ﷺ کے اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔ (ابن عثیمین: مجموع الفتاوی والرسائل: 242)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3281] صحيح مسلم [2175/24]

چھٹی قسم

حج وعمرہ کے احکام

1. تمہید
2. حج کی طاقت
3. حجِ بدل
4. میقات
5. احرام
6. حج کے اعمال

تمہید

414- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ حج

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں۔ فرمایا:

﴿ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ [الحج: 27]

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''آپ لوگوں کو اس گھر کے حج کی دعوت دیں جس کی تعمیر کا ہم نے آپ کو حکم دیا تھا۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: الٰہی! میں کیسے ان تک بات پہنچاؤں، میری آواز ان تک پہنچ نہیں سکتی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم پکارو، پہنچانا ہمارے ذمے ہے۔ آپ علیہ السلام اپنے مقام پر کھڑے ہوئے اور ایک قول ہے حطیم پر، ایک قول ہے صفا پر اور ایک قول کے مطابق ابوقبیس پہاڑ پر کھڑے ہوئے اور کہا: لوگو! تمھارے رب نے گھر بنایا ہے، اس کا حج کرو۔ کہا جاتا ہے کہ پہاڑ جھک گئے اور یہ آواز اکناف و اطرافِ ارض میں پھیل گئی، جو رحموں اور پیٹھوں میں تھے ان کو بھی سنا دی گئی، اور جس حجر و شجر نے بھی سنا لبیک کہا اور ہر اس شخص نے ''لبيك اللهم لبيك'' کہا قیامت تک جس کے مقدر میں بھی حج لکھ دیا گیا تھا۔''[1]

[1] تفسیر ابن کثیر [290/3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور دیگر سلف صالحین سے یہ بات منقول ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حقیقت واقعی کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کرنے میں کوئی شک نہیں کیونکہ قرآن کریم نے اس پر نص بیان کی ہے۔

(اللجنة الدائمة: 6147)

415- حج کب فرض کیا گیا؟

فرضیتِ حج کے سال کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ایک قول پانچ ہجری کا ہے اور ایک قول چھ ہجری کا۔ بعض نے نو (9) اور بعض نے دس (10) ہجری بیان کیا ہے، آخری دو قول زیادہ درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

(اللجنة الدائمة: 4624)

416- حج کا حکم

حج ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے جس نے اس کا انکار کیا یا واضح ہوجانے کے بعد اسے ناپسند جانا وہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کروائی جائے، اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے۔ جو طاقت رکھتا ہے اس پر واجب ہے کہ جلد اس کی ادائیگی کرے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: 97]

”اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پرواہ ہے۔“ (اللجنة الدائمة: 6315)

417- تکرار سے حج کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ استطاعت مکلّف پر زندگی میں ایک بار حج فرض کیا ہے، اس سے زائد نفلی ہے اور قربِ الٰہی کا ذریعہ۔ اور نفل حج کی کوئی حد بندی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی مالی اور فزیکلی پوزیشن کیا ہے؟ نیز اس کے اردگرد کے احوال و ظروف بہت اہمیت رکھتے ہیں، اقرباء، فقراء و مساکین کی امداد اور اصلاحِ امت کے امور۔ تو انسان غور کرے کہ جس چیز میں زیادہ فوائد ہیں اسے کرے اور امت کو کیسے زیادہ نفع پہنچ سکتا ہے؟ ایسے کام کو دوسرے کام پر مقدم رکھے۔ (اللجنة الدائمة: 6909)

418- حدیث پاک ((خذوا عني مناسككم))[1] کا مفہوم

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حاجی پر لازم ہے کہ اعمالِ حج میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرے، پہلے ان افعال کو دیکھے اور پھر اقتداء کرے۔ یعنی اپنے حج اور عمرہ کے احکامات مجھ سے سیکھو اور پھر ویسے ہی کرو جیسے میں کرتا ہوں۔ یہ خطاب ان کو ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور ان کو بھی جو قیامت تک آئیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ کے افعال و اعمال کا مشاہدہ کرتے تھے پھر آپ ﷺ کی پیروی کرتے تھے، اور بعد والوں کے لیے یہ ہے کہ احادیث صحیحہ پر عمل کریں، اگر کوئی ڈائریکٹ احادیث سے استفادہ نہیں کر سکتا تو اہل علم سے مسنون طریقہ حج پوچھے، حدیث کا معنی یہی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیگر عبادات کی طرح اعمال حج بھی توقیفی ہیں، صرف وہ مناسک

[1] صحيح مسلم [1297/310]

ہی ادا کیے جائیں جو کتاب وسنت سے ثابت ومشروع ہیں۔

(الفوزان: المنتقی: 559)

419- حج مبرور باعثِ مغفرت ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من حج فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه»[1]

”جس نے حج کیا اور بے حیائی اور فسق کا کام نہ کیا تو اس دن کی مانند لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا۔“

دوسری حدیث پاک ہے:

«العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة»[2]

”ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہی ہے۔“

حج ہو یا دیگر اعمالِ صالحہ گناہوں کے خاتمے کا سبب ہیں، لیکن کبیرہ گناہ کے لیے توبہ ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الصلوات الخمس، ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن إذا اجتنبت الكبائر»[3]

”پانچ نمازیں اور رمضان دوسرے رمضان تک کے گناہوں کا کفارہ ہے، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔“

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [1521] صحيح مسلم [1350/438]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [1733] صحيح مسلم [1349/427]
3. صحيح مسلم [233/16]

مذکورہ بالا دو احادیث کی بنیاد پر امام ابن المنذر رحمہ اللہ اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حج مبرور سے صغیرہ وکبیرہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

(اللجنة الدائمة: 6614)

حج کے لیے استطاعت

420- جو اپنے مال کے بغیر حج کرے

اگر کوئی شخص ایسے مال سے حج کرے جو کسی دوسرے نے اس پر صدقہ کیا تھا تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اگر اس کا مال حرام کا ہو تو حج صحیح ہوگا لیکن اسے توبہ کرنی چاہیے۔ (اللجنة الدائمة: 3198)

421- حج کے لیے قرض لینا

حج اِن شاء اللہ صحیح ہے، آپ کا حج کے لیے قرض لینا صحتِ حج کے لیے مضر نہیں ہے۔ (اللجنة الدائمة: 11837)

422- حرام مال سے حج کرنا

حرام مال سے کیا ہوا حج صحتِ حج سے مانع نہیں ہے، البتہ حرام کی کمائی کا گناہ ضرور ہوگا اور حج کا اجر کم ہوگا، لیکن حج باطل نہیں ہوگا۔

(اللجنة الدائمة: 13619)

دوسرے کی طرف سے حج کرنا

423- بیٹے کا ماں کی طرف سے حج کرنا

اگر آپ اپنا حج کر چکے ہیں تو پھر کوئی حرج نہیں اور اگر اپنا حج نہیں کیا تو پہلے وہ کرو اور پھر اگلے سال یا بعد ازاں اپنی ماں کی طرف سے حج کر لیں۔ یہ ماں کے ساتھ نیکی اور احسانِ عظیم ہے۔ اور اگر آپ کسی ایسے شخص کو اپنا نائب بنا دیں جو اپنا حج کر چکا ہے اور وہ متقی و قابل اعتماد ہے تو کوئی حرج نہیں۔

(الفوزان: المنتقی: 582)

424- والدین کی طرف سے ان کی زندگی میں حج کرنا

یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے، واجب حج اور واجب عمرہ جیسا کہ حجِ اسلام اور عمرۂ اسلام ہے، ان میں زندہ کی نیابت نہیں کی جا سکتی الا یہ کہ وہ انتہائی عاجز و کمزور ہو کہ حج یا عمرہ کبھی اور کسی صورت ادا نہ کر سکتا ہو۔ اس کی طرف سے حج کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی دائمی مریض کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے جو حج کے لیے سوار ہو سکتا ہے نہ اعمالِ حج ادا کر سکتا ہے، یا بہت زیادہ بوڑھا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

ایک عورت نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اس کے باپ کو اللہ تعالیٰ کے فریضۂ حج نے پالیا ہے اور وہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو کیا میں

اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«حجي عن أبيك»[1] ''تو اپنے باپ کی طرف سے حج کر۔''

لیکن نفلی حج میں معاملہ وسیع ہے، اس کی طرف سے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ طاقت بھی رکھتا ہو، اہل علم کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے۔
(الفوزان: المنتقی: 588)

425- ماں کا اپنے فوت شدہ بیٹے کی طرف سے حج کرنا

اگر ماں نے خود اپنا فریضۂ حج ادا کیا ہو تو کوئی حرج نہیں، بطور خاص جبکہ بیٹے نے زندگی میں حج نہیں کیا تھا۔ (الفوزان: المنتقی: 581)

426- بیوی کی طرف سے اس کی زندگی میں حج کرنا

کسی کی زندگی میں اس کی طرف سے حج یا عمرہ کرنے کے متعلق تفصیل ہے: اگر فرضی حج یا فرضی عمرہ ہو تو ان میں صرف اس شخص کی نیابت کی جا سکتی ہے جو بذات خود نہ کر سکتا ہو یا تو سخت بڑھاپے کی وجہ سے یا دائمی مرض کی وجہ سے کہ جس کے باعث وہ حج و عمرہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی بعد میں صحت یاب ہونے کی امید ہو۔ ایسی صورت میں وہ کسی کو اپنا نائب بنا کر حج یا عمرہ کروائے گا۔ اور اگر امید ہو کہ وہ صحت مند ہو جائے گا تو پھر کوئی دوسرا نائب نہیں بن سکتا۔ اور اگر کسی زندہ کی طرف سے نفلی حج یا عمرہ کرنا ہو تو اس بارے میں معاملہ وسیع ہے، اگرچہ زیادہ مناسب بلکہ بعض علما کے نزدیک واجب یہی ہے کہ اگر وہ قدرت رکھتا ہے تو خود ہی حج اور عمرہ کرے، اگرچہ نفلی ہی ہو۔ واللہ اعلم۔
(الفوزان: المنتقی: 589)

---

[1] صحيح. سنن النسائي، رقم الحديث [2634]

427- مرد کا عورت کی طرف سے اور عورت کا مرد کی طرف سے حج کرنا

عورت کا مرد کی طرف سے حج کرنا جائز ہے جبکہ وہ فوت شدہ ہو یا حج کرنے سے عاجز ہو، بڑی عمر یا دائمی مرض کی بنا پر، چاہے حج فرض ہو یا نفل۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ حج کی استطاعت نہیں رکھتا اور نہ ہی سوار ہوسکتا ہے، کیا میں اس کی طرف سے حج اور عمرہ کرسکتا ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«حج عن أبيه واعتمر» ”تو اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر۔“

دوسری حدیث میں ہے کہ خثعم قبیلہ کی ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ حج کی استطاعت نہیں رکھتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«حجي عن أبيك»[1] ”تو اپنے باپ کی طرف سے حج کر۔“

اس معنی کی احادیث بہت زیادہ ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرضی اور نفلی حج میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت دونوں ہی مذکورہ شرط کے ساتھ نیابت کر سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے فوت شدہ ہو یا کبرسنی یا دائمی مرض کی بنا پر عاجز ہو۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 422/16)

428- متعدد اشخاص کی طرف سے حج یا عمرہ کرنے کا حکم

حج اور عمرہ صرف ایک ہی شخص کی طرف سے ہوسکتا ہے، متعدد اشخاص کی

[1] صحیح. سنن النسائي، رقم الحديث [2634]

طرف سے نہیں ہوسکتا، اور ایک کی طرف سے بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ فوت شدہ ہو یا دائمی مرض یا کبرسنی کی وجہ سے عاجز ہو۔ اگر اس کا سرپرست یا وہ (عاجز) خود رقم دے تو کوئی حرج نہیں جبکہ آپ کا مقصد رضائے الٰہی ہو نہ کہ دنیوی غرض، اور جو انسان نماز کی حفاظت نہیں کرتا اس کی طرف سے حج نہیں کیا جا سکتا یا اسی طرح وہ نواقضِ اسلام کا مرتکب ہے تو اس کی طرف سے بھی نیابتِ حج نہیں کی جاسکتی۔ اور ترکِ نماز کفرِ اکبر ہے، یہی اہل علم کا زیادہ صحیح قول ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 418/16)

429- انسان جس کی طرف سے حج کر رہا ہے اس کا نام بھول جاتا ہے

اگر ایک آدمی کسی مرد یا عورت کی طرف سے حج کرتا ہے اور اس کا نام بھول گیا ہے تو اسے نیت ہی کافی ہے، نام یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر احرام باندھتے وقت وہ نیت کرے کہ یہ حج اس کی طرف سے ہے جس نے یہ پیسے دیے ہیں تو یہ نیت ہی کافی ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

احرام باندھنے کے میقات

430- اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ کا مطلب

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ [البقرة: 197]

''حج چند مہینے ہے جو معلوم ہیں، پھر جو ان میں حج فرض کر لے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حج کے احرام کا زمانہ اور وقت بیان کیا ہے اور وہ ہے شوال کا مہینہ، ذوالقعدہ کا مہینہ اور ذوالحجہ کے دس دن۔ جس نے اس عرصہ میں احرام باندھا اس نے ہی حج کے مہینوں میں احرام باندھا۔ اور اس پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے کہ احرام صرف حج کے ساتھ ہی منعقد ہوگا۔ حاجی پر واجب ہے کہ مباشرت اور اس کے اسباب سے اجتناب کرے، اس لیے کہ محرم کے لیے یہ حرام ہے، دیگر معاصی سے بھی احتراز کرے، ویسے تو ہر وقت ایک مسلمان کو نافرمانی سے بچنا چاہیے لیکن بحالتِ احرام یہ گناہ زیادہ شدت اختیار کر لیتا ہے۔ لڑائی جھگڑے سے بھی دور رہے کیونکہ جھگڑے سے انسان سے ایسے اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں جو ممنوع و محذور ہیں، سینے میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور انسان اطاعت سے نکل جاتا ہے۔ اسی لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے، اور اگر جھگڑا احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل:125]

''اوران سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [العنکبوت: 46]

''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔''

خاص احرام کی حالت میں آیت کریمہ کا یہ مختصر مفہوم ہے۔ (الفوزان: المنتقی: 558)

431- حج کے مہینوں سے پہلے احرام کا حکم

اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے لیکن یہ اتفاق ہے کہ حج کے مہینوں سے قبل احرام مشروع نہیں ہے، حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔ اگر انسان رمضان میں احرامِ حج باندھ لے تو بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ اس کا احرام منعقد ہوجائے گا اور وہ لباسِ حج میں متصور ہوگا لیکن یہ مکروہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک حج کے مہینوں سے پہلے کا احرام درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ [البقرة: 197]

''حج چند مہینے ہے جو معلوم ہیں، پھر جو ان میں حج فرض کر لے۔''

اللہ تعالیٰ نے احکام حج اس پر مرتب کیے ہیں جو اس حج کے مہینوں میں فرض کرتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ احرام کے احکام اس پر مرتب نہیں ہوں گے جو

اسے احرام کے مہینوں کے علاوہ میں فرض کرتا ہے۔ تو جب احکام مرتب نہیں ہوں گے تو پھر احرام بھی صحیح نہ ہوگا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/221)

432- میقات سے احرام باندھنا واجب ہے

وہ شرعی میقات سے گزرے یا فضا، خشکی اور سمندر کے راستے اس کے برابر سے گزرے اور اس کا حج یا عمرہ کا ارادہ ہو تو اس پر احرام واجب ہے۔ اور اگر حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو احرام واجب نہیں ہے۔ اگر میقات سے آگے چلا جائے اور حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو، پھر مکہ یا جدہ سے حج یا عمرہ کا ارادہ کر لے تو مکہ یا جدہ سے میقات سے احرام باندھے گا۔ اور اگر حدودِ حرم میں حج کا ارادہ کیا ہے تو سب سے قریبی حِلّ والی جگہ کی طرف نکل جائے اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھے، اس مسئلہ کی یہی بنیاد ہے۔ اگر جدہ سے گزرنے والے کا ارادہ میقات سے گزرنے کے بعد بنا تھا تو اس کا عمرہ صحیح ہے۔ اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہلِ نجد کے لیے قرنِ منازل اور اہل یمن کے لیے یلملم میقات مقرر کیا گیا ہے۔ اور فرمایا:

«هن لهن ولمن أتى عليهن من غير أهلهن لمن كان يريد الحج والعمرة، فمن كان دونهن فمهلّه من أهله، وكذلك أهل مكة يهلون منها»[1]

''یہ میقات ان علاقوں والوں کے لیے اور ان کے لیے بھی ہیں جو وہاں سے گزریں اور ان کا ارادہ حج وعمرے کا ہو اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ اپنے گھر سے باندھیں اور ایسے ہی اہل مکہ، مکہ سے احرام باندھیں۔''

---

[1] صحیح مسلم [1211/123]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی محصب میں اترے تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

«اخرج بأختك من الحرم فتهل بعمرة ثم لتطف بالبيت فإني أنتظر كما هاهنا» [1]

''اپنی بہن کو حرم سے باہر لے جاؤ، وہ عمرہ کا احرام باندھے۔ پھر بیت اللہ کا طواف کرے۔ میں یہاں تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔''

کہتی ہیں: ہم نکلے، میں نے احرام باندھا، پھر میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ اپنے خیمے میں تھے۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هل فرغت؟» ''تو فارغ ہوگئی ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوچ کرنے کا اعلان کروا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، بیت اللہ کے پاس سے گزرے، طواف کیا۔ یہ صبح کی نماز سے پہلے کا وقت تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے طیبہ روانہ ہوگئے۔ (اللجنة الدائمة: 2191)

433- جو بلا احرام میقات سے گزر گیا

جو بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کر گیا اس پر واجب ہے کہ واپس لوٹے، اگر نہ لوٹا تو اس پر دم ہے جو گائے کا ساتواں حصہ یا اونٹ کا ساتواں حصہ یا بکری ہے جو قربانی میں کفایت کر جائے، جبکہ میقات سے گزرتے وقت اس کا ارادہ حج یا عمرے کا تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ایسے ہی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 124/16)

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1211]

434- عمرہ کے لیے مکہ کا میقات

مکہ میں رہنے والے کے لیے عمرے کا میقات حِلّ ہے کیونکہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج قِران کے بعد علیحدہ عمرہ کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انھیں مقام تنعیم پر لے جائے تاکہ وہ وہاں سے عمرے کا احرام باندھ سکیں۔ یہ حِلّ کی جگہ مکہ کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اگر عمرہ کا احرام مکہ سے یا کسی بھی جائے حرم سے جائز ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو خود کو مشقت میں ڈالتے اور نہ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی کو، کہ انھیں تنعیم پر لے جائے تاکہ وہاں سے احرام باندھ سکیں۔

یہ رات کا وقت تھا اور وہ سفر پر تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کا انتظار کرنا پڑا، باوجودیکہ دین آسان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسان کا انتخاب کرتے، جب تک گناہ کا کام نہ ہوتا اور اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرم عمرے کے احرام کا میقات نہیں ہے، اور یہ حدیث دوسری حدیث کی تخصیص کر رہی ہے جس میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرنِ منازل اور اہل یمن کے لیے یلملم میقات مقرر کیے اور فرمایا یہ ان کے لیے ہیں اور ان کے لیے بھی جو وہاں سے حج اور عمرے کے ارادے سے گزریں اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ اپنے گھروں سے باندھیں اور ایسے ہی اہل مکہ مکہ سے احرام باندھیں۔“[1] (اللجنۃ الدائمۃ: 1216)

---

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث [1265] صحیح مسلم [1206/93]

435- حرم شریف سے احرام باندھنے کا حکم

اگر یہ محرم حرم میں مقیم تھا اور پھر حج کا وقت آ گیا اور وہ تب بھی مقیم ہی تھا اور اس کا وہاں داخل ہونا بھی دخول شرعی تھا، یعنی ادائیگی عمرہ یا سابق حج کے لیے، یا تجارتی غرض سے داخل ہوا تھا، پھر اس کی نیت اپنی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے حج کی بن گئی تو وہ مکہ سے احرام باندھ سکتا ہے۔ اسے میقات پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 20/17)

436- مسئلہ

سوال جس نے اپنے لیے عمرہ کیا پھر اس کا ارادہ بنا کہ اپنے باپ کی طرف سے بھی عمرہ کرلوں تو کیا اصلی میقات سے جا کر احرام باندھنا ضروری ہے؟

جواب جب تو نے اپنے لیے عمرہ کر لیا اور احرام کھول دیا، پھر ارادہ کیا کہ اپنے باپ کی طرف سے بھی، جو فوت ہو چکا ہے یا عاجز ہے، عمرہ کرلوں، تو حِلّ کی طرف نکل جاؤ جیسا کہ تنعیم ہے، وہاں سے عمرے کا احرام باندھ لو، میقات پر جانا ضروری نہیں ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 11638)

احرام

437- احرام کی قسمیں

احرام کی تین قسمیں ہے:

پہلی قسم: صرف حج کا احرام باندھنا، حج افراد کرنے والے پر قربانی واجب نہیں ہے۔

دوسری قسم: حج اور عمرے کا اکٹھا احرام باندھنا، اسے قارن کہا جاتا ہے، اسی طرح متمتع بھی، حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے۔

تیسری قسم: حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھنا، پھر احرام کھول دے اور اسی سال حج کرے، یہ حج تمتع ہے، اس میں بھی قربانی واجب ہے۔

جس کے پاس قربانی نہ ہو، وہ تین روزے حج میں اور سات اپنے وطن یا اقامت گاہ پر پہنچ کر رکھے۔ حج کی تین اقسام میں سے افضل حج تمتع ہے۔

(اللجنة الدائمة: 5239)

438- حاجی کے اَن سِلا لباس پہننے میں حکمت

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکلفین میں سے جو اصحاب استطاعت ہیں ان پر زندگی میں ایک بار حج فرض کیا ہے، اور اسے ارکان اسلام کا ایک رکن قرار دیا ہے اور یہ یقینی طور پر دین کا ایک حصہ ہے۔ سو مسلمان پر واجب ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے فریضہ کو ادا کرے، اس کی رضا جوئی اور حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے، ثواب کی امید سے اور عذاب کے خوف سے، ساتھ ساتھ یہ بھروسہ و اعتماد بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ تشریع اور جمیع افعال میں کمال حکمت والے ہیں، اپنے بندوں پر نہایت رحم کرنے والے ہیں اور اپنے بندوں کے لیے وہی چیز مشروع کرتے ہیں جس میں ان کی مصلحت ہوتی ہے اور دنیا و آخرت میں جس چیز کا انھیں فائدہ ہوتا ہے رب تعالیٰ اسی کا حکم دیتے ہیں اور بندوں کا کام صرف سرِتسلیم خم کرنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حج و عمرہ میں ان سلے لباس میں کئی حکمتیں پنہاں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو احوال آخرت کی یاد دہانی کروائی جائے۔ قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں اور ننگے جسموں کے ساتھ اٹھیں گے، پھر انھیں لباس پہنایا جائے گا، اور آخرت کے احوال کی یاد دہانی میں کئی نصیحتیں اور عبرتیں ہیں، ایک حکمت یہ ہے کہ خشوع وخضوع کا پیدا کرنا، تکبر سے نفس کو پاک کرنا، ایک حکمت یہ ہے کہ نفس کو قربت، مساوات اور سادگی کے لیے بنیاد فراہم کرنا اور مائل بہ گناہ ناز ونعم سے بُعد اور دوری کا سبق دینا تاکہ فقراء و مساکین کی خبر گیری اور پاسداری حقوق کی طرف توجہ مبذول ہو... اس کی کئی ایک حکمتیں اور اسرار و رموز ہیں جو شرعی طریقہ حج میں پنہاں ہیں۔

(اللجنة الدائمة: 9059)

439- عورت کے محرم کے لیے شرطِ بلوغت

کم از کم عمر جس میں کوئی مرد عورت کا محرم بن سکتا ہے وہ بلوغت ہے اور وہ پندرہ سال کی عمر ہے۔ یا شہوت کے باعث منی کا ٹپکنا، یا زیر ناف بالوں کا اُگ آنا۔ جب ان تین علامات میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو آدمی

مکلّف ہو جائے گا اور عورت کا محرم بن سکے گا۔ اسی طرح عورت میں ان تینوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے وہ بھی مکلّف ہو جائے گی اور اس کی ایک مزید چوتھی علامتِ بلوغت حیض ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 382/16)

440- احرام والے لباس کو تبدیل کرنے کا حکم

احرام والے کپڑوں کو دوسرے نئے یا دُھلے ہوئے کپڑوں سے تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ انھیں میل کچیل یا نجاست لگنے سے دھونے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نجاست کو دھونا واجب ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 129/16)

441- مسافر کا ہوائی جہاز میں احرام باندھنا

اگر حج یا عمرہ کرنے والا ہوئی جہاز کے ذریعے جا رہا ہے تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنے گھر میں غسل کرے اور اگر چاہے تو تہبند اور چادر پہن لے اور جب میقات تھوڑا ہی دور رہ جائے تو حج یا عمرہ جس کا بھی ارادہ ہے اس کا احرام باندھ لے، اس میں کوئی مشقت نہیں۔ اگر اسے میقات کے متعلق کچھ پتہ نہ ہو تو ہوائی جہاز کے نگران یا کسی اہلکار یا سواریوں میں سے کسی سے پوچھ لے۔

(اللجنة الدائمة: 1693)

442- محرم کا عام لباس پہننا

اگر محرم سردی، بیماری یا کسی اور سبب سے اپنا عام عادت کا لباس پہنتا ہے تو اسے شرعاً اجازت ہے، سِلا ہوا لباس پہننے کے باعث اسے تین روزے رکھنا ہوں گے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا، ہر مسکین کے لیے علاقائی خوراک کا

نصف صاع ہے جو تقریباً ڈیڑھ کلو گرام بنتا ہے یا بکری ذبح کرے جو قربانی میں کفایت کر جائے۔ یہی حکم ہے اگر وہ سر کو ڈھانپ لے۔ اور روزے ہر جگہ رکھ سکتا ہے لیکن کھانا کھلانا اور بکری ذبح کرنا یہ صرف حرم مکی ہی میں کر سکتا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 518)

443- بیوی کا خاوند کی اجازت کے بغیر فریضۂ حج کے لیے نکلنا

حج فرض ہے جبکہ اس کی شروطِ استطاعت پوری ہوں، خاوند کی اجازت شرط نہیں ہے، نہ ہی وہ اسے منع کر سکتا ہے، بلکہ اس کے لیے مشروع ہے کہ اس واجب کی ادائیگی میں اپنی بیوی کی مدد کرے۔ (اللجنة الدائمة: 5866)

444- حج تمتع کرنے والا جب احرام کھول دے تو اس کے لیے کیا کچھ جائز ہے؟

حج تمتع کرنے والا جب مناسک عمرہ پورے کر چکے یعنی طواف، سعی، سر منڈوانا یا بال چھوٹے کروانا تو عمرے کا احرام کھول دے گا اور اب وہ سب کچھ مباح ہو جائے گا جو کچھ ممنوع تھا، سر منڈوانا، ناخن تراشنا، سِلا ہوا لباس پہننا، سر ڈھانپنا، خوشبو لگانا، خشکی کا شکار کرنا، نکاح کرنا، مباشرت اور اس کے اسباب یہ سب جائز ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 5618)

445- محرم نو (9) ممنوع کاموں سے احتراز کرے گا

علما نے ان نو (9) چیزوں کو بیان کیا ہے: بالوں کو کاٹنا، ناخن تراشنا، خوشبو لگانا، سِلے ہوئے کپڑے پہننا، سر ڈھانپنا، شکار کرنا، جماع، نکاح اور

عورتوں سے مباشرت کرنا۔ ان تمام چیزوں سے محرم احرام کھولنے تک احتراز کرے گا اور جب پہلی مرتبہ حلال ہوگا تو جماع کے علاوہ باقی سب محظورات جائز ہو جائیں گے اور جب مکمل حلال ہو جائے تو جماع بھی جائز ہو جائے گا۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 109/17)

446- ایک ہی جنس کے ممنوعات کے ارتکاب کا حکم

جب ممنوعات و محظورات ایک ہی جنس سے ہوں۔ مثلاً وہ ناخن کاٹ لے اور بغل کے بال اکھاڑ لے یا جان بوجھ کر سلا ہوا لباس پہن لے تو اس پر توبہ ہے اور ایک ہی فدیہ کافی ہوگا جو چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا تین روزے رکھنا یا ایک بکری ذبح کرنا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 167/17)

447- محرم کا چہرے کو ڈھانپنا

محرم کے لیے جائز نہیں کہ ایسا لباس پہنے جو چہرے کو ڈھانپ دے یا آدھے چہرے کو ہی ڈھانپے۔ ایک آدمی بحالتِ احرام سواری سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا تخمروا رأسه ولا وجهه»[1]

''اس کے سر اور چہرے کو نہ ڈھانپنا۔''

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 117/17)

448- اثناءِ احرام خوشبودار صابن اور مہندی کا استعمال

خوشبودار صابن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ یہ خوشبو نہیں

[1] صحیح مسلم [1297/310]

ہے اور نہ ہی اسے استعمال کرنے والے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے خوشبو لگا رکھی ہے۔ بس یہ ہے کہ اس کی بُو اچھی ہے اور اس کے لیے نقصان دہ نہیں ۔اِن شاء اللہ۔ اگر احتیاطاً اسے ترک کر دے تو اچھا ہے۔ اور مہندی بھی خوشبو نہیں ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں چاہے احرام والا مرد استعمال کرے یا عورت۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 131/16)

449- محرم کا جراب پہننا

محرم کے لیے جراب پہننا جائز نہیں ہے، اور اگر مرض یا کسی اور سبب سے پہن لے تو گنجائش ہے، لیکن اس پر فدیہ لازم ہوجائے گا اور وہ ہے تین دنوں کے روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، ہر مسکین کے لیے آدھا صاع علاقائی اناج کا ہے، یا ایک بکری ذبح کرے۔ (اللجنۃ الدائمۃ: 1159)

450- اگر احرام کی حالت میں احتلام ہوجائے؟

بحالتِ احرام اگر احتلام ہوجائے تو حج اور عمرے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جس کو یہ چیز پیش آجائے وہ نیند سے بیدار ہو کر غسل جنابت کرے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں، اس لیے کہ احتلام آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔

(اللجنۃ الدائمۃ: 1720)

451- محرم کا ناخن تراشنا

علماء کے مابین مشہور ہے کہ محرم کے لیے ناخن تراشنا ناجائز ہے کیونکہ وہاں زیب و زینت اختیار کرنا حرام ہے، اسی لیے سر منڈانا مشروع ہے۔ اس بنا

پر جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ محرم ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن تراشنے سے لازماً اجتناب کرے۔ (ابن عثیمین: نورعلی الدرب: 8/217)

452- احرام والے کپڑے کو خون لگ جانا

اگر خون پاک ہو تو احرام کا کپڑا ہو یا کوئی اور کپڑا یہ ضرر رساں نہیں ہے، جانور کا پاک خون جو رگوں، دل اور کلیجی وغیرہ میں ذبح کے بعد رہ جاتا ہے، وہ پاک ہے، اور جو خون ناپاک ہو اسے دھویا جائے گا، چاہے احرام کے کپڑے کو لگے یا کسی اور کپڑے کو، اور یہ دم مسفوح ہے۔ یعنی جو خون بوقتِ ذبح نکلتا ہے، البتہ علماء کا کہنا ہے کہ معمولی خون سے احتراز ممکن نہیں اس لیے اس کی معافی ہے۔

(ابن عثیمین: نورعلی الدرب: 14/222)

453- حج تمتع کرنے والے کا احرام کا لباس اتارنا

اداءِ عمرہ کے بعد حج تمتع کرنے والا احرام کھول سکتا ہے۔ یعنی طواف، سعی اور بال منڈوانے یا چھوٹے کروانے کے بعد۔ اور اپنے عام کپڑے پہن لے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا جو حجۃ الوداع میں قربانی ساتھ نہیں لائے تھے۔ پھر وہ حج کا احرام آٹھ ذوالحجہ کو باندھے گا۔

(اللجنة الدائمة: 8426)

454- احرام کب کھولیں؟

مرد و زن ہر دو احرام حج سے اس وقت فارغ ہوتے ہیں جب جمرہ عقبہ کی رمی کرلیں اور بالوں کو منڈوالیں یا چھوٹا کروالیں۔ عورت کے لیے صرف

بالوں کو چھوٹا کروانے کا جواز ہے۔ اس طرح ان کے لیے ہر وہ چیز حلال ہوجائے گی جو احرام کی وجہ سے حرام تھی، سوائے جماع کے۔ طوافِ افاضہ اور سعی، اگر باقی ہے، کے بعد بالکل حلال ہوجائیں گے اور جماع بھی جائز ہوجائے گا۔ اور عمرے کا احرام اس وقت کھولیں گے جب طواف اور سعی کر لیں اور سر منڈوالیں یا بال چھوٹے کروالیں۔ نیز عورت کے لیے صرف بال چھوٹے کروانا ہی مشروع ہے، اس طرح ہر وہ چیز حلال ہوجائے گی جو احرام کے باعث حرام تھی۔ حج اور عمرے کو ملانے والے کا بھی احرام کھولنے کے حوالے سے وہی حکم ہے جو حج افراد کرنے والے کا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8833)

اعمالِ حج وعمرہ

455- طوافِ قدوم اور اس کا طریقہ

طوافِ قدوم سے مراد وہ طواف ہے جب حاجی سب سے پہلے مکہ میں آتا ہے اور طواف کرتا ہے، پھر حاجی اگر حج افراد کر رہا ہے تو اس کا یہ طواف سنت ہے واجب نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مزدلفہ میں تھے اور صبح کی نماز کا وقت تھا، آپ ﷺ سے حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اس نے کوئی پہاڑ نہیں چھوڑا مگر وہاں وقوف کیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا:

« من شهد صلاتنا هذه، ووقف معنا حتى ندفع، وقد وقف قبل ذلك بعرفة ليلاً أو نهاراً فقد تم حجه وقضىٰ تفثه »[1]

"جو ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور ہمارے ساتھ وقوف کیا حتی کہ ہم واپس چلے جائیں اور اس سے پہلے وہ عرفات میں دن یا رات کو وقوف کر چکا ہو تو اس کا حج مکمل ہوگیا اور اس کی میل کچیل صاف ہوگئی۔"

اور عروہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا ہے یا نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حج افراد کرنے والے کے لیے طوافِ قدوم سنت ہے، واجب نہیں ہے، اسی طرح عمرہ کرنے والا جب پہلے پہل مکہ میں آتا ہے تو طوافِ قدوم کرتا ہے، چاہے یہ عمرہ حج تمتع کا ہو یا علیحدہ سے محض عمرہ ہی ہو، یہ طواف عمرہ میں اگرچہ رکن ہے لیکن طوافِ قدوم ہی کہلائے گا، کیونکہ یہ طوافِ

[1] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحديث [891]

عمرہ، جو کہ رکن ہے، کو متضمن ہے اور طوافِ قدوم کو بھی، نیز قدوم ایسے ہی ہے جیسے کسی مسجد میں داخل ہو اور فرضی نماز ادا کرے تو اس کی فرض نماز بھی ہو گی اور تحیۃ المسجد بھی۔ اسی طرح بیک وقت دونوں عمرے ہو جائیں گے۔ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ طوافِ قدوم حج افراد کرنے والے کے لیے ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ حج قِران کرنے والے کے لیے بھی ہے۔ اس لیے کہ حج قران کرنے والے کے تمام افعال حج افراد والے کی مانند ہیں، بس فرق یہ ہے کہ اس میں قربانی واجب ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ﴾ [البقرۃ: 196]

”تو تم میں سے جو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرے) پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے حج کے دوران اور سات دن کے اس وقت رکھے جب تم واپس ہو جاؤ، یہ پورے دس ہیں۔“

اکثر علما نے ذکر کیا ہے کہ حج قِران کرنے والا بھی تمتع کی طرح ہے اور بعض نے قارن پر تمتع کا اطلاق کیا ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2/222)

456- طوافِ قدوم، طوافِ افاضہ اور طوافِ وداع میں فرق

ان کے مابین فرق یہ ہے کہ طواف قدوم حج قِران اور افراد والے کے لیے سنت ہے، واجب نہیں ہے۔ یعنی اگر یہ طوافِ قدوم چھوڑ بھی دیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ نے عید کے دن

صبح کی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ مزدلفہ میں ادا کی اور کہا کہ اس نے ہر پہاڑی پر وقوف کیا ہے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

《 من شهد صلاتنا هذه، ووقف معنا حتى ندفع، وقد وقف قبل ذلك بعرفة ليلاً أو نهاراً فقد تم حجه وقضىٰ تفثه 》[1]

''جو ہمارے ساتھ اس نماز میں شامل ہوا اور ہمارے ساتھ وقوف کیا حتی کہ ہم واپس چلے جائیں اور وہ اس سے پہلے عرفہ میں دن یا رات کو وقوف کر چکا تو اس کا حج مکمل ہوگیا۔''

نبی کریم ﷺ نے اس کے لیے طواف قدوم کا ذکر نہیں کیا جو کہ اس کے عدم وجوب کی دلیل ہے۔ لیکن جب طواف قدوم عمرہ کرنے والے کی طرف سے ہو تو پھر یہ عمرے کا رکن ہے، چاہے عمرہ حج تمتع کا ہو یا علیحدہ سے ہو۔ طوافِ افاضہ حج کا رکن ہے اور یہ عرفہ اور مزدلفہ کے وقوف کے بعد ہوتا ہے۔ اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا اور طوافِ وداع حج کے واجبات میں سے ہے، اسی طرح عمرہ کے واجبات میں سے بھی ہے، لیکن یہ حج یا عمرہ کی ذات میں شامل نہیں ہے، اسی لیے مکہ کو نہ چھوڑنے والے پر واجب بھی نہیں ہے۔

اور طوافِ واجب اور طوافِ رکن میں فرق یہ ہے کہ طوافِ رکن کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا اور طواف واجب یعنی طوافِ وداع کے بغیر مناسک حج مکمل ہوجاتے ہیں۔ لیکن جو اسے ترک کرے گا اس پر فدیہ ہے، وہ ایک بکری ذبح کر کے مکہ کے فقراء میں تقسیم کرے گا۔ تو فرق یوں ہوا: طوافِ قدوم سنت ہے، سوائے عمرہ کے کہ عمرہ کا یہ رکن ہے۔ طواف افاضہ حج کا رکن ہے اور حج اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اور طوافِ وداع واجب ہے، اس کے بغیر حج مکمل ہوجاتا ہے

[1] صحيح. سنن الترمذي، رقم الحديث [891]

لیکن اس کے تارک پر فدیہ ہے، وہ بکری ذبح کر کے فقراءِ مکہ میں تقسیم کرے گا۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/222)

457- کعبہ کے گرد طواف کی اقسام

کعبہ کے گرد طواف کی اقسام بہت زیادہ ہیں، ان میں سے ایک طوافِ افاضہ ہے جو حج میں کیا جاتا ہے، اسے طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں اور یہ عید والے دن یا اس کے بعد وقوفِ عرفات کے بعد ہوتا ہے۔ یہ ارکان حج کا ایک رکن ہے۔ ایک حج کا طوافِ قدوم ہے، حج قِران اور حج افراد کرنے والے جب مکہ میں پہنچتے ہیں تو اس وقت یہ طواف کرتے ہیں، یہ حج کے واجبات یا سنن میں سے ہے۔ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک طوافِ عمرہ ہے اور یہ اس کے ارکان میں سے ہے۔ عمرہ اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور ایک طواف وداع ہے، یہ اعمال حج کے اختتام پر اور مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت ہوتا ہے، حائضہ اور نفاس والی عورت کے علاوہ یہ ہر حاجی پر فرض ہے، جو اسے چھوڑے گا اس پر ایک دم آئے گا جو قربانی کے لیے کفایت کر جائے۔ اور طواف نذر پوری کرنے کے لیے بھی ہے، نذر کی وجہ سے یہ واجب ہے۔ اور ایک نفلی طواف ہے، ہر طواف کے سات چکر ہیں۔ طواف کے بعد آدمی مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھے، اگر وہاں میسر نہ ہو تو مسجد میں کہیں بھی پڑھ لے۔ (اللجنة الدائمة: 1816)

458- طواف میں رمل اور اضطباع

اضطباع (دائیں کندھے کو ننگا رکھنا) تمام چکروں میں مسنون ہے، بالخصوص طوافِ قدوم میں، جیسا کہ طوافِ قدوم کے پہلے تین چکروں میں حج اور

عمرہ کرنے والے کے لیے رمل مسنون ہے اور اگر پہلے تین چکروں میں رمل نہ کر سکے تو یہ عمل ساقط ہو جائے گا۔ (اللجنة الدائمة: 6744)

459- دورانِ طواف میں وضو ٹوٹ جانا

طواف کرنے والے کا وضو اگر دورانِ طواف میں ٹوٹ جائے تو جمہور علماء کے نزدیک اس کا طواف باطل ہو جائے گا، جیسا کہ دورانِ نماز میں وضو ٹوٹنے سے نماز بالاجماع باطل ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ طواف سے نکلے، وضو کرے اور از سرِنو طواف کرے، اس لیے کہ جو چیز حدث سے پہلے تھی وہ حدث کی وجہ سے باطل ہوگئی ہے۔ احرام کا اعادہ واجب نہیں ہوگا، صرف طواف دوبارہ کرنا ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر اثناءِ طواف وضو ٹوٹ جائے یا بغیر وضو کے طواف کرے تو اس کا طواف صحیح ہوگا۔ اس بنا پر اگر وہ دورانِ طواف بے وضو ہو جاتا ہے تو طواف جاری رکھے گا، وضو کے لیے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انھوں نے اس کے دلائل بیان کیے ہیں جو مطالعہ کرے گا اس کے سامنے ان کا موقف اور اس کا راجح ہونا واضح ہو جائے گا۔ لیکن جب ہم شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اس موقف کو اختیار کریں تو طواف کے بعد کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکتے، ان کے لیے وضو کرنا ہوگا، اس لیے کہ طواف کی رکعتیں نماز ہیں اور نماز کے لیے بالاجماع وضو ضروری ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 15/222)

460- دورانِ طواف میں شرعی دعاؤں کے علاوہ بات چیت

دورانِ طواف گفتگو جائز ہے اور اس سے طواف پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن ایک مسلمان کو چاہیے کہ عام گفتگو کی بجائے اللہ کا ذکر کرے اور دعا کرے۔
(الفوزان: المنتقی: 621)

461- بچے کو اٹھا کر طواف کر رہا تھا اس نے پیشاب کر دیا لیکن طواف سے فارغ ہونے کے بعد علم ہوا

اس سوال میں دو مسائل ہیں، پہلا یہ کہ بچے نے دورانِ طواف اس پر پیشاب کر دیا اور اس کے کپڑوں کو لگ گیا، دوسرا یہ کہ طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس کو علم ہوا کہ اس کے کپڑوں پیشاب لگا ہوا ہے۔

پہلا مسئلہ: جب بچے نے پیشاب کر دیا ہے تو طواف کو ختم کر کے اسے دھونا ہوگا اور لباس کو پاک صاف کرنا ہوگا، اس لیے کہ طواف عبادت ہے جس میں حدث اور نجاست سے طہارت حاصل کرنا لازمی ہے۔ دورانِ طواف بچے کا اس پر پیشاب کرنے کی وجہ سے اس کا طواف باطل ہوگیا، یہ باہر جائے، نجاست کو دھوئے اور از سرِ نو طواف کرے، کیونکہ صحتِ طواف کے لیے طہارت شرط ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اس نے طواف مکمل کر لیا اور اسے کوئی علم نہیں کہ بچے نے اس پر پیشاب کر دیا ہے اور اس نے پیشاب کے نشانات دیکھے۔ میری رائے اس بارے یہ ہے کہ اس کا طواف صحیح ہے، اس لیے کہ نمازی جب نماز پڑھ چکے اور نماز کے بعد اپنے کپڑوں پر نجاست دیکھے تو اس کی نماز صحیح ہے، صحیح قول یہی ہے، الا یہ کہ وہ دورانِ نماز نجاست دیکھ لے تو پھر مزید نماز جاری نہیں رکھ سکتا۔ (الفوزان: المنتقی: 626)

462- طوافِ افاضہ

طوافِ افاضہ ضعفاء اور جو اُن کے حکم میں ہیں، ان کے لیے قربانی والی رات کے نصف کے بعد شروع ہوجاتا ہے اور اس کی انتہا کا کوئی وقت مقرر

نہیں۔ لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ حاجی اپنی بساط کے مطابق جتنا ہو سکے جلد طوافِ افاضہ کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر نرمی اختیار کرے اور ان اوقات کا لحاظ رکھے جن میں مطاف میں ازدحام کم ہوتا ہے، تا کہ نہ کسی کو تکلیف دے اور نہ خود تکلیف میں مبتلا ہو۔ (اللجنة الدائمة: 13492)

463- طوافِ افاضہ کا ایک چکر بھول جانا

اگر طوافِ افاضہ کرتے وقت حاجی ایک چکر بھول گیا ہے اور لمبا عرصہ ہو گیا ہے تو طواف کا اعادہ کرے گا اور اگر تھوڑی دیر ہی گزری ہے تو جو چکر وہ بھول گیا ہے اسے ہی پورا کر لے۔ (اللجنة الدائمة: 7632)

464- طوافِ افاضہ کو طوافِ وداع کے ساتھ جمع کرنے کا حکم

اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر ایک انسان طوافِ افاضہ کو مؤخر کر دے اور جب عازم سفر ہو تو رمی جمار اور ہر چیز کی انتہاء کے بعد طواف کر لے تو اس کا طوافِ افاضہ طواف وداع کی طرف سے کفایت کر جائے گا، اور اگر دونوں طواف ہی کر لے تو یہ نور علی نور ہے، لیکن اگر صرف ایک طواف پر اکتفاء کرے اور طوافِ حج کی نیت کر لے تو اسے کفایت کر جائے گا۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 332/17)

465- اس نے تمام اعمالِ حج پورے کر لیے اور طوافِ افاضہ سے پہلے فوت ہو گیا

جس نے اعمالِ حج پورے کر لیے سوائے طوافِ افاضہ کے اور اس سے

پہلے ہی فوت ہوگیا تو اس کی طرف سے طواف نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وقوف کیے ہوئے تھا کہ اچانک اپنی سواری سے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اغسلوه بماء وسدر، وكفنوه في ثوبيه، ولا تحنطوه، ولا تخمروا رأسه فإن الله تعالىٰ يبعثه يوم القيامة ملبيا »❶

”اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اور انھیں احرام کے دو کپڑوں میں کفن دے دو، اسے خوشبو مت لگانا اور نہ ہی اس کے سر کو ڈھانپنا، یقیناً اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اٹھائیں گے اور یہ تلبیہ پڑھ رہا ہوگا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے طواف کرنے کے متعلق حکم نہیں دیا بلکہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے تلبیہ پڑھتے ہوئے قیامت کے دن اٹھائیں گے، کیونکہ وہ ابھی احرام میں تھا، اس نے طواف کیا نہ اس کی طرف سے طواف کیا گیا۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 333/17)

466- عمرہ میں طوافِ وداع کا حکم

عمرہ میں طوافِ وداع واجب نہیں ہے لیکن کرنا افضل ہے۔ اگر طوافِ وداع کیے بغیر ہی واپس چلا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن حج میں یہ طواف واجب ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

« لا ينفرن أحد منكم حتى يكون آخر عهده بالبيت »❷

❶ صحیح البخاری، رقم الحدیث [1265] صحیح مسلم [1206/93]

❷ صحیح مسلم [1327/379]

”تم میں سے کوئی بھی واپس نہ جائے حتی کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ میں ہو۔“ یہ حجاج کرام سے خطاب تھا۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 442/17)

467- سعی کا حکم

یہ حج اور عمرہ کے ارکان میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«خذوا عني مناسككم»[1] ”مجھ سے مناسک حج سیکھو۔“

اور آپ ﷺ کا فعل آپ ﷺ کے قول کی تفسیر ہے اور آپ ﷺ نے حج اور عمرہ میں سعی کی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 335/17)

468- طواف اور سعی کے مابین زیادہ وقفہ کرنا

علماء کے نزدیک طواف اور سعی کے درمیان لمبے فاصلے میں کوئی حرج نہیں، اگر طواف کے بعد سعی اگلے دن بھی کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، یہ جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ طواف کے متصل بعد ہی سعی کرے، فاصلہ اس لیے جائز ہے کہ سعی ایک مستقل عبادت ہے، لہٰذا اگر حاجی جو حج قران کر رہا ہے طواف کر لے اور سعی کو نزول عرفات کے بعد تک مؤخر کر دے تو کوئی حرج نہیں اور اگر سعی پہلے کر لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 342/17)

469- حجر اسود کا بوسہ

حجر اسود کو بوسہ دینا طواف کی سنتِ مؤکدہ ہے اور اگر مزاحمت اور ایذاء رسانی

---

[1] صحیح مسلم [1297/310]

کے بغیر یہ ممکن نہ ہو تو پھر چھوڑ دینا چاہیے اور صرف ہاتھ سے اشارہ کر دینا چاہیے، خاص طور پر عورت کے لیے۔ اس لیے کہ مزاحمت مردوں کے لیے مشروع نہیں ہے تو عورتوں کے لیے بالاولیٰ ممنوع ہے۔ اور اگر بآسانی حجرِ اسود کو بوسہ دے سکتی ہے تو پھر بھی وہاں چہرے کو نہیں کھولے کیونکہ اجنبی لوگ موجود ہوتے ہیں۔

(اللجنة الدائمة: 1775)

470- حاجی ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو کیا کرے؟

سوال جو مکہ کا باسی ہے اور عمرہ کے بعد احرام کھول چکا ہے وہ آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھے گا، یا پھر اسی دن حج کی نیت کرے؟

جواب افضل یہ ہے کہ اسی دن احرام باندھ لے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو، جو عمرہ کا احرام کھول چکے تھے، حکم دیا کہ احرام باندھ لیں، سو انھوں نے حج کا احرام باندھا اور سوئے منیٰ روانہ ہوگئے اور یہ آٹھ ذوالحجہ کا دن تھا، حاجی کے لیے یہی افضل ہے کہ اپنے گھر سے احرام باندھے، غسل کرے، خوشبو لگائے، تہبند اور چادر پہنے اور احرام پہن کر منیٰ روانہ ہو جائے۔ اسے طوافِ وداع کی ضرورت نہیں ہے چاہے اس کی اقامت حرم کی ہو یا حل کی۔ اسی طرح عورت اپنے گھر سے یا اپنے خیمے سے یا کسی اور جگہ سے غسل کرے، مناسب خوشبو لگائے اور مناسب لباس پہنے جس میں فتنہ نہ ہو، احرام پہنے اور منیٰ چلی جائے، طوافِ وداع کی ضرورت نہیں۔ یہ آٹھویں دن مستحب ہے۔ اگر اس سے پہلے احرام پہن لیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن افضل آٹھ ذوالحجہ کو ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 248/17)

471- حاجیوں کے عرفہ کی طرف جانے اور آنے کا وقت

نو (9) ذوالحجہ عرفہ کے دن طلوع شمس کے بعد عرفہ کی طرف روانہ ہونا مشروع ہے۔ ظہر و عصر جمع تقدیم کے ساتھ قصر ادا کریں گے، ایک اذان اور اقامت دو بار ہوگی، مسنون یہی ہے۔ غروبِ شمس تک وہاں رہیں گے اور ذکر و دعا، درود وسلام پڑھیں گے۔ کثرت سے یہ الفاظ پڑھنا مشروع ہے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی کریم ﷺ پر درود کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے، رخ قبلہ جانب ہی ہو، عرفہ سارا موقف ہے، غروبِ شمس کے بعد سکون اور وقار کے ساتھ تلبیہ کہتے ہو مزدلفہ چلے جائیں، وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز جمع کریں گے، ایک اذان اور دو بار اقامت کے ساتھ۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 257/17)

472- عرفہ کے دن نماز جمع اور قصر کرنے کا حکم

وادی عرفہ جو عرفات کے مغرب میں واقع ہے وہاں حاجی ظہر اور عصر کی نماز جمع کریں گے اور قصر کریں گے، ایک اذان اور دو بار اقامت کہی جائے گی۔ حجۃ الوداع میں یہ نبی کریم ﷺ کی سنت مؤکدہ ہے۔ کسی مومن کے لیے مناسب نہیں کہ سنت کو ترک کرے لیکن اہل علم کے نزدیک یہ واجب نہیں ہے بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ اگر مسافر مکمل پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہے لیکن قصر کی تاکید ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قصر پڑھی ہے اور فرمایا:

«خذوا عني مناسككم» [1] ”مجھ سے مناسک حج سیکھو۔“

پھر حاجی عرفات میں ہی جائے وقوف پر چلا جائے، مشقت سے بچتے ہوئے اگر حاجی وادیٔ عرفہ کی بجائے عرفات میں ہی ظہر وعصر ادا کر لے تو جائز ہے۔ ازدحام سے مباح طریقے سے بچنا لوگوں کی فی زمانہ ضرورت بن چکی ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 258/17)

473- دن کو وقوفِ عرفہ نہ کر سکا اور رات کو وقوف کیا

وقوفِ عرفہ کا وقت نو (9) تاریخ کی طلوعِ فجر سے لے کر دس (10) تاریخ یوم النحر کی طلوعِ فجر تک پھیلا ہوا ہے۔ اگر حاجی نو (9) تاریخ کو دن کے وقت وقوف نہیں کر سکتا اور رات کو وہاں سے چلے جانے کے بعد وقوف کیا تو یہ اسے کفایت کر جائے گا، چاہے صبح سے تھوڑی دیر پہلے ہی کچھ دیر وقوف کیا ہے۔ اسی طرح اگر عرفات سے گاڑی پر سوار ہو کر گزر گیا ہے تو یہ بھی اسے کفایت کر جائے گا۔ لیکن افضل یہ ہے کہ دیگر حاجیوں کے ساتھ وقت پر پہنچے اور وقوف کرے، ذکر و دعا میں مشغول ہو، خشوع اور حضور قلبی کا شوق رکھتے ہوئے اس رحمت اور مغفرت کی امید رکھے جو وہ رکھ رہے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ مزدلفہ جائے اور آخر رات تک وہاں ٹھہرے، وہاں نمازِ فجر ادا کرے، پھر قبلہ جانب ہو کر روشنی ہونے تک ہاتھ اٹھا کر ذکر و دعا میں مشغول رہے، پھر منیٰ کی طرف طلوعِ شمس سے پہلے پہلے پلٹ آئے، نبی کریم ﷺ کا یہی طریقہ ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 270/17)

---

[1] صحیح مسلم [1297/310]

474- غروبِ شمس سے پہلے عرفہ کو چھوڑ دینے کا حکم

جو دن کو عرفہ میں وقوف کر چکا اس پر لازم ہے کہ رات تک وہیں رہے۔ اگر وہ غروبِ شمس سے پہلے ہی روانہ ہوگیا اور غروب کے بعد واپس نہیں آیا تو اس پر دم آجائے گا اور اگر غروب کے بعد لوٹ آیا اور نحر والی رات وقوف کر لیا اور دن کو وقوف نہ بھی کیا تو اس پر کچھ نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 263/17)

475- مزدلفہ میں رات گزارنے کا حکم

صحیح یہ ہے کہ مزدلفہ میں رات گزارنا واجب ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ رکن ہے اور بعض نے مستحب کہا ہے، لیکن صحیح بات یہ کہ یہ واجب ہے اور اس کے ترک کرنے والے پر دم ہے۔ سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد روشنی ہونے تک ذکر و دعا میں مشغول رہے اور جب روشنی ہوجائے تو تلبیہ کہتے ہوئے سوئے منیٰ روانہ ہوجائے۔ کمزور اور مریض مردوں اور خواتین کے لیے جائز ہے کہ مزدلفہ سے آدھی رات کو ہی چل پڑیں، نبی کریم ﷺ نے انھیں رخصت دی ہے لیکن جو تنومند اور تندرست ہیں ان کے لیے فجر کے بعد روشنی ہونے پر چلنا مسنون ہے اور مزدلفہ سارا موقف ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 277/17)

476- جمرات کو کنکریاں مارنے کے متعلق احکامات

پہلا جمرہ جسے جمرۃ العقبہ کہتے ہیں اسے عید والے دن کنکریاں ماری جائیں، یہ عمل چاشت کے وقت سے غروبِ شمس تک افضل ہے، اور اگر نحر والی رات دوسرے نصف میں مار لی جائیں تو بھی جائز ہے، اگر کنکریاں نہ مار سکے تو

عید والے دن کی رات کو غروب شمس کے بعد مار لے۔ ایک ایک کر کے مارے اور تکبیر کہتا جائے۔ ایام تشریق میں زوال الشمس کے بعد مارے، پہلا جمرہ جو مسجدِ خیف کے پاس ہے اسے سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے، پھر درمیانے کو سات اور پھر آخری کو۔ گیارہویں اور بارہویں دن، اسی طرح تیرہویں دن جو جلدی نہ کرے۔ مسنون یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد وقوف کرے، قبلہ جانب کھڑا ہو اور پہلے کو کنکریاں مارنے کے بعد جمرے کو بائیں جانب کرتے ہوئے طویل دعا کرے اور دوسرے کو دائیں جانب رکھتے ہوئے قبلہ رخ ہو کر طویل دعا کرے۔ گیارہویں اور بارہویں دن ایسا کرے اور تیرہویں دن وہ جو جلدی نہ کرے۔ اور آخری جمرہ جو مکہ کے پاس ہے، اسے کنکریاں مار کر ٹھہرنا نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسے کنکریاں مار کر وہاں نہیں ٹھہرے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 292/17)

477- جمروں والی کنکری کیسی ہو؟ نیز اسے دھونا کیسا ہے؟

کنکریاں منیٰ سے اٹھائی جائیں، اگر عید والے دن مزدلفہ سے اٹھا لے تو بھی کوئی حرج نہیں، سات کنکریاں عید والے دن جمرہ عقبہ کو مارنی ہیں، انھیں دھونا غیر مشروع ہے، بلکہ یہ اٹھائی جائیں، منیٰ، مزدلفہ یا باقی حرم سے اور ماری جائیں۔ ایام تشریق میں منیٰ سے روزانہ اکیس کنکریاں اٹھائی جائیں، اگر جلدی مارنی ہیں تو گیارہویں اور بارہویں دو دنوں کے لیے بیالیس کنکریاں اٹھا لے اور اگر جلدی نہیں مارنی تو تریسٹھ اٹھا لے۔ کنکری چنے سے بڑی ہو اور بکری کی مینگنی کے برابر ہو، جسے انگلی سے پھینکا جاتا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 293/17)

478- جو خود کنکریاں مارنے پر قادر ہے دوسرے کو نہیں سونپ سکتا

قدرت اور طاقت رکھنے والا کسی کو کنکریاں نہیں سونپ سکتا، ہر کوئی اپنی اپنی کنکریاں مارے، سوائے بچے، عاجز، مریض اور حاملہ کے۔ بچے کا سرپرست اس کی طرف سے مارے، بڑھاپے یا مرض کے سبب عاجز کی طرف سے اس کا وکیل مارے اور ایسے ہی حاملہ اور بچوں والی عورت کہ جس کے بچوں کے پاس کوئی نہ ہو تو ان کا وکیل ان کی طرف سے مارے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 305/17)

479- اگر حوض میں کنکری گرنے کا شک لاحق ہو؟

جسے شک گزرے وہ کنکری پوری کر لے، منٰی سے ایک اور کنکری پکڑے اور گنتی پوری کر دے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 310/17)

480- جمروں کے اردگرد سے کنکریاں اٹھانا

یہ جائز ہے، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ ان کنکریوں سے رمی نہیں کی گئی لیکن جو کنکریاں حوض میں ہیں انھیں پکڑا جائے اور نہ ہی وہ ماری جائیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 310/17)

481- رات کے وقت کنکریاں مارنا

کنکریاں مارنے کا وقت ایام تشریق میں زوال الشمس سے غروب شمس تک ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«رمیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر ضحی، و

رمیٰ بعد ذلك بعد الزوال》 ❶

''رسول اللہ ﷺ نے قربانی والے دن چاشت کے وقت کنکریاں ماریں اور پھر زوال کے بعد ماریں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس بارے سوال کیا گیا تو فرمایا:

《 كنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا》 ❷

''ہم انتظار کرتے، پھر جب سورج ڈھل جاتا تو ہم کنکریاں مارتے۔''

جمہور علما کا یہی مسلک ہے لیکن اگر انسان رات کو کنکریاں مارنے پر لاچار ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ جو قادر ہے وہ غروبِ شمس سے پہلے ہی مار لے۔ رہی وہ حدیث مبارک جو صحیح بخاری میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے قربانی والے دن منیٰ میں جو سوال بھی کیا جاتا آپ ﷺ فرماتے: 《 لا حرج》 ''کوئی حرج نہیں'' ایک آدمی نے سوال کیا میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: 《 اذبح ولا حرج》 ''ذبح کر، کوئی حرج نہیں'' اس نے کہا: میں نے شام کے بعد کنکریاں ماری تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: 《 لا حرج》 ❸ ''کوئی حرج نہیں۔''

یہ حدیث رات کو کنکریاں مارنے کی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ سائل نے قربانی والے دن سوال کیا تھا، اور اس کا یہ کہنا کہ 《 بعد ما أمسيت》 اس کا مطلب ہے زوال کے بعد ماری تھیں۔ البتہ اس حدیث سے رات کو کنکریاں

❶ صحيح مسلم [1229/ 314]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [1746]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [83] صحيح مسلم، رقم الحديث [1306]

مارنے پر استدلال کیا جا سکتا ہے، کیونکہ رات کو کنکریاں مارنے کے عدم جواز کے حوالے سے کوئی نصِ صریح موجود نہیں ہے اور اصل جواز ہے۔ لیکن دن کے وقت افضل اور احتیاط ہے۔ اگر کسی دن کی کنکریاں رہ جائیں تو اس دن کی رات کو مارنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن آنے والے دن کی کنکریاں پہلے ہی رات کو مارنا جائز نہیں، سوائے قربانی والی رات کے، کیونکہ اس میں کمزوروں کے لیے اجازت ہے کہ آخری نصف میں مار لیں۔ لیکن جو طاقتور ہیں ان کے لیے مسنون ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی طلوع شمس کے بعد کریں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 367/17)

482- جمرات کی کنکریوں کو آخر دن تک مؤخر کرنا اور ایک ہی دفعہ مار دینا

حج میں اسی طرح رمی کی جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ عید والے دن جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔ پھر گیارہ تاریخ کو تینوں جمروں کو زوال کے بعد کنکریاں مارے، ہر ایک کو سات سات اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔ پھر ایسے ہی بارہ تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمروں کو کنکریاں مارے۔ مشروع ہے کہ گیارہ اور بارہ تاریخ کو پہلے جمرے کو رمی کرنے کے بعد ٹھہرے اور اسے بائیں جانب کرتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ اس طرح دوسرے جمرے کی رمی کے بعد دعا کرے لیکن اسے اپنی دائیں جانب رکھے، نبی کریم ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

رہا تیسرا جمرہ، جسے جمرۂ عقبہ بھی کہا جاتا ہے، تو اسے رمی کرے گا، لیکن دعا کے لیے وہاں وقوف نہیں کرے گا۔ پھر اگر جلدی جانا چاہے تو مغرب سے

پہلے سوئے مکہ روانہ ہو جائے، چاہے تو منیٰ میں رہے اور تیرہویں رات وہیں بسر کرے اور تیرھویں دن زوال کے بعد تینوں ہی جمروں کو رمی کرے جیسا کہ گیارہ اور بارہ تاریخ کو کی تھی۔ نبی ﷺ کی پیروی میں یہی افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جلدی نہیں کی تھی۔ اور اگر حاجی گیارہ اور بارہ کی رمی مؤخر کر دے اور تیرہ کو ترتیب سے زوال کے بعد کرے تو اسے کفایت کر جائے گا، لیکن یہ خلافِ سنت متصور ہوگا۔ اسے چاہیے کہ گیارہ کی رمی شروع کرے اور تینوں جمرات کو مارے، ترتیب کا خیال رکھے، پھر دوبارہ سے بارہ تاریخ کی رمی کرے اور پھر تیرہ کی۔ کثیر اہل علم نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 374/17)

483- لاعلمی میں جمروں کو رمی کرتے وقت ترتیب کا خیال نہ رہا

ہمیں امید ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ جہالت اور نسیان کے سبب ہوا ہے اور اصل مقصد یعنی تینوں جمروں کو رمی حاصل ہو چکا ہے لیکن وہ بھول گیا یا اسے ترتیب کا علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرة: 286]

"اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میں نے معاف کر دیا۔"[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعا قبول کر لی ہے، لیکن جو بھول گیا یا وقت کے ختم ہونے سے پہلے یاد آیا وہ دوسرے جمرے کو رمی کرے، پھر تیسرے کو، تاکہ ترتیب ملحوظ رہ جائے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 378/17)

[1] صحیح. سنن الترمذي، رقم الحديث [2992]

484- اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ کا مفہوم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى﴾ [البقرة: 203]

"اور اللہ کو چند گنے ہوئے دنوں میں یاد کرو، پھر جو دو دنوں میں جلد چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔"

یہاں ایام معدودات سے مراد تین ایامِ تشریق گیارہ، بارہ اور تیرہ ہیں۔ حجاج میں سے جو بارہ تاریخ کی رمی زوال کے بعد اور غروب سے پہلے کر لے اور واپس آ جائے تو اس نے جلدی کی ہے۔ اور جو منیٰ میں ہی رہا اور تیرہ تاریخ کو جمروں کو رمی کی تو اس نے تأخیر کی، یہ افضل ہے کیونکہ یہ مسنون ہے۔

(اللجنة الدائمة: 4448)

485- قربانی کے دن کے اعمال بالترتیب کرنا مسنون ہے

قربانی والے دن مسنون ہے کہ جمروں کو رمی کی جائے، پہلے جمرۂ عقبہ کو جو کہ مکہ کے ساتھ ہے، سات کنکریاں علیحدہ علیحدہ ماری جائیں اور ہر ایک کے ساتھ تکبیر کہی جائے۔ پھر اگر اس کے پاس قربانی ہے تو اسے ذبح کرے، پھر سر منڈوائے یا بال کتروائے، منڈوانا افضل ہے۔ پھر طواف کرے اور سعی کرے، اگر اس کا ذمے سعی ہے تو یہ افضل ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کیا۔ اگر بعض

کو بعض پر مقدم کرے تو بھی کوئی حرج نہیں، رمی سے پہلے قربانی کر لے، رمی سے پہلے طواف کر لے، یا رمی سے قبل سر منڈوا لے یا ذبح سے پہلے سر منڈوا لے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ نبی کریم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے تقدیم و تاخیر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:《 لا حرج، لا حرج》 ''کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں۔'' (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 347/17)

486- ایام تشریق میں منیٰ سے باہر رات گزارنا

گیارہ اور بارہ کی رات منیٰ میں گزارنا واجب ہے، مرد و زن سب کے لیے یہ حکم برابر ہے۔ اہل علم نے اسے ہی راجح قرار دیا ہے۔ اگر جگہ نہ ملے تو یہ حکم ان سے ساقط ہو جائے گا اور ان پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن جس نے بلا عذر ترک کیا اس پر دم آئے گا۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 359/17)

487- پہلے اور دوسرے حلال کا مطلب

پہلے حلال ہونے کا مطلب ہے کہ جب حاجی تین میں سے دو کام کر لے، جب رمی کر لے، سر منڈوا لے یا بال کتروا لے، یہ پہلے حلال ہونا ہے، اور اگر تین کام کر لے: رمی، طواف، سعی اگر اس پر ہو، اور سر منڈوا لے یا بال کتروا لے، یہ دوسرا حلال ہونا ہے۔ جب وہ دو کام کر چکے تو سلا ہوا لباس پہنے، خوشبو لگائے اور ہر چیز اس کے لیے حلال ہے جو احرام کے باعث حرام تھی، جب تیسرا بھی کر لے تو جماع بھی جائز ہو جائے گا۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ عید والے دن جب جمرے کو رمی کر لے تو پہلا حلال اسے حاصل ہو جائے گا، یہ عمدہ قول ہے۔ اگر ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں۔ ان شاء اللہ۔ لیکن احتیاط

اسی میں ہے کہ کوئی دوسرا کام بھی کر لے، سر منڈوا لے یا بال کتروا لے یا اس کے ساتھ طواف اور سعی کو ملا لے، اگر اس کے ذمہ سعی ہو۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے، اگرچہ اس میں اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا رميتم وحلقتم فقد حل لكم الطيب وكل شيء إلا النساء»[1]

''جب تم نے رمی کر لی اور سر منڈوا لیا تو تمھارے لیے خوشبو اور ہر چیز حلال ہو جائے گی، سوائے عورتوں سے مباشرت کے۔''

دیگر روایات بھی اس مسئلہ میں وارد شدہ ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن جمرہ کو رمی، قربانی اور سر کے بال منڈوا چکے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی۔ نص کا ظاہر بتا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی، قربانی اور بال منڈوانے کے بعد ہی خوشبو لگائی، تو افضل یہی ہوا کہ جب تک رمی، بال منڈوانا یا کتروانا یہ کام نہ ہو جائیں تب تک پہلا حلال ہونا نہ ہو اور اگر ہو سکے تو رمی کے بعد اور بال منڈوانے سے پہلے قربانی ہو، یہ افضل ہے اور احادیث کے مابین جمع و تطبیق بھی اسی طرح ممکن ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 354/17)

488- جو قربانی ساتھ نہ لایا ہو اس کے لیے حج تمتع افضل ہے

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو عمرہ کے ساتھ تمتع کرنے کا حکم دیا تھا، یعنی وہ طواف کریں، سعی کریں اور بال کتروا لیں، یہ افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لو لا أن معي الهدي لأحللت»[2]

---

[1] حسن لغیرہ. مسند أحمد [143/6]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1558] صحيح مسلم [1250/213]

اگر میرے ساتھ قربانی نہ ہوتی تو میں احرام کھول کر حلال ہو جاتا۔''

جس شخص کے پاس قربانی ہو اس کے لیے افضل ہے کہ حج و عمرہ کا احرام باندھے، اور جس کے ساتھ قربانی نہ ہو اسے چاہیے کہ عمرے کا احرام باندھے، طواف کرے، سعی کرے اور بال کتروا کر حلال ہو جائے، پھر آٹھ ذوالحجہ کو اسی سال حج کا احرام باندھے۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 83/17)

489- حج افراد سے قِران کی طرف منتقل ہونا جبکہ بعض اس سے منع کرتے ہیں

حج مفرد اور قِران کرنے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ عمرے کی طرف منتقل ہو جائیں، اور مزید یہاں کلام کی گنجائش نہیں۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم تین قسموں میں تھے، کچھ لوگ حجِ قِران کر رہے تھے اور حج و عمرے کا تلبیہ کہہ رہے تھے، کچھ حج افراد کرتے ہوئے صرف حج کا تلبیہ کہہ رہے تھے اور کچھ صرف عمرے کا تلبیہ کہہ رہے تھے، اور نبی کریم ﷺ بھی حج و عمرے کا اکٹھا تلبیہ کہہ رہے تھے کیونکہ آپ ﷺ قارن تھے، اور قربانی ساتھ لائے تھے۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ عمرہ کر لیں، سوائے اس کے جو قربانی ساتھ لایا ہے، پھر جب مکہ میں داخل ہوئے طواف اور سعی کر لی تو تاکید فرمائی کہ بال کتروالیں اور احرام کھول دیں، سوائے اس کے جو قربانی ساتھ لایا ہے۔

مفرد اور قارن کے لیے جو قربانی ساتھ نہ لایا ہو یہی مسنون ہے تاکہ وہ راحت پائے اور مشقت میں نہ پڑے۔ اور جب آٹھ ذوالحجہ کا دن آئے تو حج کا احرام باندھ لے، اس میں یقیناً خیر عظیم ہے، اس لیے کہ حاجی اگر ذوالحجہ کی ابتداء یا ذوالقعدہ کے نصف سے لے کر لگاتار احرام میں اور پابندی میں رہے گا

تو اس کے لیے مشقت اور تکلیف ہوگی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آسانی کو قبول کرنا انتہائی مناسب رہے گا۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 82/17)

490- تمتع، افراد اور قِران کے مابین فرق

پہلا تمتع: حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھے اور اسے مکمل کر لے، طواف کرے، سعی کرے اور بال کتروا کر حلال ہوجائے، پھر اسی سال حج کا احرام باندھے تو اس طرح یہ عمرہ حج سے علیحدہ مستقل ہوجائے گا۔

قِران: یہ ہے کہ عمرے اور حج کا اکٹھا احرام باندھے اور احرام کی ابتداء میں کہے: "لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا" اس حالت میں اس کے افعال حج ہی کے متصور ہوں گے اور عمرہ بھی افعال حج میں داخل ہوجائے گا۔

اور افراد یہ ہے کہ صرف حج کا احرام باندھے اور ساتھ عمرہ نہ کرے۔ وہ میقات سے احرام باندھتے وقت کہے: "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ حَجًّا" یہ افعال کے اعتبار سے فرق ہے، اور قربانی کے وجوب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حج تمتع اور قِران کرنے والے پر قربانی واجب ہے، حج افراد کرنے والے پر نہیں۔ اور یہ قربانی جبری و اکراہی چیز نہیں بلکہ شکرانے کے طور پر ہے، لہٰذا انسان خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہے، ہدیہ کر سکتا ہے اور صدقہ کر سکتا ہے۔ افضلیت کے اعتبار سے دیکھیں تو قربانی ساتھ نہ لانے والے کے لیے تمتع افضل ہے اور قربانی ساتھ لانے والے کے لیے قِران افضل ہے۔ اس طرح تمتع قِران کے بعد ہے اور پھر حج افراد ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/219)

491- کعبۃ اللہ کے ساتھ چمٹنا، رخسار ملنا، اسے زبان کے ساتھ چاٹنا، ہتھیلیوں سے چھونا، پھر اسے سینے کے ساتھ لگانا

یہ بدعات وخرافات میں سے ہے۔ ان چیزوں کا حرام ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے۔ اس لیے کہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ التزام کیا جائے یعنی انسان حجرِ اسود اور باب کعبہ کی درمیانی جگہ پر اپنا سینا، رخسار اور ہاتھ رکھے، نہ کہ کعبہ کے جمیع اطراف میں ایسا کرے، جیسا کہ آج اکثر جاہل حجاج کرتے ہیں۔ زبان سے چاٹنا یا کعبہ کو چھو کر پھر سینے یا جسم کو چھونا بہر حال بدعت ہے۔ کیونکہ حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی مناسبت سے میں حاجیوں کی نظر اس طرف مبذول کروانا چاہوں گا کہ حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی ہے نہ کہ ان سے تبرّک مقصود ہے، جیسا کہ جہلاء کا خیال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو چھونا تبرّک ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے حجر اسود یا رکن یمانی کو چھوتے ہیں اور پھر اپنا ہاتھ اپنے سینے، چہرے یا اپنے بچے کے سینے یا چہرے پر ملتے ہیں۔ یہ غیر مشروع ہے اور ایسا عقیدہ بے بنیاد ہے۔ لہٰذا تبرّک اور عبادت میں فرق ملحوظ رہنا چاہیے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

«إني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت النبي صلی اللہ علیه وسلم يقبلك ما قبلتك»[1]

"بے شک میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، تو نقصان پہنچا سکتا ہے

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحديث [1520] صحيح مسلم، برقم [1270]

نہ نفع دے سکتا ہے اور اگر میں نے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

اور اسی مناسبت سے میں بیان کرنا چاہوں گا کہ بہت زیادہ جہلاء کعبہ کی دیواروں اور تمام ارکان کو چھوتے ہیں جو بے بنیاد اور بدعت ہے، اس سے رکنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تمام ارکان کا استلام کر رہے ہیں تو انکار کیا اور بُرا جانا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بیت اللہ کی کوئی بھی چیز چھوڑی نہیں جا سکتی، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: 21]

"بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے۔"

اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ دو یمانی رکنوں کو ہی چھوتے تھے۔

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کعبہ کو یا اس کے ارکان کو چھونا محض اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ ہی کی پیروی واجب ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 11/222)

492- حیض اور نفاس والی عورت کے لیے طواف وداع کا حکم

حیض اور نفاس والی عورت پر طواف وداع نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لوگوں کو امر دیا گیا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ میں ہونا چاہیے

مگر حیض والی عورت سے تخفیف کی گئی ہے۔[1]

اور نفاس والی بھی اہل علم کے نزدیک حیض والی کی مثل ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 151/16)

493- ہدی (قربانی) کی قیمت نکالنے کا حکم

قربانی کی قیمت نکالنا ناجائز ہے۔ قربانی کا جانور صرف ذبح ہی کیا جائے، قیمت نکالنے والا قول نئی چیز ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ [الشوریٰ: 21]

''یا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔''

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 155/16)

494- عمرے کو حج پر مقدم کرنے کا حکم جبکہ پہلا سنت ہے

صحیح بات یہ ہے کہ عمرہ واجب ہے۔ اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرة: 196]

''اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔''

احادیث سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اگر ایک مسلمان حج کے مہینوں میں عمرہ کرے، پھر اسی سال حج کرے تو اس کا حج تمتع ہوگا اور یہ حجِ افراد اور قِران سے افضل ہے جبکہ آدمی قربانی ساتھ نہ لایا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1755] صحيح مسلم [1328/380]

موقع پر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے، جو قربانی ساتھ نہیں لائے تھے، فرمایا:

«اجعلوها عمرة، ولو استقبلت من أمري ما استدبرت ما سقت الهدي، ولجعلتها عمرة»[1]

''اسے عمرہ بنا لو اور اگر مجھے میرے معاملے کا پہلے پتہ چل جاتا جس کا مجھے بعد میں پتہ چلا ہے تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا لیتا۔''

(اللجنة الدائمة: 6542)

495- چھوٹے بچے کا حج

جو بچہ تمیز کر سکتا ہے اور غیر بالغ ہے، اگر اس کا سرپرست اسے حج کروانا چاہتا ہے تو اسے حکم دے کر احرام والا لباس پہنے اور میقات سے احرام باندھنے سے لے کر آخر مناسک حج تک وہ بچہ تمام اعمالِ حج از خود سرانجام دے۔ اگر رمی نہ کر سکے تو سرپرست اس کی طرف سے رمی کرے اور اسے حکم دے کہ احرام کے تمام محظورات و ممنوعات سے احتراز کرے۔ اور اگر بچہ تمیز نہیں کر سکتا تو سرپرست اس کی طرف سے احرامِ عمرہ یا حج کی نیت کرے اور اسے طواف و سعی کرائے اور دیگر مناسک میں اس کے ساتھ حاضر ہو اور اس کی طرف سے خود رمی کرے۔ (اللجنة الدائمة: 6736)

496- حج اکبر

قربانی کے دن ہی کو حجِ اکبر کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر قربانی والے دن کھڑے ہوئے اور فرمایا: «أي يوم هذا؟» ''یہ کونسا دن ہے؟'' لوگوں نے کہا: قربانی کا دن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح مسلم [1211/130]

نے فرمایا:((هذا يوم الحج الأكبر)) [1] ”یہ حج اکبر کا دن ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ان لوگوں شامل تھا جنھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قربانی والے دن منیٰ میں یہ مژدہ سنانے کو بھیجا:

”اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف کرے۔“ [2]

قربانی کے دن کو حج اکبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی رات کو عرفہ میں وقوف، مزدلفہ میں رات بسر کرنا اور اس کے دن کو رمی، قربانی، سر منڈوانا، طواف اور سعی جیسے اعمال ہوتے ہیں۔ حج کا دن وقت ہے اور حج اکبر اس کا عمل ہے۔

حج اکبر کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے:

﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ [التوبة: 3]

”اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف صاف اعلان ہے۔“ (اللجنة الدائمة: 6519)

497- مشعر حرام

بسا اوقات مشعر حرام سے مراد خاص جگہ ہوتی ہے جہاں مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اور یہ وہ جگہ ہے جہاں مزدلفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر پڑھ کر تشریف لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے حتی کہ مشعر حرام میں آئے، یہاں وقوف کیا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی، تکبیر و تہلیل کرتے رہے، یہاں تک کہ خوب روشنی ہوگئی۔ اور کبھی مشعر

[1] صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث [1945]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1622] صحيح مسلم [1347/435]

حرام سے سارا مزدلفہ مراد ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«وقفت هاهنا وجمع كلها موقف»[1]

''میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور مزدلفہ سارے کا سارا جائے وقوف ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ﴾ [البقرة: 198]

''پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو۔''

بنا بریں مشعر حرام سے کبھی معین جگہ مراد ہوتی ہے، جہاں نبی کریم ﷺ نے وقوف فرمایا تھا۔ اور وہ مزدلفہ میں ایک معروف پہاڑ ہے جہاں مسجد تعمیر کر دی گئی ہے۔ اور کبھی اس سے مراد سارا مزدلفہ ہوتا ہے۔ اسے مشعر حرام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں بہت بڑی مشعر (نشانی) ہے جو حِل میں ہے۔ یعنی عرفہ، اور عرفہ عظیم ترین مکانی نشانیوں میں سے ہے، لیکن وہ حل میں ہے اور حدود حرم سے باہر ہے۔ لیکن جو مشعر حرام مزدلفہ میں ہے وہ حرم کی حدود میں ہے۔ اور منیٰ کو مشعر حرام اس لیے نہیں کہا جاتا کیونکہ وہاں وقوف نہیں ہے۔ نیز وہ وقوف جو جمرات کے مابین ایام تشریق میں ہوتا ہے وہ مستقل وقوف نہیں ہے، بلکہ وہ جمروں کی رمی والی عبادت کے ضمن میں آ جاتا ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7/224)

498- مدینہ منورہ کی زیارت کرنے والا کیا کرے؟

زائرِ مدینہ کو چاہیے کہ مسجد نبوی میں جائے اور وہاں دو یا زیادہ رکعتیں ادا کرے، کثرت سے درود پڑھے اور کثرت سے ذکر الٰہی، قرآن مجید کی تلاوت

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1218]

کرے اور علمی حلقوں میں حاضر ہو۔ اگر اعتکاف کر سکے تو بہتر ہے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں پر سلام پڑھے۔ یہ زائرِ مدینہ کے لیے مشروع ہے۔ اگر وہ وہاں رہے اور مسجد نبوی میں نمازیں ادا کرے تو یہ خیر عظیم ہے کیونکہ حدیث پاک ہے:

« صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلوة فيما سواه إلا المسجد الحرام »❶

''میری اس مسجد میں ایک نماز دیگر مساجد سے ہزار گنا افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔''

لیکن جو بات لوگوں میں مشہور ہے کہ زائر وہاں آٹھ دن رہے حتی کہ چالیس نمازیں ادا کرلے درست نہیں ہے، اگرچہ حدیث میں ہے:

« من صلى فيه أربعين صلاة كتب الله له براء ة من النار و براء ة من النفاق »❷

''بے شک جس نے اس مسجد میں چالیس نماز ادا کرلیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ سے اور نفاق سے براءت لکھ دیں گے۔''

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، قابلِ حجت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا راوی حدیث و روایت میں غیر معروف اور منفرد ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جس حدیث میں مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کی فضیلت بیان ہوئی ہے وہ ضعیف اور ناقابلِ اعتماد ہے۔ اور زیارت کی کوئی حد بندی نہیں۔ اگر ایک یا دو گھڑیاں یا ایک یا دو دن یا زیادہ وقت زیارت کرے تو

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [1190] صحيح مسلم [1394/506]

❷ منكر. مسند أحمد [155/3]

کوئی حرج نہیں۔ زائر کے لیے مستحب ہے کہ بقیع کی زیارت کرے۔ وہاں مدفون لوگوں کے لیے دعاءِ مغفرت کرے اور سلام کہے۔ اسی طرح شہداء کی زیارت مستحب عمل ہے اور ان کے لیے دعاءِ مغفرت و رحمت کرے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ اپنے گھر میں اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد قباء کی زیارت کرے اور وہاں دو رکعت ادا کرے، جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام اس کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔لیکن نبی کریم ﷺ کے منبر کا طواف جائز نہیں ہے۔

اور اگر نبی ﷺ کے قرب کے ارادے سے طواف کرے گا تو یہ شرک ہوگا، کیونکہ طواف عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کعبہ کے گرد کی جاتی ہے اور جس نے نبی کریم ﷺ کی قبر کا طواف کیا یا لوگوں میں سے کسی اور کی قبر کا طواف کیا وہ شخص مشرک ہو جائے گا۔ اگر وہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کا یہ فعل تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے تو یہ بدعت ہے۔ غیر نبی کی قبر کے طواف کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ حضرت حسین کی قبر یا مصر میں بدوی کی قبر یا شام میں ابن عربی کی قبر یا عراق میں شیخ عبدالقادر جیلانی یا موسیٰ کاظم کی قبر ہے۔ وغیرہ وغیرہ

میت کی زیارت اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے مابین فرق کرنا چاہیے۔ عبادت محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور میت کی زیارت کا مقصد آخرت کی یاد، زہد فی الدنیا اور اس کے لیے دعا و ترحم ہے۔ اگر اس کی عبادت کی جائے یا اس سے دعا کی جائے، یا استغاثہ کیا جائے یا ایسے ہی شرکیہ امور تو یہ ناجائز اور محرمات شرکیہ ہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 405/17)

499- رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت

اس حوالے سے تین احادیث پیش کی جاتی ہیں:

① «من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني» ''جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ جفا کی۔''

② «من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي» ''جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی وہ ایسے ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔''

③ «من زارني بالمدينة محتسبا كنت له شفيعا شهيداً يوم القيامة» ''جس نے ثواب سمجھتے ہوئے مدینہ میں میری زیارت کی، میں قیامت کے روز اس کے لیے سفارشی اور گواہ ہوں گا۔''

یہ احادیث بعض کتب میں موجود ہیں اور ان کے بارے اشکال پیدا ہو گیا ہے۔ ایک رائے ان کی تائید میں ہے اور دوسری ان کے خلاف۔ پہلی حدیث ابن عدی اور دارقطنی میں ہے، اس کے الفاظ ہیں:

«من حج ولم يزرني فقد جفاني» ❶

یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن نعمان بن شبل باہلی ہے جو اپنے باپ سے بیان کر رہا ہے اور دونوں ہی سخت ضعیف ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: اس حدیث میں اعتراض ابن نعمان پر ہے نہ کہ نعمان پر۔ اس حدیث کو بزار نے بھی بیان کیا ہے۔ اس کی سند میں ابراہیم غفاری ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اسے امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور کہا ہے: ''اس کی سند مجہول ہے۔''

دوسری حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور اس کی سند میں مجہول راوی ہے۔ ابو یعلی نے اپنی ''مسند'' اور ابن عدی نے ''الکامل'' میں بیان

❶ موضوع. ابن حبان في المجروحين [73/3]

کیا ہے، اس کی سند میں حفص بن داود ضعیف الحدیث ہے۔ تیسری حدیث ابن ابی الدنیا کی روایت کردہ ہے، اس کی سند میں سلیمان بن زید الکعبی ضعیف الحدیث ہے، اسے ابو داود طیالسی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور اس کی سند میں مجہول راوی ہے۔ ان احادیث اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث پر تفصیلی گفتگو علامہ الشیخ محمد بن عبدالہادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الصارم المنكي في الرد على السبكي" میں کی ہے۔ اور ان سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اخنائی پر رد کرتے ہوئے کلام کیا ہے۔ مزید معلومات کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

قبروں کی زیارت کے حوالے سے صحیح احادیث بھی ہیں جو عام ہیں اور ان میں عبرت اور میت کے لیے دعا کا ذکر ہے۔ لیکن جو احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے متعلق بطور خاص بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں، بلکہ کہا گیا ہے کہ من گھڑت ہیں۔ تو جو قبروں کی زیارت کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا شوق رکھتا ہے وہ عبرت، نصیحت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبین کے لیے دعا کے لیے کرے۔ اس کے لیے سفر کیا جا سکتا ہے اور یہ زیارت مشروع ہے۔ اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ لیکن جو بطور خاص سفر کرے اور کجاوے کسے یا اس نیت سے زیارت کرے کہ تبرک حاصل ہو یا قبروں سے فائدہ ملے گا یا ان کی زیارت کے لیے خاص مواقع بنائے جائیں تو قبروں کی زیارت بدعت ہے۔ اس بارے میں کوئی صحیح نص نہیں اور نہ ہی اس امت کے سلف صالحین سے یہ چیزیں معروف ہیں بلکہ احادیث میں ان کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ حدیث ہے:

« لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجدي هذا، والمسجد الأقصى »[1]

''کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مساجد کی طرف، مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔''

اور حدیث میں ہے:

« لا تتخذوا قبري عيدا، ولا بيوتكم قبوراً، وصلوا علي فإن تسليمكم يبلغني أين ما كنتم »[2]

''میری قبر کو میلہ نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بنانا اور مجھ پر سلام پڑھا کرو تم جہاں بھی ہو وہ مجھے پہنچ جاتا ہے۔''

اسے امام مقدسی رحمہ اللہ نے ''الأحاديث المختارة'' میں بیان کیا ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 416/17)

500- انبیا علیہم السلام کے آثار میں نماز پڑھنے یا مسجد بنانے کے لیے انھیں تلاش کرنا

کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ انبیاء کے آثار کو تلاش کرے تاکہ وہاں نماز پڑھے یا مسجد تعمیر کرے۔ کیونکہ یہ شرک کے ذرائع ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس سے منع کیا کرتے اور فرماتے تھے:

« إنما هلك من كان قبلكم بتتبعهم آثار أنبيائهم »[3]

''اپنے انبیاء کے آثار کی تلاش نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1189] صحيح مسلم [1397/511]

[2] الضياء في المختارة [49/2]

[3] صحيح. ابن أبي شيبة، رقم الحديث [7550]

اسی طرح حدیبیہ کے مقام پر موجود اس درخت کو بھی کٹوا دیا جس کے نیچے نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی گئی تھی۔ کیونکہ کچھ لوگ وہاں جا کر نماز پڑھنا شروع ہوگئے تھے۔ تو انھوں نے شرک کے وسیلہ کو ختم کر دیا اور بدعت کی جڑ اکھاڑ پھینکی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصف تھا کہ شرک و بدعت کے ذرائع کو ختم کرتے اور کمال حکمت و دانائی سے کام لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے آثار پر، جو کہ طریق مکہ میں اور تبوک وغیرہ میں تھے، مساجد نہیں بنائیں، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ خلافِ شریعت ہے اور شرک اکبر میں واقع ہونے کا موجب ہے، اور ان بدعات میں سے ہے جن سے رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا ہے۔ فرمایا:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد»[1]

''جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

نیز فرمایا:

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد»[2]

''جس نے ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا کرتے تھے:

«أما بعد: فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة»[3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

[3] صحيح مسلم [876/43]

''حمد و ثناء کے بعد: سب سے بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور سب سے بُرے کام دین میں نئے کام ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس مفہوم کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاوی والمقالات: 420/17)

500
سوال و جواب
للعبادات

لأصحاب الفضيلة

الإمام ابن باز
العلامة العثیمین
العلامة الفوزان
سعودی فتوی کمیٹی

- الطهارة
- الصلاة
- الصیام
- الزكاة
- الحج والعمرة

مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
Tel # +92-42-37351124 , +92-42-37230585
E-mail: maktaba_quddusia@yahoo.com
www.QUDDUSIA.com